بسم اللہ الرحمن الرحیم

مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح

سلسلہ مطبوعات ''معارف اسلامیہ ٹرسٹ'' نمبر۲

مشکوٰۃ النبوت

۸

تصنیف منیف

حضرت سید شاہ غلام علی قادری خلف اکبر قدوۃ المحققین حضرت سید شاہ موسیٰ قادری قدس سرہٗ

مترجم

ابوالحسین السید وحید القادری عارفؔ (بی.ایس.سی.) خلف مولانا ابوالفضل سید محمود قادری مدظلہ

باھتمام

سید نصیر الدین بسملؔ قادری ابوالعلائی

معتمد اعزازی انجمن معین الملۃ ومعارف اسلامیہ

سن اشاعت ۱۹۸۵ء

قال اللہ تعالےٰ
مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح
سلسلہ مطبوعات "معارف اسلامیہ" ۹؎

جلد، ہشتم

مشکوٰۃ النبوت

تصنیف منیف

حضرت سید شاہ غلام علی قادری خلف اکبر سید شاہ موسیٰ قادری قدس سرہٗ

مترجم

ابوالحسین السید وحید القادری عارفؔ (بی ایس سی) خلف حضرت ابوالفضل سید محمود قادری مدظلہ

مع ضمیمہ

مشتمل بر حالات حضرت مصنف

باہتمام

سید شاہ نصیر الدین بسملؔ قادری ابوالعلائی معتمد عمومی معارف اسلامیہ

سن اشاعت ۱۹۸۵ء
ہدیہ: تیس روپیہ

تفصیلات اشاعت

سن اشاعت	۱۹۸۵ء
تعداد اشاعت	۵۰۰
قیمت	تیس روپیہ
کاتب	حبیب ہادی رفاعی
نام مطبع	اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد

(ملنے کے پتے)

۱۔ دیوڑھی حضرت مولوی سید محمودؒ (20-7-175) فتح دروازہ
۲۔ اسٹوڈنٹس بک ڈپو چارمینار
۳۔ حسامی بک ڈپو مچھلی کمان
۴۔ مکتبۂ انوار مصطفےٰ شاہ علی بنڈہ
۵۔ الیاس ٹریڈرس شاہ علی بنڈہ روڈ
۶۔ دفتر انجمن معین الملت دیوڑھی اقبال الدولہ شاہ گنج
دیگر مشہور تاجرین کتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

مشکوٰۃ النبوۃ کی یہ آٹھویں اور آخری جلد ہے ترجمہ ابو الفضل سید محمود قادری بانی انجمن معین الملۃ و "معارف اسلامیہ" کے خلف اصغر ابو الحسین سید وحید القادری عارف (بی ایس سی) حال مقیم جدہ کا ہے قابل مترجم نے حضرت مصنف کے حالات زندگی بھی مختلف کتابوں کے بعد مرتب کئے ہیں جو بطور ضمیمہ منسلک ہیں ۔

مشکوٰۃ جلد ہفتم تک (۶۱۲) اکابرین و صلحائے امت کے وقائع زندگی اور ارشادات سپرد قرطاس ہوئے اب اس جلد میں (۴۱) اصحاب رشد و ہدایت کے حالات درج ہیں اس طرح مجموعی طور پر (۶۵۳) رہبران راہ شریعت و طریقت کی پاکیزہ سوانح حیات اور ہدایات سے افراد ملت کو روشناس کیا گیا یہ اتنا بڑا کام تھا جس کی تکمیل کی توقع نہ تھی لیکن بانی انجمن و معارف اسلامیہ باوجود طویل علالت کے اس نایاب تصنیف کی پانچ جلدوں کا ترجمہ کر دیا باقی تین جلدوں کا ترجمہ صاحب موصوف کے خلف اصغر نے کر کے ؎ اگر پدر نتواند پسر تمام کند کے مقولہ کو صحیح کر دیا ۔

اس نوع کی کئی تصانیف کتب خانوں کی الماریوں میں بند پڑی ہوئی ہیں لیکن منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے ان سے داعیان اسلام اور مصلحین امت کے احساسات و کیفیات اور انکی زندگی کے اہم واقعات انکی پر اثر اور بابرکت مجلسوں اور ارشادات کی نقاب کشائی ہوتی ہے ان اہم ذخیروں کو منظر عام پر لانے کے لئے علاوہ باہمت اسکالرس کی توجہ کے کثیر سرمایہ درکار ہے ۔

توکلت علی اللہ "انجمن معین الملۃ" کے تحت جو تیس سال سے نہایت خلوص اور بے غرضی کے کارگذار ہے "معارف اسلامیہ" کا ایک شعبہ قائم کیا گیا ہے جسکا مشاورتی بورڈ اہم اور نامور شخصیتوں پر مشتمل ہے ان کے تعاون سے نایاب کتابوں کے تراجم نیز تحقیقاتی مقالوں کی اشاعت عمل میں آتی رہے گی ۔ افراد ملت اور اصحاب ثروت توجہ کریں تو کیا عجب ہے کہ "معارف اسلامیہ" کا ایک ٹرسٹ قائم ہو جائے بحمد اللہ دینی اور اسلامی جذبہ رکھنے والے اصحاب کی اس دور رفتہ و میں کمی نہیں ہے ۔ چنانچہ بانی "معارف اسلامیہ" کی اپیل پر پانچ سو سے لیکر سات ہزار روپیوں تک عطایا وصول ہوئے ۔ عوام کے لئے اقل ترین عطیہ بیس روپیہ رکھا گیا ہے اور وہ بھی عمر میں صرف ایک دفعہ اگر عوام اس اسکیم کو اپنے تعاون سے بار آور کریں تو بمصداق ؎ قطرہ قطرہ بہم شود دریا ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ٹرسٹ کے قیام میں بڑی مدد ملیگی اور اسلاف کے علمی ورثہ سے افراد ملت مستفید ہو کر صحیح راہ عمل متعین کر سکیں گے ۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز

پیرزادہ سید شاہ نصیر الدین سہیل ابو العلائی
معتمد عمومی معارف اسلامیہ و انجمن معین الملۃ

مشمولات

نشان سلسلہ	مضامین	صفحہ نمبر	نشان سلسلہ	مضامین	صفحہ نمبر
	مشکوٰۃ سی و سیوم		١٠	ذکر شریف حضرت شاہ رحمۃ اللہ علیہ	٧٠ تا ٧٤
١	ذکر شریف حضرت سید شاہ موسیٰ قادری رحمۃ اللہ علیہ	١ تا ٤٦	١١	ذکر شریف حضرت شاہ اعظم رح	٧٥ تا ٧٨
٢	ذکر شریف حضرت شاہ عبداللطیف ثانی رح	٤٦ تا ٤٨	١٢/١٣	ذکر شریف حضرت سید احمد رح و حضرت سید محمد رح	٧٨ تا ٧٩
٣	ذکر شریف حضرت سید شاہ محمد مدنی رح	٤٩ تا ٥١	١٤	ذکر شریف حضرت شاہ طاہر الدین محمد رح	٧٠ تا ٨١
٤	ذکر شریف حضرت شاہ غلام درویش رح	٥١ تا ٥٤	١٥	ذکر شریف حضرت سید نور الدین اسحاق قادری	٨٣
٥	ذکر شریف حضرت عبدالقادر عرف صاحب حضرت رح	٥٤ تا ٥٦	١٦	ذکر شریف حضرت شاہ عبدالقادر پیر پادشاہ رح	٨٣
٦	ذکر شریف حضرت سید شاہ عبدالرحیم رح	٥٦ تا ٦١	١٧	ذکر شریف حضرت قادر بادشاہ صاحب قادری رح	٨٤ تا ٨٧
٧	ذکر شریف حضرت فخر الدین عرف شاہ فخر صاحب رح	٦١ تا ٦٤	١٨	ذکر شریف حضرت شاہ غلام حسین رح	٨٨ تا ٨٩
٨	ذکر شریف حضرت سید شاہ اسد اللہ رح	٦٤ تا ٦٧	١٩	ذکر شریف حضرت شاہ برہان رح	٨٩ تا ٩١
٩	ذکر شریف حضرت شاہ یوسف رح	٦٧ تا ٧٠	٢٠	ذکر شریف حضرت شاہ معصوم رح	٩١ تا ٩٤

۲۱	ذکر شریف حضرت شاہ مسکین رح	۹۳ تا ۹۵	۳۱	ذکر شریف حضرت صادق علی شاہ رح	۱۱۲ تا ۱۱۵
۲۲	ذکر شریف حضرت شاہ رحمت اللہ صاحب رح	۹۶ تا ۱۰۱	۳۲	ذکر شریف حضرت مولوی خیر الدین رح	۱۱۵ تا ۱۱۹
۲۳	ذکر شریف حضرت مولوی شاہ رفیع الدین رح	۱۰۲	۳۳	ذکر شریف حضرت شاہ نور اللہ رح	۱۱۹ تا ۱۲۱
۲۴	ذکر شریف حضرت مولوی سید نور العلےٰ رح	۱۰۳ تا ۱۰۴	۳۴	ذکر شریف حضرت قاضی میر محمد فاضل رح	۱۲۱ تا ۱۲۲
۲۵	ذکر شریف حضرت شاہ غلام احمد کمبل پوش رح	۱۰۵ تا ۱۰۶	۳۵	ذکر شریف حضرت حافظ غلام سرور رح	۱۲۵
۲۶	ذکر شریف حضرت غلام حسن عرف شاہ امین صاحب رح	۱۰۶ تا ۱۰۷	۳۶	ذکر شریف حضرت شاہ فخر الدین رح	۱۲۵ تا ۱۲۷
۲۷	ذکر شریف حضرت شاہ نظام رح	۱۰۷	۳۷	ذکر شریف حضرت پیر بادشاہ صاحب رح	۱۲۵ تا ۱۲۷
۲۸	ذکر شریف حضرت شاہ ندیم رح	۱۰۷ تا ۱۰۸	۳۸	ذکر شریف حضرت سید محی الدین رح	۱۲۸ تا ۱۲۹
۲۹	ذکر شریف حضرت شاہ عنایت اللہ رح	۱۰۸ تا ۱۰۹	۳۹	ذکر شریف حضرت سید عبد الولی رح عزلت	۱۲۹ تا ۱۳۰
	ذکر شریف حضرت شاہ حسین رح	۱۰۹ تا ۱۱۲	۴۰	ذکر شریف حضرت پیر بادشاہ صاحب رح	۱۳۰ تا ۱۳۱

۴۱ - حضرت سید علی رمز الٰہی ۱۳۱ تا ۱۵۷

مشکوٰۃ سی وسیوم

ذکر شریف

مخزن اسرار صفدری، معدن انوار حیدری، سیدی و مرشدی
قبلہ کونین سیدنا شاہ سید موسیٰ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

وافاضنا اللہ تعالیٰ من فیوضاتہ وبرکاتہ

مؤلف عاصی جامع حضرت سید شاہ موسیٰ قادری کے کمترین خاکروبوں سے ہے عرض پرداز ہے کہ قدوۂ ارباب یعنی حضرت مرشدمن اپنے پدر بزرگوار کے خلیفہ برحق اور انکی مسند سجادگی کے جانشین تھے آداب طریقت، سخاوت، قناعت، توکل، صدق وصفا، بے ریائی، اخلاق دنیا سے بے پروائی اور استغنا میں وحید اور منفرد تھے اور ان خصوصیات میں آپکی نظیر نہ تھی۔ راوی کا بیان ہے کہ آپ نے سات سال کی عمر ہی سے اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ کو اختیار فرمایا۔ اور اس کم سنی میں ہی اپنے ہم عصر بچوں کو بیعت دیتے تھے۔ مؤلف عاصی کہتا ہے کہ ان بچوں کے منجملہ بعض کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ وہ سن بلوغ کو پہونچنے کے بعد حضرت مرشدی کے دست حق پرست پر مکرر بیعت ہوئے اور کہتے کہ ہم لوگ ایام طفولیت ہی میں حضرت کے مرید تھے اس وقت سے آج تک ہماری ارادت قائم ہے اور میں نے بعض ایسے لوگوں کو بھی دیکھا کہ انھوں نے بچپن کی اس بیعت پر ہی اکتفا کیا مثلاً عبدالغنی وغیرہ۔ الغرض زبدۂ کبیران عدن، حضرت قبلۂ من ولی مادرزاد تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت سنہ ۱۲۵۲ھ میں واقع ہوئی۔ میرے جدامجد نے آپ کے تولد ہونے پر آپ کو اپنی ہمشیرہ کی فرزندی میں دیا۔ اسی نے ہمارے حضرت اکثر اپنی پھوپھی کے گھر میں رہتے تھے

جو مسعود پورہ میں واقع تھا۔ کبھی کبھی اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے۔ چنانچہ حضرت خود فرماتے ہیں کہ فقیر ایام طفولیت میں اپنی پھوپھی کے گھر میں سکونت پذیر تھا۔ لیکن اس کم عمری میں بھی میں نے کبھی مشرق کی جانب جہاں میرے والد ماجد کا مکان تھا پاؤں دراز نہ کئے اس میں یہ ادب مضمر تھا کہ اس جانب میرے پدر بزرگوار تشریف فرما ہیں سبحان اللہ یہ عجیب ازلی آداب تھے آپ اسی وقت سے سرتاپا عشق میں ڈوبے ہوئے تھے۔

راوی تحقیق کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت مذکور چودہ سال کے ہوئے تو ایک روز اپنے پدر گرامی قدر کی خدمت میں ان سے شرف ملاقات کے لئے اور اپنے جد امجد کے روضہ مبارک کی زیارت کی نیت سے تشریف لے گئے آپ نے والد ماجد کو دیکھا کہ وہ روضہ منورہ کی جاروب کشی میں مشغول ہیں۔ حضرت بائیں کی جانب دست بستہ بکمال ادب کھڑے ہو گئے میرے جد امجد نے اپنی خدمت مثلاً غلاف گردانی اور جاروب کشی سے فارغ ہو کر حضرت والدی کو روضہ کے اندر یاد فرمایا اور اپنی آنکھوں سے اشارہ کیا کے روضہ کے اندر آؤ۔ ہمارے حضرت فرماتے ہیں کہ جب میں روضہ شریف کے اندر داخل ہوا تو اپنے پدر بزرگوار کی قدم بوسی سے مشرف ہوا حضرت والد ماجد نے میرا ہاتھ پکڑ کر مراسم بیعت ادا فرمائے اور اسی وقت مجھے دولت ارادت سے مالا مال کر دیا اور مراتب سلوک کی تلقین فرمائی۔ حضرت یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب حضرت والد شریف نے بسنت نگر کے سفر کا ارادہ کیا تو اس وقت فقیر کی عمر پندرہ سال تھی مجھے آپ کے اس سفر کے ارادہ کی اطلاع نہ تھی اور میں آداب طریقت بجا لانے کے لئے حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے مجھے اپنے ارادہ سے واقف کیا اور فرمایا کہ غلام موسیٰ تم اس سفر میں ہمارے ہمراہ رہو میں نے آداب اجابت بجا لائے اس کے بعد میں کامل ایک سال تک سفر میں آپ کے ہمراہ رکاب رہا۔

مؤلف عاصی نقل کرتا ہے کہ اس سفر مبارک میں میرے جد امجد نے خاندان عالیہ کی تمام نعمتیں، فیوضات اور برکات آپ کو عنایت فرمائے اس باطنی نعمت کے علاوہ اوراد اسم اور نقوش کی اجازت مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم آج سے ان کی مداومت کرو۔ فقیر آج سے نہ ان کا ورد کرے گا اور نہ لکھے گا۔ چنانچہ حضرت من فرماتے ہیں کہ جس روز آپ نے مجھے اسم "باسط" کے نقش لکھنے کی اجازت دی اور اس کا طریقہ دعوت بتایا تو یہی فرمایا جو

اور نقل کیا گیا یعنی فقیر اس نقش سے فارغ ہو گیا اب میرے بجائے تم لکھا کرو اس میں تاثیر ہو گئی۔ حضرت سید شاہ موسیٰ قادری یہ بھی فرماتے ہیں جب میں سترہ سال کا ہوا تو ایک روز اپنے والد ماجد کی خدمت میں حاضر تھا حضرت مذکور اپنی حسب دستور بنگوئی میں جلوس فرماتے تھے میں نے آداب و قدم بوسی بجا لائے اور اپنی جگہ مودب کھڑا ہو گیا حضرت نے رسی پر لٹکا اپنا جبہ مجھ سے طلب فرمایا۔ جب میں نے آپ کا پیراہن شریف آپ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا غلام موسیٰ اسے پہنو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ کیسا لگتا ہے۔ ہمارے حضرت فرماتے ہیں کہ حسب الحکم میں نے آپ کا خرقۂ مبارک زیب تن کیا جس پر آپ نے فرمایا “زیبندہ است و زیب خواہد داد” یعنی زیب دیتا ہے اور آئندہ بھی زیب دے گا۔

مولف عاصی عرض کرتا ہے کہ سچ ہے کہ وہ اشارہ لسان حق تھا جس سے مراد یہ تھی کہ ہمارے حضرت علیہ الرحمہ اپنے اجداد کے مقام ولایت کو اپنے عہد میں رونق تمام بخشیں گے۔ اس واقعہ کے ایک سال بعد جب آپ کی عمر شریف انیس سال کی ہوئی تو آپ بتاریخ ۲۱ ذی الحجہ سنہ [illegible] آپ اپنے پدر بزرگوار کی مسند سجادگی پر رونق افروز ہوئے اور ایک عالم آپ کے فیض عام سے بہرہ مند ہوا مولف عاصی یہ بھی تحریر کرتا ہے کہ حضرت مرشدی انیس سال کی عمر سے تریسٹھ سال کی عمر تک ریاضات و مجاہدات میں مشغول رہے۔ اپنے پدر بزرگوار کی وفات کے بعد آپ چودہ سال تک پنجگانہ نماز باجماعت ادا فرماتے اور فقہ اور عقائد کی علمی کتابیں مثلاً ”کفایت العباد، تکمیل الایمان وغیرہما آپ کے خاص مطالعہ میں رہیں۔ اگرچہ کہ آپ کو علم ظاہری بالکل نہ تھا آپ کلام شریف اور فتوح الغیب کا بغیر ترجمہ اور تفسیر کے تشریح فرماتے جو موافق ترکیب نحات ہوتی۔ آپ خود فرماتے کہ یہ فقیر امی اور جاہل ہے۔

مولف عاصی کہتا ہے کہ آپ تیس سال تک شب بیدار رہے اس عرصہ میں کسی نے آپ کو اپنے پہلو زمین پر رکھتے نہ دیکھا آدھی رات کے بعد آپ کسی کو اپنے قریب نہ رہنے دیتے اور صبح ہونے تک اپنے حوائج ضروری کا خود ہی یا بجائی فرماتے۔ اگر آپ کے مریدین اور معتقدین میں سے کوئی نصف شب کے بعد بھی قیام کا ارادہ کرتا تو آپ اس سے فرماتے کہ تم اپنے بستر سے آشنا ہو جاؤ۔ فقیر بھی استراحت کرے گا۔ اگر وہ پھر بھی کمربستہ خدمت کے لئے کھڑا ہوتا تو غصے سے فرماتے کہ کیا تم فقراؤ کے کاموں پر محتسب ہو کہ مجھ سے احتساب کرنا چاہتے ہو جاؤ اپنا کام کرو اور فقراؤ کے اوقات میں خلل نہ ڈالو۔ الغرض آپ کو اپنے احوال پسند مزاج تھے۔ آپ نے کبھی [illegible]

خرقہ درویشی زیب تن نہ کیا۔ آپ فرماتے تھے کہ یہ لوگ بزرگ ہیں اور فقیر ہیچمداں اسکی لیاقت مجھ میں نہیں۔ اشغال و اذکار ہمیشہ پردہ اخفا میں کرتے اگر اتفاق سے کوئی شخص رات کے آخری پہر میں حاضر ہوتا تو آپ اُس سے ناخوش ہوتے اور مغالطہ آمیز کلام فرماتے تاکہ آپکے اشغال اس کے ذہن سے فرو ہو جائیں۔ تصوف اور حقائق میں گفتگو صوفیائے مقلدین کی مانند نہ فرماتے۔ آپ کی مزاج میں رندی اور شوخی کی آمیزش تھی اسی بنا پر پنجگانہ نماز گھر ہی میں ادا فرماتے پانچ فرض نمازوں کے علاوہ نفل کثیر تعداد میں پڑھا کرتے۔

مولف عاصی تحریر کرتا ہے کہ اکثر یوں دیکھا گیا کہ آپ نماز عشاء کے بعد نماز تہجد تک نوافل اور مستحبات میں مصروف رہتے۔ روزانہ ہمہ وقت اوراد میں مشغولیت رہتی۔ کبھی آپ کا دست مبارک تسبیح سے جدا نہ ہوتا تھا۔ حصن حصین کے اکثر اعمال اور ادعیات پر حضرت پابند تھے یعنے اٹھتے بیٹھتے، آتے، جاتے، کھانا تناول فرماتے وقت اور سوتے وقت جو ادعیات روایت صحیحہ سے مروی ہیں ان کا ورد فرماتے ان مسنون دعاؤں کے بغیر کوئی کام نہ کرتے۔ قراءت کلام اللہ آپ کا شغل دوام تھا۔ اور آخر ایام میں کھانا اسی وجہ کم ہو گیا تھا کہ کم سن بچوں کی مقدار خوراک ہو گئی۔ شدت مراقبہ سے سر مبارک سینہ تک پہونچ جاتا تھا۔ آپ بہت نحیف ہو گئے تھے چہرہ شریف اس طرح تاباں اور درخشاں تھا جیسا کہ پہلے رہتا تھا۔

راوی حکایت کا بیان ہے کہ آپ پر فضل ایزدی اس طرح سایہ فگن تھی کہ اکثر علماء اور فضلائے وقت مثلاً مولوی عزت اللہ صدر بلدہ، مولوی حافظ عبدالقوی خان مفتی شہر وغیرہما نے آپ کی رندی اور خوش کلامی پر آپ کے تصرف ولایت اور علم لدنی کا اقرار کر لیا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ایک روز ایک مجلس میں شہر کے اکثر علماء و مشائخین جمع تھے۔ مولوی عزت اللہ مذکور بھی اس محفل میں موجود تھے ان کے ہاتھ میں دیوان مرتضوی تھا اور وہ اس کتاب مستطاب سے چند اشعار پڑھ کر تشریح فرما رہے تھے۔ الغرض پڑھتے پڑھتے وہ اس مقام پر پہونچے کہ حضرت فاتح ولایت کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ عجیب بات ہے کہ میں بعض لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ دل سے منافق اور زبان سے موافق ہیں۔ مولوی صاحب نے کتاب بند کر دی اور حاضرین مجلس سے مخاطب ہو کر سوال کیا کہ جبکہ الغیبۃ اشد من الزنا وارد ہوا ہے تو پھر شاہ ولایت جو حامل لوائے نبوت ہیں کس طرح غیبت فرما سکتے ہیں حاضرین میں سے ہر کسی نے اپنے حسب فہم کچھ نہ کچھ تاویل کی لیکن مولوی صاحب کو تسکین خاطر میسر نہ ہوئی

جب سارے حاضرین بیان کر چکے تو حضرت مرشدی نے فرمایا کہ مولوی صاحب یہ قول کلام الٰہی کے مواقق ہے یعنی امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ اطاعت حق بجا لائی ہے اور آپ نے کسی کی غیبت نہ کی۔ مولوی نے کہا اس کی کیا دلیل ہے آپ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ اپنے کلام معجز نظام میں مومنین کا ذکر ان کی مدح سے اور کافرین کا ذکر بذریعہ قدح فرمایا ہے اس طرح حضرت امیر المومنین نے برسبیل حکایت منافق اور موافق کا بیان کیا ہے آپ نے اپنے اس ارشاد میں کسی شخص کا نام نہیں لیا جس سے غیبت کا احتمال ہوتا۔ مولوی صاحب مذکور نے آپ کے حسن بیان پر وجد کیا اور بے اختیار اٹھے اور حضرت کے دست مبارک کو بوسہ دے کر کہا بے شک حضرت علم لدنی کے حامل ہیں۔ بے شک حضرت من امی تھے۔ یہ تمام کشف دینی تھا آپ کلام الٰہی بے ترجمہ و تفسیر مفسرین کے ارشادات کے موافق بیان فرماتے تھے۔

آپ کبھی کبھی عربی میں اشعار بھی کہا کرتے تھے اور اکثر اپنے مریدین کو عربی میں مکتوب لکھا کرتے تھے جس سے علی الترتیب "دیوان موسوی" اور "مکتوبات قادریہ" مراد ہیں۔ اور جب آپ وجد اور غلبۂ حال سے مملو ہوتے تو تحدیث نعمت کے طور پر ارشاد فرماتے کہ "آنچہ بما دادہ اند کم کسے را دادہ باشند کسی بمقام ما نرسیدہ و نہ شناسد کہ کجا رسیدہ ایم"۔

یعنی جو کچھ ہمیں دیا گیا ہے وہ کم ہی کسی کو دیا گیا ہوگا کوئی ہمارے مقام تک نہ پہونچ سکا اور کسی نے نہ پہچانا کہ ہماری رسائی کہاں تک ہے"۔

کبھی آپ پر ایسی حالت طاری ہوتی آپ کے دہان مبارک سے کف جاری ہو جاتا۔ سماع سے بھی آپ کو رغبت تھی کبھی کبھی سن لیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی ایسا بھی مشاہدہ ہوا کہ عین استیلاد حال میں حالانکہ آپ کے دانت اس قدر مضبوط نہ تھے آپ کہربا و عقیق وغیرہ قوت جذب سے منہ میں لیکر ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے جس سے ناظرین متعجب اور متحیر ہو جاتے۔ تین تین روز کھانا نہ کھاتے اور بہت روتے جس سے آپ کے کئی رومال تر ہو جاتے اور آپ کی آنکھوں سے مسلسل آنسو رواں رہتے۔

راوی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت تشریف فرما تھے آدھی رات گزر چکی تھی شمع روشن تھی اور آپ دیوان حافظ کے مطالعہ میں مصروف تھے کہ یکایک آپ پر حالت مذکورہ طاری ہوئی اور

آپ پر ان اشعار سے حلاوتِ ذوق کا غلبہ ہوا اس حالت کے تحت آپ دیوان حافظ کا ایک ایک ورق نکال کر شمع سے جلانے لگے یہاں تک کہ محرمِ راز حافظ شیراز کا سارا دیوان نذرِ آتش ہو گیا۔ حضرت خود فرماتے ہیں کہ کچھ عرصہ بعد فقیر نے دیوان موسوی کی ترتیب کا ارادہ کیا اور کسی مقام سے بطور ہدیہ دیوان حافظ طلب کر کے عفوِ تقصیر کی نیت سے دیوان کھولا تو جو غزل برآمد ہوئی وہ حسب ذیل ہے:۔

(غزل)

دوش دیدم کہ ملائک در میخانہ زدند — گِلِ آدم بسرشتند و بہ پیمانہ زدند
ساکنانِ حرمِ سترِ عفافِ ملکوت — با منِ راہ نشیں ساغرِ مستانہ زدند
آسماں بارِ امانت نتوانست کشید — قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند
شکر للہ کہ میانِ من و او صلح افتاد — حوریاں رقص کناں ساغرِ شکرانہ زدند
آتش آں نیست کہ بر شعلہ او خندد شمع — آتش آنست کہ در خرمنِ پروانہ زدند

کس چو حافظ نہ کشد از رخِ اندیشہ نقاب
تا سرِ زلفِ عروسانِ سخن شانہ زدند

فقیر کو اس سے یقین ہو گیا کہ حضرت لسانِ غیب اس ہیچ مداں کے احوال کی جانب متوجہ ہیں اور چھ ماہ میں کامل "دیوان موسوی" مرتب ہو گیا۔

راوی کا بیان ہے کہ آپ نے دیوان مذکور کی تحریر کے بعد اس پر نظرِ ثانی نہ فرمائی بعض اوقات آپ فرماتے کہ فقیر عاصی جو خراباتی رند مشرب اور دیوانہ وضع ہے چاہتا ہے کہ اس دیوان موسوی کو دریائے موسیٰ کے نذر کر دے۔ مکتوبات موسوی جو عربی عبارت میں تحریر کیے گئے تھے آپ نے عبداللہ بیگ خاں داروغہ عدالت کو عطا کیے جو عالمِ وقت اور حضرت کے معتقد تھے خان موصوف نے ان کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ الغرض حضرت علم اور اس کے دقائق بوقتِ ضرورت یوں بیان فرماتے کہ لوگ آپ کو اس علم کا ماہر خیال کرتے۔ سخاوت اور بذل دونوں کا یہ عالم تھا کہ فاما السائل فلا تنھر کے حکم کے بموجب کسی سائل کو محروم نہ لوٹاتے۔ جیب سے جو کچھ ہاتھ آتا عنایت فرما دیتے اور کسی وقت کچھ موجود نہ ہوتا تو پانی سے بھرا پیالہ پیش کر دیتے

فتوحات یعنی نقد رقم، ظروف اور اطعمہ وغیرھم سے جو کچھ حاصل ہوتا اس کا آدھا خالص اللہ کے نام پر درویشوں کو دے دیتے اور بقیہ آدھا حصہ متعلقین اور اہل خانہ میں تقسیم فرما دیتے فقراء کا حصہ اپنے سامنے رکھ لیتے اور صبح سے شام تک ہر وقت جو سائل سوال کرتا اس کو اس میں سے کچھ ایثار کر دیتے۔ اگر آپ محو خواب ہوتے یا بیت الخلاء میں ہوتے اور آپ کے کانوں میں کسی درویش کی آواز پہونچتی تو فوراً نیند سے بیدار ہو جاتے یا طہارت خانہ سے باہر آتے اور اس درویش کو کچھ نہ کچھ عنایت فرما دیتے اور پھر بستر استراحت پہ دراز ہو جاتے یا رفع حاجت کے لئے تشریف لے جاتے اگر کوئی سائل دن میں متعدد دفعہ آپ کے دروازہ پہ آواز طلب بلند کرتا تو آپ ہر دفعہ اسے کچھ نہ کچھ عنایت فرماتے اور کمال محبت، آداب اور کشادہ پیشانی سے راہ حق میں نفقہ مرحمت فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ "ما آنچہ بدرویشاں میدہیم نذر اللہ است نہ برائے اجر دنیا و نہ بجہت زاد آخرت است"

یعنی ہم جو کچھ درویشوں کو دیتے ہیں وہ اللہ کے نذر ہے نہ اس سے دنیا میں اجر مقصود ہے اور نہ اس سے زادِ اخروی مراد ہے"

اور فرماتے ہیں "اے مردان ما عبد دنیا دیگر و عبد عقبیٰ دیگر و عبد اللہ دیگر است حق تعالےٰ مارا در عبدیت و اطاعت فرمانبرداری خود دوام مستدام محفوظ و مسرور دارد"

یعنی لوگو! دنیا کا بندہ اور ہے عقبیٰ کا بندہ اور ہے اور خالص اللہ کا بندہ اور ہے حق تعالیٰ نے ہمیں اپنی عبدیت، اطاعت اور فرمانبرداری میں ہمیشہ محفوظ اور مسرور رکھا۔

اثنائے گفتگو میں اکثر فرماتے کہ "او سبحانہ تعالیٰ شانہ مارا و شمارا توفیق امر خیر و صداقت و ارادت روزی کند و بر صادقاں رحمت و بر کاذباں لعنت است"

یعنی حق سبحانہ تعالیٰ و جل شانہ نے ہمیں اور تمہیں اچھے کاموں صداقت اور ارادت کی توفیق عنایت کی ہے اور سچوں پر رحمت خداوندی ہے اور جھوٹوں پر لعنت ہے۔

مؤلف عاصی تحریر کرتا ہے کہ یہ حضرت کا تصرف تھا کہ جب آپ کسی پہ غصہ فرماتے تو عرصہ قریب میں ہی اسے دنیاوی نعمتیں حاصل ہو جاتیں آپ نے بیشتر مفلوک الحال اشخاص پر اپنی خشمناک نظریں ڈالیں جس کے باعث وہ عسرت و تنگ حالی سے جن کی بنا پر وہ حضرت کی خدمت میں فراغت دنیا کی نیت سے حاضر ہوتے تھے چھٹکارا پا لیا اور اپنے مقصود کو حاصل کر لیا۔ ان میں

سے بعض کو دیر سے اور بعض کو اسی ہفتہ میں فلاح مل گئی ۔

حضرت کا یہ بھی دستور تھا کہ آپ ہر کام سیدھے ہاتھ سے کرتے اور توابعین اور مریدین کو بھی تاکید فرماتے کہ وہ ہر کام کی ابتدا سیدھے ہاتھ سے کریں اور جو چیز آپ کے دست مبارک سے گرجاتی اسے درویشوں کو عنایت نہ کرتے نذر گن کر نہ لیتے اور اسکو صرف کر دیتے اس کی کمی بیشی کا آپ کو احساس نہ ہوتا ۔ ایک روز نواب سردار الملک عرف گھانسی میاں جو آپ کے مرید تھے کچھ مبلغ نذر آپ کی خدمت میں روانہ کیا فقیر اس وقت وہاں موجود تھا ۔ آپ کے خادم نے نواب مرحوم کے آدمی سے وہ رقم لی اور حضرت کی خدمت میں پیش کیا اثناء راہ میں اس کے دل میں آیا کہ حضرت رقم گن کر نہیں لیتے اگر میں اس میں سے کچھ چھپالوں تو کچھ نہ ہوگا ۔ چنانچہ اس نے پانچ روپیہ اپنے آستین کی تہہ میں رکھ لئے اور بقیہ رقم حضرت کی خدمت عالی میں پہونچادی ۔ حضرت روشن ضمیر نے خلاف معمول فرمایا کہ اے فلاں یہ کتنی رقم ہے اس نے عرض کیا کہ سردار الملک نے دو سو روپیہ نذر روانہ کی ہے آپ نے فرمایا میرے سامنے شمار کرو ۔ اس شخص مذکور کا بیان ہے کہ میں حواس باختہ ہوگیا اور جو رقم میں نے چھپائی تھی آپ کی نظر بچا کر بقیہ رقم میں ملادی ۔ فوراً آپ نے فرمایا کہ اب گننے کی ضرورت نہیں ۔ بسا اوقات اس قسم کے واقعات دیکھنے میں آئے ۔ آپ کے مریدین اور خدام جن کی تعداد تقریباً چالیس ہزار تھی انکے منجملہ ہر شخص ایک نئی کرامت بیان کرتا ہے اگر ان تمام کو یہاں قلمبند کیا جائے تو ایک دفتر مرتب ہو جائے گا جو باعث طوالت کلام ہے لہذا سمندر سے ایک قطرہ کی مقدار اور بہت سارے واقعات سے منجملہ مختصر طور پر جو خوارق اس خاکروب آستاں نے خود دیکھے اور جو واقعات دیگر برادران طریقت سے بسند صحیح مروی ہیں یہاں تحریر کئے جاتے ہیں ۔

مولف عاصی نقل کرتا ہے کہ ایک روز حضرت کی خدمت میں پان اور اسکے لوازمات بطور تحفہ آئے ہوئے تھے اس وقت یہ غلام کسی کام سے حضرت کی جناب میں حاضر تھا ۔ میرے دل میں آیا کہ اگر اس ماحضر میں سے ایک سپاری مجھے عنایت فرمائیں تو بہتر ہوگا ۔ معاً آپ میرے دل کے اس خطرہ پر واقف ہوگئے اور مجھے میرے حسب دلخواہ سپاری مرحمت فرمائی اس کے بعد میرے دل میں خیال آیا کہ آپ کی یہ عنایات تو معمول کے موافق ہیں اگر یہ تصرف ہے تو آپ دوسری دفعہ دوبارہ مجھے عنایت فرمائیں گے ۔ میں نے یہ نیت کرکے آداب بجالائے اور پلٹ گیا فوراً آپ نے

مجھے مخاطب فرمایا اور اپنے جیب خاص سے سپاری نکال کر مجھے عطا کی اور فرمایا یہ اس سے بہتر ہے میں نے آداب عنایت بجا لائے اور لوٹنے کے لئے پلٹ گیا میں ایک قدم نہ چلا تھا کہ تیسری دفعہ آپ نے مجھے آواز دی اور مسکراتے ہوئے چھالیہ پان میں لگ کر جو لوازمات مثلاً الائچی وغیرہ مجھے عنایت کئے اور فرمایا کہ اے فلاں یہ پان بہترین ہے کہیں سے بطور ہدیہ آئے ہیں اگر تمہارا دل چاہے تو کھالو فوراً اس عاصی کا باطن لرزنے لگا اور عرق آلود آپ کی خدمت میں بیٹھ کر اس میں سے چند پتے کھائے اور بحال انفعال و ندامت حضرت کے سامنے سے اٹھ آیا اور دل میں عہد کر لیا کہ آئندہ ایسی حرکت حضرت کے امتحان کے لئے نہ کروں گا۔

حضرت کے مریدین کے منجملہ ایک شخص جس کا نام عمر خاں قائم خانی ہے کہتا ہے کہ میں ایام عاشورہ میں اپنے مرشد کے قریب تھا اس وقت مجلس کی ایک جانب سے شربت تقسیم کیا جا رہا تھا اور مٹی کے پیالوں میں صف اول سے دور شروع ہوا میں دوسری صف میں حضرت کے عین پیچھے تھا میرے دل میں خیال آیا کہ اس مٹی کے پیالے میں تمام اشخاص ایک ہی جانب سے پی رہے ہیں جس وقت میری باری آئے گی تو میں عذر کروں گا اور شربت نہ پیوں گا۔ ابھی یہ خیال دل ہی میں تھا کہ حضرت مجھ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا خاں برادر حدیث شریف میں آیا ہے سؤر المؤمن شفاء اور یہ تو حضرت سید الشہداء کی فاتحہ کا تبرک ہے تم اپنی باری آنے پر دل میں کچھ خیال نہ لاؤ اور بے تامل نوش کر لو۔ خاں مذکور کہتے ہیں کہ آپ کے اس کلام معجز انجام کے سنتے ہی میرا باطن لرزہ خیز ہو گیا اور میں سر بسجود ہو کر سکوت اجابت اختیار کیا اور جب میری باری آئی تو میں نے بلا عذر شربت کا پیالہ لے کر پی لیا۔

اسی راوی کا بیان ہے مجھے ہر روز آپ کے مطبخ سے اطعمہ مرحمت ہوتا اتفاقاً ایک روز مجھے نان اور حلوہ دیا گیا جس پر میرے دل میں یہ خطرہ پیدا ہوا کہ یہ حصہ آپ کے باورچی خانہ کا نہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس پر حضرت کی نظر نہیں پڑی میں اس وقت بھوکا تھا اسی وقت اسے کھا لیا۔ نماز عصر کے وقت آپ خانقاہ میں رونق افروز ہوئے تو چند کلمات کے بعد اس غلام سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ خاں برادر آج ہمارے گھر میں کچھ موجود نہ تھا جو پکایا جاتا ایک مقام سے نان اور حلوہ آیا تھا جسے ہم نے تناول کیا اور اسی میں سے تمہارے پاس بھی روانہ کیا گیا۔ عمر خاں مذکور کہتے ہیں کہ میں نے اپنے خیال فاسدہ پر متنبہ ہو کر سر ارادت زمین پر رکھ دیا۔

انہی کا بیان ہے کہ مجھے ابتدائے شعور سے خاندان قادریہ عالیہ میں بیعت کا ارادہ تھا میں اس سلسلہ کے بزرگ سے ملاقات کرتا لیکن میرا باطن کسی کی جانب رجوع نہ ہوتا جب میں اپنے وطن مالوف سے دیار دکن میں وارد ہوا تو قمرنگر عرف کرنول میں اقامت پذیر ہوا اور وہاں کے بزرگوں سے بھی ملاقاتیں کی۔ بالآخر میں سید الابدال عالی حضرت شاہ عبداللطیف لاابالی کے روضہ میں حاضر ہوا۔ آپ سے عرض کیا کہ حضرت آپ غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے صحیح النسب صاحبزادے ہیں۔ آپ مجھے جس کی جانب اشارہ فرمائیں گے میں اسی سے بیعت و ارادت حاصل کروں گا۔ خان مسطور کا بیان ہے کہ اسی شب میں اپنے رویائے صادقہ میں حضرت کے جمال انور سے مشرف ہوا اور دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ اے فلاں تمہارے مرشد سید موسیٰ حیدرآباد میں ہیں ان کو دست بیعت دو آپ نے حضرت کے چہرہ مبارک کی بھی ہلکی سی جھلک دکھائی جس سے حضرت مرشدی کے شمائل میرے دل میں نقش کالحجر ہو گئے۔ پھر میں نے آپ کے حلیہ سے استفادہ کرکے کرنول کے ساکنین سے آپ کا اسم مبارک دریافت کیا سب نے کہا کہ حضرت مذکور شہر حیدرآباد کے اعیان مشائخین سے ہیں۔ چنانچہ میں کچھ عرصہ بعد حیدرآباد میں آیا اور حضرت کی دولت پابوسی سے مشرف و مسعود ہوا میں نے دیکھا کہ آپ ہو بہو انہی شکل و شمائل کے حامل ہیں۔ میں نے بیعت کے لئے عرض کیا آپ نے فرمایا خان برادر جس روز تم نے اس کا ارادہ کیا تھا اس وقت سے ہمارے حلقہ مریدین میں شامل ہو اگر ظاہری رسم بیعت شرط ہے تو فقیر حاضر ہے۔ عمر خان کہتے ہیں کہ اس طرح آپ نے میرے اس خواب کو حقیقت کر دیا میں اسی روز حضرت کے غلاموں میں شامل ہو گیا۔

سید عبدالنبی عرف بنو صاحب جوہری جو جوہریوں کی قوم کے چودھری تھے کہتے تھے کہ ایک دفعہ مجھے تجارت کے لئے دریا کا سفر درپیش ہوا میں رخصت کے لئے حضرت پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت اندرون محل تھے میں نے اطلاع دی آپ اپنے محل کے دروازہ پر آئے اور مجھے رخصت فرمایا اس وقت میرا دل چاہا کہ میں تین بار حضرت کے گرداگرد طواف کروں اور اپنی راہ لوں چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب میں سفر پر روانہ ہوا تو کشتی میں تھا کہ مخالف ہوائیں چلنے لگیں جس سے کشتی کے لوگ ناامید ہو گئے میں بھی اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا۔ اس ہنگامہ میں میرے دل نے مجھ سے کہا کہ تم اس سفر پر حضرت کا طواف کرکے آئے ہو شاید یہ آخری طواف تھا۔ اس کے بعد میں دل سے حضرت کی جانب رجوع ہوا اسی وقت میں نے اپنے مرشد کو

دریا پر اپنی حشم ظاہری سے رونق افروز پایا میرا دل اس سے قوی ہو گیا اور میں نے کشتی پر سوار دیگر لوگوں سے کہا کہ دوستو خاطر جمع رہو میں نے ابھی اپنے مرشد کو دیکھا ہے اب یقین ہے کہ ہم کشتی سے بسلامتی اتر جائیں گے۔ پھر میں نے وجہ حلال سے کچھ رقم حضرت کی نذر کی نیت سے علیٰحدہ کی ایک لمحہ نہ گذرا تھا کہ ہوائیں درست ہو گئیں اور تمام اہل کشتی بخیریت ساحل مقصود پہ اتر گئے۔

راوی کا بیان ہے کہ جو کوئی کسی سخت آسیب کے شر میں مبتلا ہوتا تو اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کیا جاتا آپ فرماتے کہ اے فلاں تم اپنی آنکھوں سے مجھے دیکھتے رہو ایک یا دو روز نہ گذرتے کہ سایہ وغیرہ اس سے رفع ہو جاتا۔ چنانچہ مولف عاصی بسند اس حکایت کو نقل کرتا ہے کہ خانم صاحبہ جو حضرت کی مریدہ تھیں ان کی ایک ناکتخدا لڑکی تھی اس پہ ایک خبیث اور پلید آسیب وارد ہو گیا۔ اس نے اپنی لڑکی کو حضرت کی خدمت میں حاضر کیا اور صورتحال عرض کی آپ نے فرمایا کہ لڑکی کچھ عرصہ مجھے دیکھتے رہے تو تمہارا مقصد حاصل ہو جائیگا۔ چنانچہ وہ لڑکی سارا دن حضرت کے جمال انور کو دیکھتی رہتی اور آپ تلاوت کلام پاک میں مشغول رہتے ایک ہفتہ پورا نہ ہوا تھا کہ اس لڑکی کے سر سے جن رفع ہو گیا اور وہ شادی کے بعد صاحب اولاد ہوئی۔

ایک اور حکایت حکیم صادق حسینی بیان کرتے ہیں کہ جن ایام میں میں نے کرنول سے شہر حیدرآباد آنے کا ارادہ کیا تو اپنے مرشد حضرت شاہ طاہر قادری عرف صاحب پیر صاحب قبلہ کی خدمت میں رخصت کے لئے حاضر ہوا انہوں نے فرمایا کہ ہماری اگلی ملاقات رضائے الٰہی پر موقوف ہے لیکن حیدر آباد میں جناب سید شاہ موسیٰ قادری ساکن لال دروازہ ہمارے برادران سے ہیں انکو میری جگہ تصور کرو اور ہمیشہ حضرت مذکور کی خدمت میں حاضر رہو۔ خان موصوف کہتے ہیں کہ جب میں شہر میں داخل ہوا تو اسکے دوسرے روز دوپہر کے وقت آپ کی قدم بوسی کے ارادہ سے حضرت باکمال کی خدمت میں حاضر ہوا، مجھے معلوم ہوا کہ آپ عصر اور مغرب کے درمیان باہر تشریف لاتے ہیں۔ میں نے جرأت کرکے پانی بھرنے والی عورت کے ذریعہ اندر اطلاع کروائی کہ ایک شخص کرنول سے آپ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا ہے اور قدم بوسی کا ارادہ رکھتا ہے اسی وقت آپ باہر تشریف لائے اور خانقاہ مبارک کے صحن میں، میں شرف قدم بوسی سے مشرف ہوا اسی وقت سے میں دل و جان سے حضرت کا معتقد ہو گیا۔ آپ نے اپنا دست مبارک میری پشت پر رکھ کر

دریافت کیا کہ حکیم صاحب آپ بخیر و عافیت ہیں؟ میرے دل میں خیال آیا کہ حضرت صاحب باطن اور روشن ضمیر ہیں کیونکہ کسی نے آپ کے حضور میں میرا حکمت کے متعلق عرض نہ کیا تھا۔ اسکے بعد آپ نے اپنے اخفائے حال کے لئے فرمایا کہ تم سے فلاں حکیم صاحب بہت مشابہت رکھتے ہیں۔ اسلئے میں نے تمہیں حکیم کہا ہے دل میں کچھ خیال نہ لاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت روشن ضمیر ہیں جو کچھ فرماتے ہیں وہ عین حقیقت ہے۔

مؤلف عاصی تحریر کرتا ہے کہ ۱۱۸۴ھ میں قلمرو حیدرآباد میں امساک باراں ہوا۔ رئیس وقت نواب نظام الدولہ نے مشائخین بلدہ سے نماز استسقاء کے لئے جمع ہونے کو کہا۔ رئیس مغفور کی جانب سے ایک چوبدار اطلاع دینے کے لئے حضرت کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ فقیر کو تکلیف ہوگی اسلئے مجھے معاف رکھا جائے۔ دوسرے روز بھی آپ نے یہی جواب دیا۔ تیسرے روز رئیس مذکور کا فرستادہ پھر حاضر خدمت ہوا جس پر بعض اقربا نے کہا کہ حاکم کے حکم کی اطاعت واجبات سے ہے اور بارش کے لئے دعا کرنا مسنون ہے آپ کو جانا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا بیشک تقدیر تدبیر سے رد نہیں ہوتی۔ چنانچہ آپ تیسرے روز نماز استسقاء کے لئے جس حالت میں تشریف فرما تھے اسی طرح تمام لوگوں کے ہمراہ تشریف لے گئے اور چند بار رضینا برضاء اللہ فرمایا اس کے بعد رئیس وقت نے آپ سے ملاقات کا ارادہ کیا اور نماز کے لئے آپ کو اپنے مصلیٰ کے قریب طلب کیا آپ نے فرمایا میرے لئے یہی جائے نماز ہے جہاں کہیں رہیں نماز ادا کرلیں نماز میں قرب و بعد یکساں ہیں۔ رئیس نے شمشیر الملک کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ مجھے آپ سے ملاقات کا اشتیاق ہے نماز کے ساتھ ساتھ آپ سے ملاقات بھی میسر آجائے گی آپ کے اعزہ نے پھر کہا کہ کوئی مضائقہ نہیں آپ رئیس کے نزدیک قدم رنجا فرمائیں الغرض حضرت پچھلی صفوں سے نکل کر آگے تشریف لے گئے رئیس وقت نے سبقت کی اور آگے بڑھ کر آپ سے ملاقات کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ مصافحہ کے بعد رئیس وقت نے حضرت کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو اپنے مصلیٰ پر کھڑا کردیا اور خود حضرت کے بازو کھڑے ہوگئے۔ الغرض نماز تمام ہوگئی۔ ادائی نماز کے بعد اسی طرح حضرت نے سلام کیا اور رئیس نے سبقت کرکے مصافحہ کیا اس کے بعد آپ وہاں سے رخصت ہوگئے۔ اس حکایت کا مقصود تحریر یہ ہے کہ کچھ عرصہ بعد ہی ایک شاہانہ روز آتی

بارش ہوئی کہ شہر حیدرآباد کا ثلث حصہ آب دریائے موسیٰ کی طغیانی سے غارت ہو گیا۔ اس حادثہ عظیم سے روضہ کی امکنہ مثلاً خانقاہ اور لعل دروازہ کی عمارات وغیرہما وفور آب سے برہم ہو گئے تھا اور آب دجلہ روضہ کے باب الداخلہ کے اوپر سے چلا گیا ایک پرانی حویلی کے سوائے جس پر حضرت تشریف فرما تھے اور بجز روضہ منورہ اور مسجد روضہ کے اس محلہ میں کوئی مکان باقی نہ رہا سب اس پانی میں بہہ گئے۔

راوی کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ جس سال امساک باراں ہوا، میں ایک روز روضہ مبارکہ کے کنوئیں پہ آیا دیکھا کہ کنواں خشک ہو چکا ہے جب میں نے بارش کے موسم پر غور کیا تو اس موسم کے آخری ایام کی آمد ہو چکی تھی مجھے خیال آیا کہ اس دفعہ بارش بارش اتنی بھی نہ ہوئی کہ بارش کے پانی سے روضہ مبارکہ کا کنواں معمور ہو جاتا پھر میں نے کہا کہ اگر دریائے موسیٰ میں طغیانی آجائے تو چاہ مذکور لبریز ہو جائے گا۔ حضرت کا ارشاد تھا کہ اس ہفتہ میں آب دجلہ روضہ شریف کے چھت پہ سے گذریگا اور سارے مکانات پانی میں غرق ہو جائینگے۔

سید انوار اللہ اپنی تالیف انوار الاخبار میں تحریر کرتے ہیں کہ حضرت شاہ موسیٰ قادری کا مکان سکونت پل کے قریب آپ کے جد امجد کے روضہ میں واقع تھا جو لعل دروازہ کے نام سے مشہور ہے۔ شہر حیدرآباد میں اتفاق سے بارش کے موسم کے آخری دنوں میں دریائے موسیٰ میں ایسی طغیانی آئی کہ پل کی دیوار سے پانی ایک گز اوپر بہہ رہا تھا۔ شہر پناہ کی دیوار ٹوٹ گئی اور پانی شہر میں داخل ہو گیا شہر کے ایک حصہ تہائی مکانات ویران ہو گئے مرد، عورتیں، جان او مال کا بہت نقصان ہوا۔ شہر میں اس پانی کی وجہ سے ایسا غم و غبار برپا ہوا جو خارج از تحریر ہے اس ہنگامہ میں حضرت شاہ موسیٰ صاحب کی حویلی دریا سے نزدیکی کے باعث وفور آب سے برہم ہو گئی۔ حضرت مذکور اپنے صاحبزادوں، خدام اور چند فقراء کے ساتھ مکان کی چھت پر چڑھ گئے ساری رات اس چھت پر گزر گئی۔ جب آفتاب کی کرنیں شب تاریک کو اپنے رخ جہاں تاب سے منور کرنے لگیں تو طغیانی رو بہ انفعال ہوئی امراء نے اس پانی میں اپنے ہاتھی حضرت کے مکان تک روانہ کئے جس پر سوار ہو کر آپ وہاں سے باہر آئے۔

راوی مذکور کا یہ بھی بیان ہے کہ جب دریائے موسیٰ شدت آمیز ہوئی تو اس حادثہ سے کئی مستحکم عمارتیں زمین دوز ہو گئیں لیکن اس پرانے چھت کو حرکت نہ ہوئی حالانکہ دیوار سقف

دو قد آدم کھودی ہوئی تھی۔ یہ محض آپ کا تصرف تھا۔

راوی مسطور کا قول ہے کہ حضرت سید شاہ موسیٰ قادری شجاعت و بزرگی سے موصوف تھے نیم جامہ زیب تن فرماتے سبز رنگ کا ایک رومال دستار کی بجائے اپنے سر پر باندھتے اور آپکے ہاتھ میں شمشیر ہمیشہ ہوتی۔ آپ کی ذات قدسی صفات سے فقیری کی بو آتی اور آپ بہت متواضع تھے۔ مزاج شریف میں حلم بدرجہ اتم تھا اور خلائق کے منجملہ ہر کسی سے ملاقات فرماتے تھے۔ مشائخین شہر آپ کو نہایت معزز و مکرم جانتے معاش ظاہری جو جسم عنصری کے لئے لازم ہے آپ کو کہیں سے مقرر نہ تھی۔ توکل پر گذر بسر تھی۔ آپ کی خدمت بزرگی سے موصوف تھی اور آپ کے اوقات یاد حق سے معمور تھے۔

راوی مذکور کا یہ بھی بیان ہے کہ جب دریائے موسیٰ کے سیلاب سے صدمہ عظیم واقع ہوا تو آپ نے اپنے مکان کے پیچھے چند قدم پر ایک اور مکان تعمیر کروایا اور وہاں سکونت اختیار کی۔ آپ صاحب خرق عادات تھے۔

مؤلف عاصی جو جناب سید شاہ موسیٰ قادری کا خاکروب آستان ہے کہتا ہے کہ حضرت ممدوح اپنی رحلت سے کامل چار پانچ سال قبل کچھ دن بیمار رہے۔ مرض مہلک تھا اس غلام کو بڑی تشویش لاحق ہوئی۔ میں مکدر اور متفکر ہو گیا اُسی بیماری کی حالت میں ایک روز دوپہر شب کے وقت مجھے یاد فرمایا۔ جب میں حاضر خدمت ہوا تو دیکھا کہ حضرت حسب معمول شمع روشن کرنے والے تھے جسے آپ بذات خود روشن فرمایا کرتے تھے اور ان نقوش کے آداب بجا لاتے تھے جو آپ کے حجرہ سکونت میں ایک گوشہ میں نصب تھے جب غلام حاضر ہوا تو آپ نے اپنے دست مبارک سے ٹھہرنے کے لئے اشارہ فرمایا۔ چنانچہ یہ خاکروب آستان اپنی جگہ ٹھہر گیا۔ حضرت نے شمع روشن فرمائی اس نقش معظم پر پھول چڑھائے اور حسب عادت اسکے آداب بجا لائے پھر اس غلام سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے فلاں سامنے آؤ جب میں آپ کے قدموں کے سایہ تک پہونچا تو آپ نے فرمایا کہ منجملہ دیگر اسرار باطن کے ایک راز ہے جسے اپنی حد تک رکھو کسی پر ظاہر نہ کرنا اور اپنے دل میں تشویش کو راہ نہ دو۔ اس وقت ہمارے مولا نے ہم سے بطور الہام دریافت کیا کہ تمہیں گروہ شاکرین سے کیا جائے کیا جماعت صابرین میں شامل کیا جائے۔ اس بندۂ درگاہ صمدی نے عرض کیا کہ مجھے زمرہ صابری میں داخل فرمایا کیونکہ میرے جد امجد سید الشہداء امام الصابرین ہیں۔

چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ نے مجھے صحت دی جو صبر کا ثمرہ ہے۔ آج رات سے میں ادویہ اور معالجہ ترک کردوں گا۔ تم حکیم کا جو کچھ نسخہ تیار کر رہے ہو اسے موقوف کر دو۔ اگر تمہیں میرے قول پر یقین نہیں تو اسکی دلیل یہ ہے کہ اب میں صحیح و سالم ہو گیا ہوں اور مجھے کوئی بیماری نہیں یہ کہہ کر آپ اٹھے اور چند قدم چل کر فرمایا کہ دیکھو میں اتنا تندرست و توانا ہو گیا ہوں۔

اس خاکروب آستان کا بیان ہے کہ بیشک گذشتہ دو روز سے آپ کے مرض وجع مفاصل اور پنڈلیوں کی تکلیف میں ایسی شدت تھی کہ حرکت کرنی دشوار تھی لیکن اس وقت آپ عام رفتار سے چل رہے تھے جسکے عقدہ کو سمجھنے سے عقل و ادراک عاجز ہیں۔ چنانچہ اس روز سے حضرت نے حکماء کے علاج معالجہ کی جانب رغبت نہ فرمائی لیکن بعض اعزہ اور اہل خانہ وغیرہم کے پاس و خاطر سے کبھی علاج کر لیتے۔ پرہیز نہ فرماتے۔ چنانچہ آپ کی رحلت تک آپ چند بار بیمار ہوئے لیکن ہمیشہ یہی عمل رہا آخری ایام میں حکماء کی تشخیص کے برعکس عمل ہوتا جس کے رمز سے بجز اس غلام کے کوئی واقف اور مطلع نہ تھا۔

مولف عاصی کہتا ہے کہ عرصہ دراز سے موضع بہادرپورہ میں جو حیدرآباد کے مضافات سے ہے بارہ بیگہ زرعی زمین آپ کی ملک تھی۔ زمانہ قدیم سے یہ دستور رہا تھا کہ جب زراعت تیار ہو جاتی تو اس وقت کا حاکم اسکی پروانگی (اجازت) حضرت کی خدمت میں روانہ کرتا۔ جب قریہ مذکور آصف الدولہ کے عہد سلطنت میں حافظ شاہ ابراہیم صاحب کے فرزندوں کے قبضہ و تصرف میں آیا تو ان کے توابعین سے ایک شخص نے حسب دستور العمل کرنے کی اجازت نہ دی۔ حضرت نے کہلا بھیجا کہ دنیا دار حکام نے اپنے وقت میں ہمیشہ اس عمل کو جاری رکھا۔ تعجب ہے کہ تم اس کے برعکس کر رہے ہو یہ خلاف مروت ہے۔ اس شخص مختار نے حضرت حافظ ابراہیم صاحب مغفور کے صاحبزادوں کی بغیر اطلاع جواب دیا کہ ہاں ہم خلاف معمول عمل کر رہے ہیں ہرگز پروانگی نہ دیں گے۔ جب بات حد سے بڑھ گئی تو حضرت پر غیرت فقر طاری ہوئی اور آپ نے بحالت غیض فرمایا کہ خوب یہ ناظم وقت کی دولت اور قدرت پر نازاں ہیں اور ہم فقیر حقیر حضرت غوث الثقلین کے زمرۂ غلامان سے ہیں اور حضرت رضی اللہ عنہ کی حمایت رکھتے ہیں دیکھتے ہیں کہ وہ ہمارا کیا بگاڑینگے۔ پھر آپ پالکی میں سوار ہوئے اور چند خدمت گذار فقراء کی رفاقت میں موضع مذکور میں رونق افروز ہوئے اور حکم دیا کہ لوگوں کو جمع کر کے فصل کاٹ لی جائے۔ چنانچہ درویشوں نے حسبہٗ عمل کیا۔ جب

یہ واقعہ اس شخص کے گوش گذار ہوا تو اس نے پروانگی کا مکتوب تحریر کرکے اپنے آدمیوں سے حضرت کی خدمت میں بھیج دیا۔

راوی کا بیان ہے کہ جب اسکی تحریر حضرت کو پہونچی تو شدت غضب سے آپکے دونوں رخسار سرخ ہوگئے آپ نے اس کاغذ کو پارہ پارہ کر دیا اور ان لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ اپنے مخدوم سے کہو کہ ہم غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں انشاء اللہ المستعان آئندہ سال تک تمہاری احتیاجی نہ رہے گی۔ حقیقت میں ایسا ہی ہوا کہ نواب نظام الدولہ نے ایک سال بعد اپنے بھائی صلابت جنگ کو قید کر دیا اور اس موضع کی حکومت ان سے چھن گئی۔

راوی دیگر نقل کرتے ہیں کہ نظام الدولہ آصف جاہ ثانی حضرت کی خدمت میں اکثر آمد و رفت رکھتے۔ حضرت بھی چند بار رئیس مذکور کے خلوص کی بنا پر ان کے گھر تشریف لے گئے تھے اکثر لوگوں نے جنکی رئیس وقت کے دربار میں رسائی تھی بارہا سنا کہ رئیس الملک نظام الدولہ اپنی مجلس میں کہتے تھے کہ تمام بزرگان وقت کی وجہ معاش مقرر ہے سوائے درویش متوکل سید شاہ موسیٰ قادری کے۔ وہ یہ بھی کہتے کہ آپ آبادی شہر کے باعث ہیں اور ملک میں امن و امان آپ کے قدوم کی برکت سے ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک روز رئیس الملک نظام الدولہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آئندہ ماہ اس فقیر کی دختر کی شادی ہے۔ اس وقت میں آپ کو تکلیف دینا چاہتا ہوں۔ کیا آپ تشریف لائیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ اگرچہ کہ بئس الفقیر علی باب الامیر آیا ہے لیکن فقیر تمہارے خلوص کے باعث اس امر مسنون میں شرکت کے لئے تمہاری دعوت قبول کرتا ہے۔ الغرض آپ کی اس دعوت میں تشریف لے گئے اس وقت رئیس موصوف محل میں تھے خلوت گاہ بآرائش تمام مزین کی گئی تھی اور مسند بچھی ہوئی تھی۔ ایک چوبدار آیا اور مسند کو اس مقام سے اٹھالیا اور حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ بندگان عالی نے حضرت کے پاس آداب سے مسند اٹھوالی ہے۔ حضرت نے رئیس سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ نواب تم سعادت مند ہو انشاء اللہ تعالیٰ تمہاری مسند قائم رہے گی اور اٹھے گی نہیں۔ رئیس فوراً محل سے برآمد ہوئے اور بجوش تمام حضرت سے ملاقات کی حضرت نے فرمایا نواب صاحب فقیر ایک بات بشرط اجابت کہنا چاہتا ہے۔ نظام الدولہ نے کہا کہ بسر و چشم قبول ہوگی۔ آپنے

فرمایا آج شادی اور تہنیت کا دن ہے مسند طلب کرو رئیس نے عذر کیا۔ آپ نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں پھر رئیس نے معذرت کی، اس وقت حضرت نے غصہ سے فرمایا کہ فقیروں کی باتیں سننا دولت میں ترقی کا موجب ہوتا ہے۔ مجبوراً رئیس وقت شمس الامراء مرحوم کی جانب متوجہ ہوئے اور مسند طلب کی جو بچھا دی گئی۔ رئیس نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت بھی اس پر تشریف رکھیں۔ چنانچہ حضرت نے کچھ دیر کے لئے اس پر قدم رنجہ فرمائے اور پھر رئیس سے رخصت ہوئے اور پاندان، عطردان وغیرھا کا انتظار بھی نہ کیا۔ جس سے آپ کی اہل دنیا سے کمال استغنا اور لاپرواہی ظاہر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آخری ایام میں دنیادار افراد کی اس وقت تک آپ تعظیم نہ کرتے تھے جب تک کہ وہ از خود آپ کی جانب رجوع نہ ہوں۔ آپ فرماتے تھے کہ ہم نہیں چاہتے کہ یہ ہماری جانب رجوع ہوں۔ غرباء اور مریدین کی دعوتوں کے سوائے دولت مند طبقات کی دعوت میں بھی آپ تشریف نہ لیجاتے اور فرماتے تھے کہ ہم فقراء و غربا ہیں یہی ہمارے شایان شان ہے اور خدائے تعالیٰ کو اس فقیر سے کچھ سروکار نہیں جو بلا ضرورت امراء کے گھر میں آمد و رفت رکھتا ہے۔

یہ بھی فرماتے تھے کہ اہل دنیا کی محتاجی سے دوستان بازار کی گدائی بہتر ہے۔ راوی کا قول ہے کہ ایک روز حضرت نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا کہ دوستو آگاہ ہو جاؤ کہ آج کوئی شخص مسجد ظاہری میں سجدہ نہ کرے اور معبود حقیقی کی نیت سے اس کی جانب سر بسجود ہو جائے کہ یہی مسجود ساجدین ہے۔ اسی طرح صوفیوں کی مسجد حقیقی ان کے مرشد کی عنایت ہے۔ اگر بہ نیت حضرتِ حق اس کی جانب سر جھکایا جائے تو یہ شرعاً جائز ہے لیکن علماء جہلا کی کج فہمی کے اندیشے سے اسے روا نہیں رکھتے۔ جیسا کہ حضرت مولوی روم فرماتے ہیں۔ ؎

مثنوی شریف

ابلہاں تعظیم مسجد می کنند   در جفائی اہل دل جد می کنند
ایں مجاز است آں حقیقت اے خراں   نیست مسجد جز درون سروراں

آپ کبھی اشعار بھی موزوں فرماتے تھے جیسا کہ "دیوان موسوی" کا ذکر اس سے قبل تحریر کیا جا چکا ہے۔ یہاں ان کے منجملہ کچھ نقل کئے جاتے ہیں۔ بگوشِ ذوق سنو ؎

(غزل)

از ازل اند تا ابد چوں مست مستانِ خدا   درمیان ایشان او خوش پرستانِ خدا
اے دلا میرو اگر خواہی وصال یار خویش   در پئے آں سالکان پاک جستانِ خدا
آنکہ میگویند بمستی ہائے گوناگون عشق   چوں کہ ما نوشیم جام مئی ز دستانِ خدا
ہر کسے زیں رمز آگاہی ندارد اے دلا   خوش بمستی میدہد خوش سیر بستانِ خدا
موسیٰ تو تعریف وصف پاکبازان کردہ
باز میگویند ترا تو ہم ز مستانِ خدا

غزل

یار ما گوید چہ در الہام ما   گر ترا مطلوب باشد جام ما
از خودی میرو کہ تا یابی خدا   غیر را نے جاست در اقوام ما
ذاتِ ما را کس ندانست غیر ما   چونکہ میدارد حیا ہر کام ما
خالقِ پاکیم و رزاقِ ہمہ   غافلاں ہستند چوں انعام ما
الّی حیّ انی قیّوم و مستم پاکباز
لا الٰہ الّا انا موسیٰ بگو ارقام ما

غزل

ماہ را پیش خورِ تاب چہ ہست   آنچہ ہست نور بمہتاب چہ ہست
اے دلا پیش غافلِ مختار   عبد مجبور را جواب چہ ہست
عاشقانِ پاکباز و مستانند   بگذر از زاہد صواب چہ ہست
ہر کسے را دریں کجاست فہم   اللہ اللہ کہ انتخاب چہ ہست
موسیٰ ما بین عاشق و معشوق
تو حجابی دگر حجاب چہ ہست

غزل

در کوی خرابات خوشِ بزم طریقت   زین مجلس رندانہ شدہ نظم طریقت
از دل بگیر خدمت مردانہ پاکباز   خواہی بسرعتاً کہ شوی محرم طریقت
اے دل درین رموز ہر کس خبر کجا   بس ناقصات کردہ لسے اسم طریقت
باور مکن و گفتہ زہّاد جاہلاں   دادی بدل نہاں تو اگر عزم طریقت
موسیٰ مرو بخواہ ز فرعون نفس بد
ہستی اگر تو واقف ازین رسم طریقت

حضرت مولانا وحید القادری الموسوی عارف علیہ الرحمہ کی بیاض میں اس غزل کے دو مزید اشعار دستیاب ہوئے جو حسب ذیل ہیں ؎

گر خودی خواہی با سلام بیا   ہر رسولے داد ایں پیغام را
ایں چنیں سرّ نہانست در نہاں   بعضے سید انند یعنی نام ما ۔ مترجم

غزل

الغیاث اے شمس رخشاں الغیاث   الغیاث اے ماہ تاباں الغیاث
حال من با تو ہویدا شد ہمہ   اے علیم راز پنہاں الغیاث
شد دل من تشنۂ دیدار تو   در لبانت آب حیواں الغیاث
من غلامان دیم موسیٰ لقب
بے کساں را دوست دراں الغیاث

غزل

روزے بفضل یار رسیدم بباب شوخ   دیدم جمال دوست کہ بہ آفتاب شوخ
کردم سجود از دل و جاں فی جنابہ   ہر دم متاع خوب چو تن من خباب شوخ
ساقی بُلت باز بنوشاں مرا شراب   مطرب بہ طرب خوب نواز در رباب شوخ
ہستم منم بشوق بگفتم تیو سخن   کس را کجا مجال برائے جواب شوخ

شکر خدائے لم یزل و ذوالجلال شد
کز دل شدیم مست ز عطر گلاب شوخ

غزل

شاہِ کونین اگر فضل ازل داد کند فتح بر فتح شود و رشد دلم شاد شود
غیر او نیست کسے حامی و ہادی آں دل آں شبانروز گدائی کہ دلم شاد شود
شکر للہ کہ رسید است بگنجِ شم از خود
خرم آں روز کہ موسیٰ رہ بغداد کند

غزل

ہر کہ از دل بدل صفا باشد رفتہ رفتہ دل آشنا باشد
غیر او نیست دیگرے اے یار فہم ایں سیر بہر کجا باشد
من کہ گفتم بیان وحدتِ او کو سلامت دریں روا باشد
چیزے از رمزہا کسے داند کہ بجان صفا صفا باشد
موسیٰ شو لاتخف ولاتحزن
عالم کل کہ یار ما باشد

غزل

شکر للہ کہ بس نوید آمد نامہ از دوست نصف دید آمد
دل من بستہ است چوں غنچہ یاد یاری تو خوش و زید آمد
ورنہ جاں ایں ہمیں کنم از دل
موسیٰ عبدِ تو زر خرید آمد

غزل

ہر کہ در عشق دلا پاک بود بالیقیں صاحبِ ادراک بود
عشقِ عاشق بگو کہ زندہ است زہدِ زاہد ہمہ ہلاک بود
عاشق را کجاست خبث و حسد عشق پاک است ہمیشہ پاک بود
موسیا با عشق گیر خدمتِ شاہ
عاشقی کن کہ لم ہلاک بود

غزل

آنہا کہ خاک را بہ بصارت تیز کنند آیا بود کہ بر من مخلص نظر کنند
تا من زمین گذشتہ بمن من رحم کنوں گر ساکنانِ کوئے تو بر من گذر کنند

غزل

نے بہر دل ہمچو ادا نور یکتائی بود ہر صدف کے قابلِ لولوئے لالائی بود
چونکہ رمزِ عشق او در سینہ ام باشد نہاں ہمچو در درجِ جواہر پانی مینائی بود
گرچہ من خورشید تابانم ہمہ الس عیاں لیک دیدن کار بینا چشمِ بینائی بود
آں کسے باشد کہ خود را از خودی بیروں کند تن بسوزد عشق چوں پروانہ شیدائی بود
جز عیونِ دل گدازاں شمع را دیدن چہ سود
سوزِ عشقِ موسوی با سازِ مولائی بود

غزل

دلِ من جائے خدا است کجا است اے دل کو مرا تا کہ مرا با تو بقا است اے دل
جانِ جاں لطف بکن بر سرِ جانِ عشق گو بیکس قبلۂ تو جلوہ نما است اے دل
موسی را نظر زاہد چو نماید جاہل

درحقیقت ہمہ عالم اشیا است آے اول

غزل

شکر خدا بفضل خدا کامراں شدم یعنی غلام ساقی جام جہاں شدم
مارا ز ورد و تسبیح و افسانہا چہ کار من مست مے پرست بعون مغاں شدم
ہرچند نکتہاست و لے محرمش کجا موسیٰ بگو ز قرب تو من نکتہ داں شدم

غزل

یارب مرا تو طالب این سیم و زر مکن بہر تلاش نان مرا در بدر مکن
دارم جناب موسیٰ شاہ لعل رضا نوح نصیب صاف مرا بہ گہر مکن

غزل

رسید فیض بدستم بفیض معدن ہو کہ آں نہاں ز نہان توئے مخزن ہو
ہزار شکر و سپاس خدائے بے ہمتا کہ دل بنور ہویت شدست مومن ہو
ندا بفر و حقیقت رسد ز غیب خیال نسیم لطف خدامی وزد بہ گلشن ہو
مقام مرتبہ ہو بگو ہمیشہ کہ ہوست باہتمام رسائیم علو ہست مسکن ہو
مرا بغیر در میکدہ کجا مسکن کہ سر بسجدہ نہادم نبات گلبن ہو

موسیٰ مرید تو دارد سواد ہر نظرے
شگافت موئے تو باشد جمال محسن ہو

مؤلف عاصی عرض کرتا ہے کہ حضرت علیہ حال میں شعر فرماتے اور افاقہ کے بعد اس پر نظر اصلاح بھی نہ کرتے۔ بعض اوقات ارشاد ہوتا کہ فقیر کی نظم وضع دیوانگی کی حامل ہے نہ اس میں قافیہ ہے نہ ردیف۔ اس خاکروب آستاں کا بیان ہے کہ دوستان حق کے کلام سے مضمون شعر مطلوب ہوتا ہے نہ کہ لفاظی اور عبارت آرائی مراد ہوتی ہے۔ بے شک

عرفا ظاہر سے باطن کی جانب دیکھتے ہیں اور الفاظ سے معنی نکالتے ہیں جب کے غافلین کے پاس حسن ظاہر جلوہ گر ہوتا ہے اور ان کو الفاظ کے معانی سے کچھ مقصود نہیں ہوتا۔ رجعت الی المقصود۔

حضرت صاحبزادہ عزیز القدر یعنی سید محمد عرف قادر پادشاہ صاحب جو حضرت سید شاہ موسیٰ قادری کے دوسرے صاحبزادے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے حضرت کی خرق عادت کا مشاہدہ کیا۔ واقعہ یوں تھا کہ میری اہلیہ کی رحلت کے بعد ان کے بھائی نے ان کی کنیز کو طلب کیا اور اس سلسلہ میں میرے پاس پیام روانہ کیا۔ میں نے بھی اس کنیز کو اپنے پاس رکھنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ وہ میرے لئے باعث کوفت تھی لہٰذا میرے دل میں آیا کہ میں اسے آزاد کردوں لیکن حضرت کی مرضی کے بغیر ایسی حرکت کرنا ترک آداب کا موجب تھا۔ اسی بناء پر میں نے خانم جان کے واسطہ سے جو آپ کی مریدہ صادقہ اور خدمت گذار تھیں عرض پرداز ہوا۔ خانم جان مستورہ نے دو روز تک میری عرض حضرت تک نہ پہونچائی۔ تیسرے روز نماز مغرب سے فارغ ہو کر جب میں اپنے مقام سکونت کو لوٹا تو اس وقت حضرت اپنے حسب معمول وہاں تشریف فرما تھے آپ نے اسی وقت مجھے یاد فرمایا جب میں حاضر خدمت ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا غلام محمد میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں اگر تم مناسب خیال کرو تو اس پر عمل کرنا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کا ارشاد میرے لئے باعث حصول سعادت ہوگا۔ آپ نے فرمایا تمہاری کنیز آزادی کی مستحق ہے اسے آزاد کردو۔ اتفاق سے خانم جان بھی حضرت کی جناب میں حاضر تھیں میں نے عرض کیا کہ میں نے یہی بات ان کے ذریعہ سے حضرت کی خدمت میں عرض کی تھی۔ آپ نے فرمایا اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ میں نے اس مستورہ سے دریافت کیا کہ تم نے حضرت سے کیوں عرض نہیں کیا تو اس نے کہا کہ حضرۃ ام المریدین نے مجھے اس کے اظہار سے منع کر دیا تھا اسی لئے میں نے عرض نہ کیا۔ الغرض جب غلام کا منشاء حضرت کی مرضی کے مطابق نکلا تو آپ نے دعا فرمائی اور ارشاد ہوا کہ اب رات کا وقت ہے علی الصبح اسے آزاد کردو۔

صاحبزادہ عزیز القدر بداقبالہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت کے پاس کچھ نان قطائی تھے ایک درویش نے سوال کیا تو حضرت نے ان نان قطائیوں میں سے کچھ میرے ہاتھ سے اس سائل کے پاس روانہ کئے اثناء راہ میں میرے دل میں خیال گذرا کہ ایسی اچھی شئے میرے ہاتھ

سے اس درویش کے لئے روانہ کیا اور مجھے عنایت نہ کیا حالانکہ میں اسکا مستحق ہوں۔ میں نے درویش کو نان قطائی دی اور واپس حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا تمہارا دل بھی اسے کھانے کی خواہش رکھتا ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت روشن ضمیر ہیں واقعی غلام کا دل اس خواہش کا حامل ہے۔ الغرض آپ نے مجھے کچھ نان قطائیاں عنایت فرمائیں ۔

حکیم صادق حسین کہتے ہیں کہ ایک روز قوم کایستھ سے متعلق ایک شخص کشن سنگھ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ خان صاحب آپ نے حضرت کے تصرفات اپنی آنکھوں سے دیکھے اور میں نے بھی دیدۂ صدق ارادت سے بارہا حضرت کے خوارق عادات دیکھے لیکن آج میں چاہتا ہوں کہ آپ اور میں باہم حضرت کی خدمت میں حاضر ہونگے اور اپنے دل میں کچھ ارادہ کریں گے اور دیکھیں گے کہ حضرت روشن ضمیر کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ خان موصوف کا بیان ہے کہ پھر یہ بندۂ درگاہ اس عقیدت دستگاہ کے ہمراہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اثناء راہ میں کشن مذکور نے کہا کہ خانصاحب میں دل میں یہی سوچ لیتا ہوں کہ حضرت روشن ضمیر جو عالم دل کے دستگیر ہیں آج خلاف عادت مجھے پاندان کے ساتھ اپنے جیب خاص سے سپاری مرحمت فرمائیں گے۔ خان موصوف نے اس سے کہا کہ لالا میں یہ ارادہ کرتا ہوں کہ رخصت کے وقت حضرت سپاری کے دو ٹکڑے اپنے جیب سے نکال کر مجھے عنایت فرمائیں ۔

راوی کا قول ہے کہ یہ دونوں صادق الارادت حضرت کی جناب میں حاضر ہوئے حضرت اس وقت خانقاہ میں تشریف فرما تھے۔ شرف ملاقات کے بعد خانصاحب نے رخصت چاہی تو حضرت نے اپنا دست مبارک جیب میں ڈالا اور سپاری کے دو ٹکڑے خان عقیدت نشان کو عطا کئے جو اپنے مقصد سے سرفراز ہو کر رخصت ہوئے کشن سنگھ کا بیان ہے کہ یہ غلام اپنے کشف ارادت کا منتظر تھا کہ اسی اثناء میں ایک شخص سفر کے لئے رخصت لینے کے لئے حاضر بارگاہ ہوا۔ حضرت نے اس کے لئے پاندان طلب کیا۔ میرے دل میں خیال گذرا کہ حضرت نے پاندان طلب کر لیا ہے اب میرے کشود مطلب کو دیر نہ لگے گی۔ حضرت نے اس شخص کو پان دئے اور پاندان گھر میں واپس کرا دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ میں دل میں ناامید ہو گیا کہ خان معظم نے تو اپنے مقصد کو پا لیا لیکن میں اسکے پانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ انہی خیالات میں غلطاں تھا کہ حضرت اٹھ گئے اور محل میں جانے کا ارادہ کیا۔ غلام کا یہ دستور تھا کہ میں دروازہ تک حضرت کے ہمراہ رہتا اور وہاں سے رخصت ہوتا تھا

جب آپ گھر کے دروازہ تک پہونچے تو آپ نے فرمایا کہ پاندان گھر میں چلا گیا یا نہیں خدام نے عرض کیا کہ حاضر ہے آپ نے فرمایا لاؤ جب پاندان حاضر کیا گیا تو اس وقت میں وہیں ایستادہ تھا آپ نے اپنے جیب خاص سے سپاری کے چند ٹکڑے نکالے اور پان پر رکھ کر معہ پاندان مطلوبہ اپنے دست شریف سے مجھے عنایت کیا جس پر میں بے اختیار اور بخلوص تمام حضرت کے قدموں پر گر پڑا۔

مؤلف عاصی تحریر کرتا ہے کہ سارے حاضر باش مریدین اس سے واقف ہیں کہ ایک روز آپ نے نواب سردار الملک مرحوم کو یاد فرمایا اور کہا کہ نواب برخوردار تمہارے لئے کچھ سخت دشوار دن ہیں جن کا تدارک لازمی ہے۔ اس مقصد کے لئے تم درویشان بلا نوشان کو کچھ دو تا کہ تمہاری مشکلات حل ہو جائیں۔ نواب مغفور نے قبول کیا لیکن بزرگوں کے اس قول کے بموجب کہ قضا طبیب کو اندھا کر دیتی ہے۔ اس پر عمل نہیں کیا۔ حضرت نے مکرر اسد اللہ بیگ خاں کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ نواب میں نے تمہیں جو کچھ کہا تھا اسے بجا لاؤ اس دفعہ بھی اس سے قصور سرزد ہوا۔

مؤلف عاصی کہتا ہے کہ قوم افاغنہ سے متعلق بسم اللہ خاں نامی ایک صاحب کہتے ہیں کہ اس بندہ کو سنہ ۱۱۸۴ھ کے کارزار میں بندوق کی ضرب لگی۔ میرے ساتھیوں نے مجھے میانہ میں ڈال کر حیدر آباد کی جانب روانہ کر دیا۔ جب میں گھر پہونچا تو میری اس حالت سے میری والدہ اور ہمشیرہ بے قرار ہو گئے اور زخم پر مرہم پٹی کی کوشش کی لیکن خون بند نہ ہوا۔ احمد خاں کہتے ہیں کہ میں سارا دن اپنے برادر نسبتی کے سامنے موجود رہا اور بالآخر معمول کے مطابق حضرت سید شاہ موسیٰ قادری کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے فرمایا۔ غلام احمد آج تمہیں آنے میں تاخیر کیوں ہوئی۔ عرض کیا کہ حضرت من آج میرا بھائی لشکر سے مہیب زخم کھا کر لوٹا ہے اور بہت مضطرب ہے اسی لئے آج آپکی خدمت اقدس میں حاضر ہونے میں تاخیر ہوئی آپ نے فرمایا کہ غلام احمد تھوڑا سا تیل لاؤ اور حضرت شاہ محی الدین قدس اللہ تعالیٰ اسرارہٗ کے روضۂ مبارکہ کے چراغ پر نیاز کرو انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے بھائی کو شفائے کاملہ نصیب ہو جائے گی۔ احمد خاں کا بیان ہے کہ میں حضرت دستگیر عالم کی بارگاہ سے اپنے گھر لوٹا اور اپنی خوشدامن اور اہلیہ سے کہا

تو میری خوشدامن نعمت خاتون نے کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ جس روز میرے فرزند بسم اللہ خان کو صحت ہو جائیگی اس دن نیاز کا تیل بھیج دیا جائے گا۔ الغرض کامل نو ماہ کے بعد خان مذکور نے غسل صحت کیا اور اس وقت ان کے اہل خانہ اس نیاز کو بھول گئے بسم اللہ خان کہتے ہیں کہ جب نو مہینے بعد میں صحیح و سالم ہو گیا تو مجھے کرنول جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں میں نے شادی کی اور اپنے اہل خانہ اور متعلقین کے ہمراہ گھر لوٹ گیا اس اثناء میں ایک سال کا عرصہ پورا ہو گیا، ایک روز میں اپنے گھر میں محو خواب تھا کہ میں نے عالم رویا میں مشاہدہ کیا کہ ایک صحرائے خوش فزا میں بلند چبوترہ واقع ہے جس پر ایک نورانی صورت کے بزرگ تشریف فرما ہیں۔ دیگر کئی بزرگ جو وہاں موجود ہیں اس بزرگ کے آگے ایستادہ ہیں۔ یہ بزرگ حضرت جناب سید شاہ موسیٰ قادری تھے۔ اسی اثناء میں اس عاصی کا چبوترہ کے پاس سے گذر ہوا تو آپ فرما رہے تھے کہ سردار الدولہ اس امر میں تساہل کر رہا ہے اگر وہ فقیر کو کچھ فتوح دے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کا یہ کام ہو جائیگا آپ نے ایسا ہی تین دفعہ کہا اور چوتھی دفعہ غصہ سے کہا کہ نواب سے کہدو کہ فقیر نے اب تک تمہاری نگاہ داشت حتی المقدور کی ہے لیکن اب جو کچھ مرضی الٰہی ہو گی اس کا ظہور ہو گا۔ اور ہم بری الذمہ ہیں۔

راوی کا بیان ہے کہ اس واقعہ کو کچھ عرصہ گذرا تھا کہ روافض نے بغض و حسد سے نواب موصوف کو ایام عاشورہ محرم الحرام میں ناحق شہید کر دیا جب مغفور شہید ہوئے تو حضرت نے فرمایا کہ ارادت اللہ غالب علیٰ ارادت الناس خدائے تعالیٰ انہیں مغفرت کرے۔

صاحبزادہ سیوم یعنی سید غلام حسین عرف حسینی پاشاہ زاد اللہ تعالیٰ اقبالہٗ فرماتے ہیں کہ ایک روز ایام جوانی میں مجھے خیال آیا کہ حضرت میرے بچپن میں اکثر مجھے پان کا لیس خوردہ جسے اکال کہتے ہیں عنایت فرماتے تھے اب کچھ عرصہ سے آپ نے اس معمول کو موقوف فرما دیا ہے اگر آج مجھے عنایت فرمائیں تو یہ عین آرزو ہے۔ صاحبزادے فرماتے ہیں کہ اسی روز بوقت عصر جو حضرت کے مسواک کرنے کا وقت تھا آپ نے مجھے یاد فرمایا اور ارشاد کیا کہ اے فلاں میرے لئے پان تیار کرکے لاؤ۔ جب اسے حسب دستور آوندیں کوٹ

کر پیش کیا گیا تو آپ نے خود بدولت تناول کیا اور فرمایا کہ اگر تمہارا دل چاہے تو آؤ یہ پس خوردہ کھالو پھر آپ نے اپنے دہان مبارک سے نکال کر مجھے عنایت کیا۔

صاحبزادہ موصوف یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت خانقاہ میں رونق افروز تھے کہ اس اثناء میں نتھو صاحب جوہری نے ایک قیمتی انگشتری نذر کی مجھے یہ خطرہ گذرا کہ اگر حضرت یہ نقروی انگوٹھی مجھے مرحمت فرمائیں تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ آپ نے فوراً فرمایا کہ غلام حسین انہوں نے یہ انگوٹھی میرے لئے لائی ہے اسلئے چند دن اسے اپنے پاس رکھ کر تمہیں دے دونگا۔ چنانچہ آپ نے دو چار روز یہ انگوٹھی اپنی انگشت مبارک میں پہن کر مجھے عنایت فرمادی اور کہا کہ یہ تمہاری دلی خواہش تھی چنانچہ اسے تم پہن لو۔

مؤلف عاصی یعنی فقیر السید علی الموسوی کان اللہ لہ تحریر کرتا ہے کہ ایک روز حضرت قبلہ ارباب زمن، مرشد کونین من، خانقاہ مبارک میں تشریف فرما تھے کہ ایک صوفی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ نبوت اور ولایت میں کیا فرق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ عزیز اگرچہ یہ فقیر امی، جاہل اور بے علم ہے لیکن میں نے اہل اللہ سے یوں سنا ہے کہ نبوت رو بخلق ہوتی ہے اور ولایت رو بحق ہے۔ یعنی داعی خلق الی الحق ہوتا ہے اور ولی مستغرق بحق ہوتا ہے۔ پس الولایت افضل من النبوۃ اسلئے آیا ہے کہ وجہ حق وجہ خلق سے برتر ہے یعنی ولی ذات حق کے مشاہدہ میں محو اور اس طرح رجوع بحق ہوتا ہے۔ اور نبی کو خلق کی دعوت اور ہدایت کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ صاف بات یہ ہے کہ ولایت باطن نبوت ہے اور نبوت ظاہر ولایت ہوتی ہے۔ اس صوفی نے جو سائل کی صورت میں حاضر بارگاہ ہوا تھا حضرت کے اس حسن ارشاد پر وجد کیا اور باادب تمام دست بوسی کی۔

مؤلف عاصی یہ بھی نقل کرتا ہے کہ شمشیر وقت جو مطیع الاسلام اور مشائخین زمانہ کے معتقد اور ان کے فیض صحبت سے مستفید تھے ایک دفعہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ غلام نے آج ایک بیت سنی ہے جس سے تسکین خاطر نہیں ہوتی۔ اگر حضرت کچھ ارشاد فرمائیں تو مجھے اطمینان کلی میسر ہوگا آپ نے فرمایا وہ بیت کیا ہے کہو شمشیر وقت نے کہا کہ ایک رند مشرب بزرگ کہتے ہیں کہ ؎

خدا لک است و محمد ہزار و آدم یک　　بیا بمشرب صوفی اگر نداری شک

حضرت نے فرمایا کہ اے سعادت مند اس فقیر عاصی، جاہل، امّی نے بے علم اور ہیچمدان محض ہے بزرگانِ وقت سے استفتا کیا تو انہوں نے کہا کہ اے عزیز عارفانِ سلف سے معلوم ہوا ہے کہ یہ بیت توحید الٰہی اور نعمت رسالت پناہی میں ہے اور یہ صوفیان رندمشرب کا معمہ ہے۔ یعنی لفظ "لک" کو پلٹا دینے سے "کل" ہو جاتا ہے چنانچہ "خدالک است" کے معنیٰ "خدا کل ہے" ہیں یعنی ہر شئے میں خدا تعالیٰ کی ہی ہستی کا ظہور ہوتا ہے۔ "محمد ہزار" نعمتِ رسالت پناہی یعنی لفظ "ہزار" کو الٹا دینے سے "رازہ" ہو جاتا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ محمدؐ اسکے رازدار ہیں اور "آدم یک" سے مراد "آدم کُے" ہے۔ کُے کے معنیٰ "کجا" یعنی کہاں کے ہیں۔ حاصل مصرع یہ ہے کہ جس وقت حضرت حق سبحانہ کی تجلی پوشیدہ تھی تو حقیقت محمدی بھی اسی میں جلوہ گر تھی اس وقت کمال اسمائی کا ظہور ہی نہ ہوا تھا کہ آدم کی گنجائش ہوتی یعنی احدیت مطلقہ ہر شئے میں جاری و ساری ہے اور جب وحدت ہی رنگ تعین سے عاری ہوتی ہے تو واحدیت کا کیا سوال ہے۔ مطیع الاسلام نے صوفیہ کے کلام ظاہر سے ان کے مذاق پہ آگاہ ہو کر اپنا سر ارادت حضرت علیہ الرحمہ کے قدوم مبارک پر رکھ دیا۔ اور حاضرین پر حضرت کے اس حسنِ ارشاد پر ایسا ذوق طاری ہوا جو بیان سے باہر ہے۔

خان زادی بی جو فضل علی خاں کی والدہ اور حضرت کی مریدہ تھیں نقل کرتی ہیں کہ ایک روز تمام اہل خانہ کسی کی شادی میں گئے ہوئے تھے اور میں اپنے گھر میں تنہا تھی اور میرا خانہ سکونت حضرت کی دیوار کے نیچے واقع تھا جب دوپہر ہوگئی تو میں آب و طعام اور پان کے لئے بے تاب ہوگئی گھر میں کوئی موجود نہ تھا کہ جسکے ذریعہ حضرت کی خدمت میں عرض کرواتی۔ میرے دل میں خیال گذرا کہ میری والدہ کے مرشد شاہ یٰسین غریب نواز نظر آبادی کا اکثر یہ دستور تھا کے اپنے مریدین کی حاجت کے وقت آپ ان کی امداد فرماتے تھے۔ اگر میرے مرشد بھی اس وقت میری مدد فرمائیں اور میری مطلوبہ اشیاء بغیر میرے طلب کرنے کے ارسال فرمائیں تو یہ عین تصرف متصور ہوگا۔

راوی کا بیان ہے کہ کچھ دیر نہ گذری تھی کہ حضرت نے میٹھے پانی کا پیالہ اور پان کا کٹہ اور اسکے لوازمات وغیرہ صاحبزادہ حسینی پاشاہ صاحب کے ذریعہ میرے پاس بھجوا دئے۔ صاحبزادہ

بلند اقبال نے میری مطلوبہ چیزیں مجھ تک پہونچا دیں۔ میرا باطن اگرچہ کہ پہلے ہی راسخ تھا لیکن اس واقعہ سے قوی تر ہو گیا۔

اسی راوی کا بیان ہے کہ ایک روز میں حضرت کی خدمت میں بیٹھی ہوئی تھی اور حضرت گفتگو میں مصروف تھے یکایک مجھے خیال گذرا کہ میری والدہ کے مرشد حضرت شاہ یٰسین غریب نواز کا معمول تھا کہ طعام وغیرہ میں سے جو کچھ ان کے مرید کا دل چاہتا آپ انہیں فوراً عنایت فرما دیتے تھے اس وقت میرا دل خشک کھوپرا مصری یا شکر کے ساتھ تحفہ چاہتا ہے اگر حضرت مجھے یہ مرحمت فرما دیں تو کمال تصرف ہوگا۔ الغرض میں اپنے دل میں انہی خیالات میں گم تھی کہ حضرت اپنی جگہ سے اٹھے اور ایک بلند طاقچہ میں سے فقراء کے تقسیم کی کشتی نکالی اور اس میں سے تھوڑا سا کھوپرا اور شکر نکال کر ایک درویش سائل کے پاس بھجوا دیا جو دروازہ پہ آواز لگا رہا تھا۔ اسکے بعد آپ مجھ عاجزہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ خانزادی بی مصری موجود نہیں ہے اگر کھوپرا شکر کے ساتھ کھانا چاہو تو حاضر ہے میرا باطن لرز گیا میں نے پاس ادب سے کچھ نہ کہا خود حضرت بدولت نے انہیں سے مجھے عنایت کیا۔

حضرت عموی سید محمد مدنی صاحب قادری دام ظلہٗ فرماتے ہیں کہ چند روز حضرت کے سایہ عاطفت میں میری سکونت رہی ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آدھی رات گذر چکی تھی کہ مجھے حقہ کی خواہش ہوئی اور آتش و تمباکو موجود نہ تھا ناگاہ مجھے خیال گذرا کہ اگر حضرت روشن ضمیر ہیں تو بالفعل میری مطلوبہ شئے مجھے بھیج دیں گے میں اسی خیال میں تھا کہ ایک کنیز نے محل سرائے دروازہ کھولا اور کویلو میں آتش اور تمباکو کی ایک بڑی ٹکیہ میرے سامنے رکھدی اور کہا کہ حضرت یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس وقت ہمیں اسی تمباکو کا کش اچھا لگا لہذا تمہارے پاس بھیج رہا ہوں تاکہ تم بھی ذوق حلاوت سے آشنا ہو جاؤ میں اس کشف پہ ششدر ہو کر متعجب ہو گیا اور بجز آداب و تسلیمات کے کچھ معروضہ نہ کر سکا۔

صداقت نشان فضل علی خان مسطور کہتے ہیں کہ ایک روز اپنے گھر میں بعد فراغت طعام مجھے چکنی سپاری کی خواہش ہوئی اور میں نے والدہ سے طلب کیا۔ وہ اپنے کام میں مشغول تھیں جس کی بناء پہ بائیں ہاتھ سے ڈبہ کھول کر مجھے کچھ سپاری دی۔ مجھے والدہ کی یہ حرکت ناگوار خاطر ہوئی اور میں کبیدہ خاطر ہو کر حضرت مرشدی کی خدمت میں حاضر ہوا

آپ نے فرمایا کہ خان برادر اپنے بزرگوں سے ناراض نہیں ہوتے خصوصاً اگر والدہ سختی فرمائیں یا کوئی چیز بائیں ہاتھ سے دیں تو عار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اس میں اپنی سعادت تصور کرنا چاہیئے۔ خان مذکور کا بیان ہے کہ میں اسی وقت پسینہ پسینہ ہو گیا کہ حضرت روشن ضمیر ہیں دلوں کے حال پر واقف اور پنہاں باتوں کے جاننے والے ہیں کوئی بات ایسی نہیں کہ جو حضرت پر ظاہر اور آشکار نہیں۔

شیخ اسماعیل عرف جنگو بھائی جو حضرت علیہ الرحمہ کے خادم راسخ اور مقبول بارگاہ تھے کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے رخصت سفر کے لئے آستان فیض نشان کی چوکھٹ بوسی کی حضرت نے غلام نوازی فرمائی اور باہر تشریف لائے۔ بعد حصول قدم بوسی میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور میں نے چند بار حضرت کے گرداگرد طواف کیا اور عرض کیا کہ غلام نظام الدولہ کے لشکر کے ہمراہ جا رہا ہے۔ معلوم نہیں کہ قضا آتی ہے یا پھر شرف باریابی حاصل ہوتی ہے آپ نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ تم سے کئی ملاقاتیں ہوں گی میں نے مکرر عرض کیا کہ نواب مسطور حریف مقابل سے عزم جنگ رکھتے ہیں غلام سپاہی ہے ایسی تائید باطنی میرے شامل حال رہے کہ میدان قتال میں میں سرخرو رہوں۔ آپ نے فرمایا کہ یہاں کی یاد دل میں رکھو اور فقیر کو حاضر جانو۔ مقبول مذکور کا کہنا ہے کہ میں حضرت سے رخصت لے کر لشکر کے ساتھ چلا گیا جب فوج جنگ میں مصروف ہوئی تو میدان کارزار میں اس بندۂ درگاہ کو طرف ثانی نے تنہا کر دیا مجھے یقین تھا کہ میں اس میدان مصاف سے سرخرو لوٹوں گا اگرچہ کہ مجھ پر چاروں طرف سے تیروں اور شمشیر عریاں کی بارش ہو جائے مجھ کو کوئی چوٹ یا گھاؤ نہ آئے گی۔ چنانچہ اس وقت مصیبت میں میں حضرت کی جانب رجوع ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت پیر و مرشد میرے سر پر سایہ گستر ہیں اور جب میں نے پیچھے کی جانب نگاہ کی تو حضرت کو اپنا پشت پناہ پایا۔ پس میں آنکھ بند کر کے کارزار میں اتر پڑا اور مجھے پتہ بھی نہ چلا کہ میں کس طرح اس میدان ہلاکت سے بسلامتی باہر آ گیا۔

عقیدت گزیں رعایت اللہ خان کہتے ہیں کہ حضرت کی رحلت کے تین روز قبل میرا بھانجہ جس سے میری دختر منسوب تھی مجھ سے ناراض ہو کر چلا گیا۔ ہر چند میں نے اسکی بہت تلاش کی لیکن اس کا کہیں سراغ نہ ملا۔ میں نے دور دراز اس کا تفحص کیا لیکن کچھ اثر نہ ہوا

جب تیسرے روز میں اسے تلاش کرنے کے لئے باہر نکلا تو ناگاہ مجھے حضرت کی رحلت کی اطلاع ملی چنانچہ میں نے تلاش کا ارادہ موقوف کر دیا اور نماز جنازہ کی حصول سعادت کی غرض سے خانقاہ مبارک میں حاضر ہوا۔ جب جنازہ شریف کی نماز جنازہ کے لئے مکہ مسجد لے جایا گیا تو ایسا کثیر اژدہام ہوا کہ ہاتھ جنازہ تک نہ پہونچتے تھے اور جنازہ کو کندھا دینا محال تھا۔ میں بڑی تگ و دو سے جنازہ کے نیچے پہونچ گیا اور عرض کیا کہ حضرت جب تک بقید حیات رہے مجھ سے کمال شفقت سے پیش آتے رہے۔ تین روز سے میں ایسی مصیبت جانکاہ میں گرفتار ہوں۔ حضرت صاحب قدرت ہیں آپ عالم باطن سے ایسی توجہ فرمائیں کہ میں آج ہی اپنے ہمشیر زادہ کو اپنے گھر میں پاؤں۔ خان مذکور کا بیان ہے کہ میں صبح سے شام تک حضرت کی خدمت میں رہا۔ جب حضرت کو مدفون کرنے کے بعد میں گھر لوٹا تو اپنے بھانجے کو گھر میں بیٹھا ہوا پایا۔ تمام اہل خانہ غرق حیرت ہو گئے اور بالآخر سب نے حضرت کی ولایت کا اقرار کیا۔

ایک اور راوی کا بیان ہے جس روز حضرت رحلت پذیر ہوئے دس بیس کروہ کے فاصلہ سے بہ تحقیق یہ خبر پہونچی کہ اکثر لوگوں نے جو حیدرآباد کے مضافات کے رہنے والے تھے حضرت کو ہرے رنگ کی پالکی میں ہرا لباس زیب تن فرمائے تشریف فرما دیکھا چند فقراء بھی آپکی جلو میں بیٹھے ہوئے تھے اور سواری تیز تیز جا رہی تھی۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم نے اس وقت آپ سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ حضرت کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ فی الوقت فقیر عازم بیت اللہ ہے اور تم سے یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔

مؤلف عاصی عرض کرتا ہے کہ جب یہ لوگ حیدرآباد پہونچے تو انہیں معلوم ہوا کہ حضرت کی اسی تاریخ کو رحلت واقع ہوئی اور وہ بہت تاسف ملنے لگے۔

الغرض حضرت کے مناقب قید تحریر سے باہر ہیں اور ہمیں اتنی فرصت نہیں کہ ان سب کو حیطۂ تحریر میں لایا جاسکے۔ ہر شخص ایک نئی کرامت بیان کرتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ اگر وقت مساعدت کرے تو ان تمام کو "خوارق موسوی" میں تحریر کیا جائے گا۔ ؎

ناقۂ چشم دلی را بند باش
تا شوی با روح صالح خواجہ تاش

مختصر یہ کہ حضرت مرشدی نے میرے جد شریف کی رحلت کے بعد کامل چوالیس ۴۴ سال اپنے پدر بزرگوار

کی مسند سجادگی پر متمکن رہے اور ایک عالم کو فیض ہدایت سے مستفیض کیا اور جب آپ کی وفات کو ایک سال باقی رہ گیا تو اپنے اولاد، احفاد، مریدین اور معتقدین کو اشارۃً کنایتاً اپنی رحلت سے آگاہ کرتے رہے اِس دوران آپ اپنے بزرگوں کے اعراس میں معمول کے موافق بذات خود فاتحہ نہ پڑھتے اور بعض اعزہ، احبا اور برادری سے فرماتے کہ فقیر پر اس وقت ضعف کا غلبہ ہے تم لوگ فاتحہ پڑھ لو۔ چنانچہ بتاریخ ۴ رجب المرجب کو جو حضرت شاہ محی الدین ثانی قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہ کی تاریخ رحلت ہے حضرت معلاّ کی مرقد انوار پر چادر گل گذراننے کے بعد آپ نے سید عبدالرحیم عرف حضرت شاہ میراں صاحب مرحوم کی جانب جو اس عاصی کے پھوپھا ہوتے ہیں متوجہ ہو کر فرمایا۔ بھائی میراں صاحب فی الوقت فقیر کمال ناتوانی سے مغلوب ہے آپ فاتحہ پڑھ دیجئے شاہ صاحب موصوف نے آپ کے حکم متعالی کے بموجب فاتحہ پڑھی اسی طرح ایام بارھویں شریف میں زیارت آثار مبارک کے بعد حضرت عمی سید شاہ محمد مدنی قادری سے فرمایا کہ برادر مدینہ صاحب آپ اس وقت فاتحہ پڑھ دیجئے کیونکہ فقیر کو گرمی محسوس ہو رہی ہے چنانچہ حضرت عموی نے آپ کے امر عالی کی بموجب عمل آوری کی۔ یوں ہی حضرت آمر ولایت، حامل لوائے نبوت کرم اللہ وجہہ کے عرس کے روز یعنی ۲۱ رمضان المبارک کو حسب دستور آپ نے آثار قدوم اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے جبہ اور تصویر کے طواف کے بعد عرق آلودہ ہو گئے اور اس غلام سے ارشاد فرمایا کہ اے فلاں فاتحہ پڑھو۔

خاکروب آستاں کا بیان ہے کہ جب کبھی آپ نے اس قسم کا حکم صادر فرمایا اس غلام کے دل میں اندیشہ پیدا ہوا کہ نہ جانے اس میں کیا راز پوشیدہ ہے کہ حضرت خلاف معمول عمل فرما رہے ہیں۔ الغرض ۲۱ رمضان المبارک کو حضرت آخری دفعہ محل میں تشریف فرما ہوئے اور اس کے کامل دس روز بعد یکم شوال المکرم کو مرض الموت میں مبتلا ہوئے جس سال آپ کا وصال ہوا اس سال اکثر آپ فرمایا کرتے تھے کہ میری عمر ساٹھ سال سے متجاوز ہو چکی ہے پھر بھی رشتہ حیات باقی ہے۔ الغرض آپ ہر وقت اس بات کا اعادہ فرماتے تھے تا آنکہ بتاریخ یکم شوال المکرم یعنی بروز عید الفطر صبح کی روشن ساعتوں میں آپ اپنے مکان سے برآمد ہوئے اور عید ملاقات فرمائی اسی روز آپ کو درد کمر محسوس ہوا اور آپ بدقت تمام دیوان خانہ میں رونق افروز ہوئے اور عشاء کے وقت تک وہیں جلوہ آرا رہ کر اسکے بعد اپنے گھر

گھر تشریف لے گئے اور شدت درد بیان فرمائی۔ حاصل سخن یہ کہ تین روز تک لوگوں کی پاس خاطر سے اور سنت نبوی کی ادائیگی کے خیال سے معالجہ کی جانب متوجہ رہے اور اکثر لوگوں کے بتلائے ہوئے نسخے استعمال کئے اس کے بعد جب ادویہ آپ کے روبرو پیش کی گئیں تو آپ نے فرمایا کہ تم سمجھتے ہو کہ فقیر اپنے علاج میں مشغول ہے ایسا نہیں ہے بلکہ تین روز تک میری یہ حرکت سنت کی پیروی میں تھی اب دوا کی ضرورت نہیں میں سفر آخرت کے لئے کمربستہ ہوں۔ مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو۔ حاضرین نے عرض کیا کہ حضرت ایسا ارشاد نہ فرمائیں حضرت کا ظل عاطفت ہمیشہ ہم پر سایہ گستر رہے۔ آپ نے فرمایا بیشک عالم غیب حق سبحانہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے لیکن بندہ کو اپنی موت کے وقت آگاہی ہو جاتی ہے۔ اور غیب میں شہادت ہو جاتا ہے۔ فقیر اس سلسلہ میں کچھ کہہ رہا ہے اور کر رہا ہے وہ خود سے نہیں کر رہا ہے بلکہ میرا دل یہ چاہتا ہے کہ دروازہ پر شادیانہ نوبت بجاؤں اور تمام افراد کو آگاہ کر دوں کہ فلاں فقیر عاصی پر معاصی فلاں روز رحلت کر جائے گا لیکن چونکہ یہ سلف صالحین کے معمول کے خلاف اور اہل خانہ کے لئے باعث اضطراب ہے اس لئے یعنی اس دلی خواہش پر عمل نہیں کرتا۔ اور جب حاضرین نے آپ سے درد کے متعلق استفسار کیا تو آپ نے فرمایا کہ درد میں اتنی شدت ہے کہ اگر ایسے میں کوئی مجھے قتل کر دے تو میں اس پر اپنا خون معاف کر دوں گا اور تا دم آخر اس کا احسان مند رہوں گا۔

مؤلف عاصی تحریر کرتا ہے کہ آپ اکتیس روز تک درد گردہ میں مبتلا رہے لیکن اس عرصہ میں آپ نے کبھی بے اختیار آہ و بکا نہیں کی اور نہ ہی بستر استراحت پر پاؤں دراز کئے اور ایک ہی نشست میں یعنی چار زانو تشریف فرما رہے۔ دن رات یہی حالت رہتی جو ہم لوگوں کی عقل انسانی سے ماوراء ہے۔ ہر چند آپ سے عرض کیا جاتا کہ حضرت کچھ دیر آرام فرمائیں لیکن آپ فرماتے کہ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب محو خواب ہو جاؤں گا۔ ان کلمات کو سن کر عقیدت مندوں نے استراحت پذیر ہونے کی التجا موقوف کر دی۔

اسی راوی کا بیان ہے کہ اس اثناء میں جو کوئی آپ کی عیادت کے لئے حاضر خدمت ہوتا بعد کلمات شفا ادا کرتا تو آپ فرماتے کہ اے فلاں ہمیں شفا سے بڑھکر وفا اور استقامت مطلوب ہے یعنی ہم صحت سے زیادہ رحلت کے مشتاق ہیں تم دعا کرو کہ خدائے تعالیٰ ہمیں شفا نہیں اپنی

رضا نصیب فرمائے اور فرماتے کہ وہ کونسا دن ہوگا کہ خدائے سبحانہٗ ہمیں وصل جسمی عنایت فرمائیں گے۔ ہم اس وقت کے منتظر ہیں کیونکہ موت موصل حق ہوتی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ الموت جسرٌ یوصل الحبیب الی الحبیب۔ یعنی موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست تک پہونچاتا ہے۔ اور کبھی اس حالت بیماری میں فرماتے کہ دوستانِ خدا چاہتے ہیں کہ انہیں وصل جسمی اس سے قبل میسر ہو جائے کہ غیریت اعتباری کا امتیاز درمیان میں باقی نہ رہے حق تعالیٰ جلد اس پردہ کو درمیان سے اٹھا دے۔ کبھی ارشاد مبارک ہوتا کہ اے لوگو اور اے میرے مریدو میں خراباتی مشرب ہوں تمہیں مجھ پر کس طرح اعتقاد آگیا۔ نہ میں زاہد ہوں نہ عابد ہوں اور نہ ہی مشایخانہ وضع کا حامل ہوں الا یہ کہ میں مولیٰ تعالیٰ کے عشق میں خلق سے بیزار ہوں۔

اسی راوی کا بیان ہے کہ اس مرض مذکور کے دورِ امتداد میں کبھی اوراد، ہمہ اوقاتی وظائف قرائت کلام پاک اور اس کا مس دوام آپ سے ترک نہ ہوا۔ اور روزانہ کے عقائد و معمول میں کچھ فرق نہ آیا۔ آپ حسب معمول نقل و حرکت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آخری ایام میں جبکہ آپ پر حد درجہ ضعف طاری تھا اور آپ بمشکل کھڑے ہو سکتے تھے آپ نے کبھی نشست و برخواست کے لئے کسی غیر کا یا عصا کا سہارا تک نہیں لیا۔ چنانچہ وصال سے قریب اور انتقال سے ایک ساعت قبل آپ بستر خواب سے جس پر آپ تمام رات مشغول بحق رہے تھے اٹھے اور فرمایا کہ لوگو! مجھے قضاء حاجت کی احتیاج محسوس ہو رہی ہے۔ طشت چوکی جلد لاؤ۔ جب چوکی حاضر کی گئی تو آپ بغیر کسی کی مدد کے بذات خود اٹھے ایک شخص نے احتیاطاً آپ کو سہارا دینا چاہا لیکن آپ نے اسے آنکھ کے اشارہ سے منع فرمایا۔ آپ بذات خود مقام طہارت پر تشریف لے گئے۔ اور حاجت سے فارغ ہوئے۔

چالیس سال کی مذکورہ مدت میں آپ نے کبھی چارپائی پر آرام نہ کیا۔ اسی طرح مرض موت میں جب بعض لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت اگر پلنگ پر تشریف رکھیں تو یہ عارضہ اسہال کے لئے راحت بخش ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ فقیر نے چارپائی پر استراحت کرنا مدت مدید سے فراموش کر دیا ہے اس وقت یہ مناسب نہ ہوگا آپ کے اس جواب سے بعض لوگ کبیدہ خاطر ہوگئے جس پر آپ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ یہی چاہتے ہو تو مجبوراً میں اسے قبول کرتا ہوں۔ چنانچہ پلنگ حاضر کیا گیا اور حضرت اس پر منتقل ہوئے۔ ایک روز اسی چارپائی پر تشریف فرما تھے کہ آپ نے

ارشاد فرمایا کہ لوگو تم سمجھتے ہو کہ فقیر کو پلنگ پر آرام ہوگا لیکن مجھے اس سے بکمال ایذا پہونچ رہی ہے اگر اس کے بجائے تخت تجویز کیا جائے تو بہتر ہوتا اس خاکروب آستان اور دیگر حاضرین نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور حضرت اسی تخت پر تشریف فرما تھے کہ آپکی رحلت واقع ہوئی۔ چنانچہ جب آپ اس تخت پر رونق افروز ہوئے تو فرمایا تھا کہ اب فقیر راحت سے آشنا ہے کیونکہ اسی تخت پر مجھے دیدار یار کی راحت میسر ہوگی ۔

مؤلف عاصی عرض کرتا ہے کہ اس بندہ درگاہ کو بدو شعور سے یاد ہے کہ حضرت کا بستر ایک قالیچہ تھا جس پر کبھی سوزنی کا فرش ہوتا اور کبھی نہ ہوتا۔ اسی پر حضرت روزانہ تھوڑی دیر قیلولہ فرماتے تھے موسم سرما میں اکثر یوں دیکھا گیا کہ حضرت اسی سوزنی کو اپنی کملی یا دوسری کسی موجود شئے کے ساتھ اوڑھ لیتے۔ لباس شریف کبھی تکلف تمام زیب تن فرماتے اور کبھی کھادی وغیرہ پہنتے۔ لباس کی آرائش و تزئین کے وقت کوئی ایسی شئے جو قیمت میں کمتر اور بآسانی میسر ہوتی اپنے لباس خاص میں شامل فرماتے۔ چنانچہ ایک روز اس غلام نے اپنے دل میں یہ عرض کیا کہ حضرت اپنے کاہو کے رنگ کے ملبوسات میں سے مجھے کوئی لباس مرحمت فرمائیں تو درپردہ اس رنگ کی اجازت جان کر میں اس کو استعمال کروں گا۔ اس کے بعد تقریب دعوت کا ارادہ ہوا اور میں دعوت میں گیا۔ اس روز بارش بہت تیز تھی اور میں آدھی رات کے وقت پا پیادہ عین شدت بارش میں گھر لوٹا۔ میرے کپڑے پانی سے تر بتر تھے۔ جب میں حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو سر سے قدم تک پانی میں نہایا ہوا تھا حضرت مرشد کونین ادام اللہ تعالیٰ ارشادہٗ فی الدارین نے اس غلام کی حالت کا ملاحظہ کیا اور نزدیک طلب فرماکر اپنا دست مبارک میرے سر پر رکھا۔ میری دستار بند بھی تمام تر پانی میں بھیگی ہوئی تھی آپ نے اپنے سر مبارک سے کاہی کے رنگ کی ٹوپی اتاری اور میرے سر پر پہنادیا۔ اور کاہو کے رنگ کا ہی شایہ اور پائجامہ جو رستی پر آویزاں تھا مجھے مرحمت کیا۔ وہ ٹوپی گندہ کپڑے یعنی کھادی کی تھی اور وہ شایہ باریک تر تھا۔

اسی راوی سے مروی ہے کہ حضرت اکثر اپنے زمانہ حیات میں فرماتے تھے کہ فقیر کے لئے لازمی ہے کہ جب تک اس کی زندگی باقی رہے تو جو رقم ملے صرف کردے اور ہزارہا صرف کرے لیکن جب اس جہان سے رحلت کا وقت آپہونچے تو اس کے کفن کے لئے بھی کچھ موجود نہ رہے۔

حکیم صادق الحسین کہتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ میں نے حضرت کی زبان مبارک سے سنا تھا اور آپ نے فرمایا تھا کہ میرے پاس ایک سکہ بھی نہیں کہ وہ میرے استعمال میں آسکے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت کی شب وصال میں فاء فقیر معنوی طور پر جلوہ گر تھا اور آپ کے دولت خانہ میں پکانے کے لئے کچھ موجود نہ تھا۔ کہیں سے کھانا آیا تھا جس سے سارے اہل خانہ شکم سیر ہوئے۔

راقم سطور کا بیان ہے کہ جب ۱۲ ماہ ذوالقعدہ کی رات آئی تو حضرت آدھی رات تک گفتگو میں مصروف رہے۔ اثنائے سخن میں اکثر ایسا ہوتا کہ آپ بات کرتے کرتے وعلیکم السلام کہتے اور کبھی سبحان اللہ بحمدہ جل جلالہ وعم نوالہ فرماتے اور کبھی اس طرح بغور سنتے کہ جیسے کوئی آپ سے مخاطب ہو۔ راوی تحقیق سے کہتے ہیں کہ آپ نے ہم لوگوں کو ایک شبانہ روز اپنے نزدیک بیٹھنے نہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ جگہ کشادہ رکھو کہ مردانِ طلب کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ اسکے بعد آپ نے فرمایا کہ کیا میں نے کوئی غلط کلمہ کہا ہے؟ بعد ازاں بوقت عشاء آپ نے اس غلام سے کہا کہ تم سورہ یٰسین کیوں تلاوت نہیں کرتے کیا میری آنکھیں بند ہونے کے بعد تلاوت کا ارادہ ہے۔ اس غلام کے منجملہ تمام حاضرین گریہ وزاری کرنے لگے۔ اس کے بعد آپ نے ہماری تسکین کے لئے فرمایا کہ تم لوگ سنو فقیر سورہ شریف پڑھتا ہے۔ ان چند آیات کی تلاوت پڑھنے اور سننے والوں کے لئے باعث نجات ہے۔ چنانچہ آپ نے خود سورہ مذکور کی تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد جب آدھی رات گزر گئی تو اس خاکروب نے جو باتیں عرض کی تھیں انہیں یاد کرکے آپ نے چند کلمات ارشاد فرمائے۔ بعد ازاں یاد الٰہی میں مشغول ہوگئے۔ اور آپ کی توجہ عالم ظاہری سے اٹھ گئی اور حاضرین کلیتاً یاس میں مبتلا ہوگئے۔ بقیہ آدھی رات یہی حالت رہی۔ جب صبح صادق وصال ہوئی اور آفتاب نکلا تو بوقت اشراق حضرت کو عالم باطن کے استغراق سے افاقہ ہوا اور آپ نے فرمایا' حاجت بشری محسوس ہوتی ہے۔ طہارت کے لئے پانی لاؤ۔ ہم غلاموں کو خوشی ہوئی کہ حضرت عالم ظاہر کی جانب متوجہ ہوئے اور کلام فرمایا۔ بعض عقیدت مندوں نے سجدہ شکر الٰہی ادا کیا اور بعض ارادت مندوں نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔ الغرض والمقصود حضرت اپنی قوت ولایت سے خود بخود اٹھے اور طشت چوکی پر آئے اور رفع حاجت سے فراغت کے بعد پانی طلب فرمایا اور وضو کیا۔ اس وقت حضرت کے بشرہ سے مطلق علامات بیماری ہویدا نہ تھیں۔ اس کے بعد آپ نے حقہ طلب کیا۔ مریدین اور خدام نے عرض کیا کہ

ایک عرصہ ہوگیا کہ حضرت نے کچھ تناول نہیں کیا اگر تھوڑا سا تناول فرما کر حقہ کی جانب متوجہ ہوں تو بہتر ہوگا۔ آپ نے فرمایا جو کچھ موجود ہے لاؤ۔ چنانچہ غلام غلامان بارگاہ موسوی نے جلد ایک شیشہ پیش کیا جس میں ٹھنڈی اور سیال غذا موجود تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ اسے تھوڑا گرم کر کے لاؤ۔ حسب الحکم کچھ دیر اسے گرم کرنے کے بعد پیش کیا گیا حضرت نے دو تین پیالے نوش کئے آپ نے فرمایا تم آگ کا دھواں نکال کر پیش کرو۔ پس غلام نے چاہا کہ حقہ کو حضرت کے سامنے سے ہٹا کر دور دو کش لے کر واپس لاؤں۔ آپ نے فرمایا تم اب تک میرے پیش نظر رہے ہو اس لئے اسی جگہ کش لے سکتے ہو۔ حسب الحکم میں نے حقہ کے چند کش کھینچے اور دھواں نکلنے پر حضرت کے روبرو پیش کیا۔ حضرت نے کچھ دیر حقہ کے چند کش لئے اس حال میں بھی یاد الٰہی جاری تھی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ دوسرا حقہ جلد پیش کرو۔ اس سے بھی چند کش لینے کے بعد فرمایا کہ اب فقیر آرام کرتا ہے ہم تمام غلاموں نے عرض کیا کہ بہت بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پسند تر ہے کہ ہم محو خواب ہو جائیں۔ چنانچہ آپ از خود دراز ہو گئے اور کلاہ سر سے اتار کر اپنے ہاتھ میں تہہ کر لی اور تین بار اللہ حیٌّ یوں کہا کہ پہلی اور دوسری دفعہ تمام حاضرین نے سنا اور تیسری دفعہ صرف آپ کے لبوں کی حرکت محسوس ہوئی اور آپ حیٌّ لایموت سے واصل ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون لیکن اس وقت یہ غلام حضرت کی پیشانی مبارک کی جانب ناظر اور متوجہ تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک ستارہ چمکا اور تین بار پتلیوں کے گرد اگرد پھر کر چراغ صبح کی طرح گل ہو گیا۔ پھر حضرت کی دیدۂ حق بیں سے چند قطرۂ اشک برآمد ہوئے۔ اس کے علاوہ اس غلام حلقہ بگوش کو اور بھی کئی باتیں معلوم ہوئیں جن کے عشر عشیر کی بھی اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں۔ الحمد للہ علی دوامہ وبارک اللہ فی العامہ۔

خاکی حزین اور راوی غمگین کا کہنا ہے کہ حضرت کی رحلت کے بعد ہر کہ و مہہ کی وہ حالت ہوئی کہ نمونۂ حشر کہا جا سکتا ہے۔ کوئی اپنے آپ میں نہ تھا اور جسے جو سوجھ رہی تھی وہ کر رہا تھا۔ الغرض اس واقعہ جانکاہ کے بعد حضرت عموی سید محمد مدنی قادری نے اس فقیر سے فرمایا کہ علی پیران صاحب جو کچھ مرضیٔ الٰہی تھی اس کا ظہور ہوا اب یہ کہو کہ حضرت کی مرقد کہاں ہوگی۔ چنانچہ میں نے حضرت علیہ الرحمہ کی روح پر فتوح کی جانب تھوڑی توجہ کی

تو اسی وقت میرے دل میں یہ بات القا ہوئی حضرت روضہ مبارک سے متصل زمین کو جو رہن تھی خریدی چاہتے ہیں جو محض اسی لئے تھی کہ آپ کے مدفن شریف کے کام آئے۔ راہن مذکور کو جو اسی وقت حاضر تھا میں نے حضرت کی ایما سے واقف کیا وہ صادق الاعتقاد تھا۔ خود بھی راضی ہو گیا اور دیگر سہیم کار زمین کو بھی رضامند کر لیا۔ چنانچہ فقیر عاصی نے اسکے حسب اظہار خرید کر حضرت کی آخری آرام گاہ کی بنا ڈالی لیکن بعض حاضرین نے میری اس حرکت کو پسند نہ کیا اور بعض لوگوں نے زبان اعتراض دراز کی اور کہا کہ یہ حضرت کا جائے مدفن نہیں ہے دوسری جگہ قبر تیار کی جائے میں نے کہا کہ اس میں کچھ گفتگو کی گنجائش نہیں جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسی کے موافق عمل کرو۔ اس پر بعض اصحاب نے بہ لہجہ کہ کچھ کہنا چاہا میں نے بحدت وشدت ان کا جواب دیا جس سے سب ساکت ہو گئے۔ پس وہی مقام حضرت کا جائے مدفن مقرر ہوا۔ لیکن جب جنازہ شریف روضہ میں لایا گیا تو تمام لوگوں کی باتیں میرے گوش گذار ہوئیں کہ سب لوگ کہہ رہے تھے کہ یہ جگہ حضرت کے مدفن کے لائق نہیں اس پر اس غلام کو بھی تامل اور تردد ہوا چنانچہ میں اپنے حضرت کی جانب رجوع ہوا اور دل میں کہا کہ اگر میری یہ حرکت حضرت کے خلاف مرضی ہے تو مجھے اضطراب اور اضطرار پیدا ہوگا۔ جب میں نے اپنے دل کو سلیم اور مطمئن پایا تو ان لوگوں کے اعتراض کا کچھ جواب نہ دیا یہاں تک کہ آدھی رات گذرنے تک دفن مکمل ہو گیا۔ لیکن مجھے ایک قسم کا تردد باقی تھا دوسرے روز رویائے صادقہ میں مجھے مکشوف ہوا اور میں نے اپنے پیر و مرشد کو دیکھا کہ آپ اپنے والد شریف کی مزار کے پہلو میں ایستادہ ہیں اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرما رہے ہیں کہ برخوردار اس روضہ میں تین لوگوں کو دفن کرنے کی جگہ تھی اور آپ نے اس مقام کو اپنی انگشت شہادت سے نشاندہی کی بھی فرما لیا کہ لیکن میری مرضی اسی مقام پر تھی جہاں تم نے مجھے دفن کیا۔ پس میں آپ کے قدم مبارک پر گر پڑا اور اسی حالت میں خواب سے بیدار ہو گیا جب آنکھ کھلی تو ابھی ظہر کا وقت باقی تھا اور چبوترہ تعمیر ہو چکا تھا اس کے بعد جو کوئی بھی آتا یہی کہتا کہ حضرت کی قبر شریف جو یہاں بنائی گئی بجا بنائی گئی حالانکہ یہ خطہ حضرت کے لائق نہ تھا۔ میں نے دل میں کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ حضرت کا تصرف ہے اور اس غلام کے خدمت کی قبولیت کی علامت ہے کہ سارے لوگ بیک آواز اسکے بجا ہونے کا اقرار کر رہے ہیں۔ حالانکہ اس سے قبل کچھ اور ہی کہہ رہے تھے۔

مؤلف ماضی تحریر کرتا ہے کہ جب حضرت کی رحلت ہوگئی تو گھر میں ایک پائی نقد موجود نہ تھی یہاں تک کہ رحلت کے روز درویشوں کے اخراجات کے لئے چند سکوں کی ضرورت تھی اس غلام نے کہیں سے قرضہ لے کر حضرت کی خدمت میں نذر کیا اور عرض کیا کہ حضرت اپنے دست مبارک سے درویشوں کو عطا فرمائیں۔ حاصل تحریر یہ کہ تجہیز و تکفین کی صورت صرف توکل کی وجہ سے پر تکلف ہوئی اور ہر شخص بجوش ارادت کچھ نقد رقم یا پارچہ وغیرہ لاتا تھا۔ عبیر عود اور پھولوں سے راستے اور بازار معطر ہوگئے تھے۔ اور جنازہ کے ساتھ لوگوں کا کثیر ازدھام روز عاشورہ کا سماں پیش کر رہا تھا کہ ہر کوئی بے خود تھا اور جو سمجھ میں آئے کر رہا تھا۔ بیشتر افراد سینہ کوبی کر رہے تھے اور گریباں چاک، سر و پا برہنہ یوں جا رہے تھے جیسے بروز شہادت ماہ محرم الحرام ہو۔ عبیر کے غبار کی کثرت کی وجہ سے جو لوگ جنازہ کے ہمراہ تھے وہ سراپا ملوث ہوگئے تھے۔ الغرض اس ہیئت مجموعی کے ساتھ تقریباً دس ہزار اصحاب کے ساتھ ہم مکہ مسجد پہونچے وہاں ہر چند کوشش کی گئی کہ صفیں درست کی جائیں اور نماز جنازہ ادا کی جائے لیکن تعین صفوف ناممکن تھا چنانچہ ہر کسی نے اپنے اپنے مقام پر کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔ شارع عام کی یہ حالت تھی کہ گھر گھر سے مستورات گریہ کناں زیارت کی غرض سے بازار میں نکل پڑی تھیں۔ اکثر اشخاص شیر خوار بچوں کو جنازہ کے گرد اگرد پھرا رہے تھے۔ اور جنازہ پر سے تبرکاً پھول وغیرہ لینے ایک دوسرے پر سبقت لے جا رہے تھے۔ وہ لوگ جنازہ کے دائیں بائیں کھڑے تبرک دے رہے تھے یہاں تک کہ یہ تمام چادر گل وغیرہ تبرک میں صرف ہوگئی۔ رمضان درویش صفاکش کہتے ہیں کہ اکثر لوگوں نے جب اپنی آنکھوں سے بازار میں حضرت کے جنازہ کا دیدار کیا تو بے ساختہ پاؤں سے جوتے اتار کر جنازہ کے ہمراہ ہوگئے ایک عالم برہنہ پا جنازہ کے ساتھ ساتھ تھا۔

شاہ قاسم علی حقیقی جو حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے فرماتے ہیں کہ حضرت کی شب رحلت میں نے خواب میں دیکھا کہ خواجہ عبید اللہ میرے روبرو آئے اور عرض کیا کہ حضرت کیا آپ نے حیدر آباد کے آج کے واقعہ کے متعلق کچھ نہیں سنا میں نے کہا نہیں خواجہ نے کہا کہ آج شہر کے صدر المشائخ کی وفات ہوگئی اور میں چاہتا ہوں کہ ان کے جنازہ میں شریک رہوں۔ کمربند یا دوشالہ عنایت کیجئے۔ پس میں نے وہ

دوشالہ جو زیب تن تھا نکال کر انہیں دیا اور کہا کہ خواجہ عبداللہ کچھ دیر توقف کرو میں بھی تمہارے ہمراہ چلوں گا۔ بعد ازاں میں خواب سے بیدار ہو گیا اور حیرت کے ساتھ خواب کی تعبیر کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ خواجہ عبداللہ خواب کی طرح حاضر ہوئے اور کہا کہ ایک شخص آکر کہہ رہا ہے کہ حضرت سید شاہ موسیٰ قادریؒ ابھی رحلت پذیر ہوئے ہیں۔ پس میرے دل میں آیا کہ میرے خواب کی یہی تعبیر ہے سچ ہے کہ حضرت کی ذات شہر میں صدر المشائخین تھی۔ اس کے بعد میں نے جنازہ میں شرکت کا عزم کیا اور نصف صحن تک بھی نہ گیا تھا کہ خواجہ عبداللہ مذکور میرے روبرو آئے اور کہا کہ حضرت رونق افروز ہو رہے ہیں غلام کو کچھ مرحمت فرمائیں۔ میں نے دل میں کہا کہ سبحان اللہ عجیب رویائے صادقہ ہے کہ جسے مکاشفہ کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے اپنا دوشالہ خواجہ کو دیا اور انہیں ساتھ لے کر سعادت حضور جنازہ حاصل کی۔

مولف عاصی کا بیان ہے کہ جب روز سیوم ہوا تو لوگوں کی اتنی کثیر تعداد تھی کہ پہلو بہ پہلو اور زانو بہ زانو بیٹھنا دشوار تھا ختم قرآن کے بعد لوگوں نے پھولوں اور صندل کی نیاز کے لئے بے اختیار ہو اٹھے جس کے باعث مٹی کی مزار اور صندل کا پیالہ ٹوٹ گیا۔ ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ مزار شریف تک کسی طرح پہونچ جائے لیکن اہل دول اور مشائخین کے لئے بھی مزار تک پہونچنے کی گنجائش نہ تھی۔ چنانچہ ایک بزرگ اس مجمع میں سے بہزار دقت مزار انور تک پہونچے لیکن وہاں پہونچ کر ان کے پاؤں لڑکھڑانے لگے اور وہ مزار پہ گر پڑے اور ایک بزرگ کی ٹوپی گم ہو گئی۔ الغرض عجیب و غریب واقعہ اور خاص مجمع تھا جس کا اندازہ صرف مشاہدہ پہ موقوف ہے اور جو بیان نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت کی وفات ۱۲۱۵ھ میں بتاریخ ۲۱ ماہ ذیقعدہ بروز دوشنبہ بوقت ایک پہر روز واقع ہوئی آپ کا سن شریف کامل ۶۳ سال تھا۔ جب آپ عالم اعلیٰ کی جانب تشریف لے گئے۔ مادۂ تاریخ حسب ذیل ہیں ؎

ابیات

شیخ عالی شان بعالم پروری — در دکن بودہ چو شمس خاوری
از قضا چوں آمدہ پیغام وصل — داد در دست پسر انگشتری
بست و یک ذیقعدہ دوشنبہ وفات — کرد، دادہ در تقرب حاضری

ایں ندائے غیب حق تاریخ گفت　　"عاشق او شاہ موسیٰ قادری"

۱۵ ھ ۱۲

دیگر　　رُباعی

چو شد موسیٰ بسوئے بہشت　　ز بار غمش آسمان قوس شد
بفرمود رضوان بتاریخ او　　تجلّی موسیٰ بفردوس شد

۱۵ ھ ۱۲

دیگر　　رُباعی

روزیکہ شاہ موسیٰ رو کرد سوئے یزداں　　از پرتو جمالش بدر منیر شق شد
از ساکنانِ جنت فریاد و غل بر آمد　　در وادیٔ مقدس موسیٰ بنزد حق شد

۱۵ ھ ۱۲

دیگر　　رُباعی

زہے شاہ موسیٰ کہ پیر ہدا بود　　ہمیشہ بحق واصل از خود جدا بود
چو وی رفت از روئے آداب گفتم　　"عجب شاہ موسیٰ کلیم خدا بود"

۱ + ۱۲۱۴ = سنہ ۱۲۱۵ھ

دیگر　　رُباعی

شاہ موسیٰ را چو شد حکم قضا　　سر بنہادہ وے بہ تسلیم و رضا
پس مکرر از غم فرزند خویش　　آہ آمد از "علی موسیٰ رضا"

۱۲ - ۱۲۲۷ = سنہ ۱۲۱۵ھ

لہ آہ کے اعداد ۶ ہوتے ہیں چونکہ مصرع ثالث میں "مکرر" واقع ہوا ہے لہذا آہ کے عدد چھ چھ عدد ملانے سے جملہ بارہ ۱۲ کا تخرجہ سن وفات "علی موسیٰ رضا" دیتا ہے۔

دیگر (رُباعی)

بعالم شانِ دو موسیٰ جلی شد — یکے فرزند یعقوب و یکے ابن علی شد
ندانم فرق شانِ جز فرق یک باب — "یکے موسیٰ پیمبر شد یکے موسیٰ ولی شد"

۵ ـ ۱۲۲۰ = سنہ ۱۲۱۵ھ

دیگر رُباعی

صلوٰۃ اللہ سلام اللہ بفرزند رسول اللہ — بشان تو کلام اللہ بوصف تو دلیل اللہ
سر اداب بگرفتم دو موسیٰ راقم کردم — "یکے موسیٰ کلیم اللہ یکے موسیٰ خلیل اللہ"

۱+ ۱۲۱۴ = سنہ ۱۲۱۵ھ

دیگر رُباعی

تو نور چشم قادر و فرزند خاتمی — کے شانِ تو ز موسیٰ عمران کند کمی
چوں تو شد بعرش ز حق آمد ایں ندا — "اے جان دائے گزیدۂ موسیٰ کاظمی"

دیگر رُباعی

شاہ موسیٰ قادری آں شیخ والا مرتبت — از جہاں رخ تافتہ رفتہ بجنت اندروں
سال او ے را چوں بجستم ہاتفم گفتہ بداں — "از شجاعت قوت و لطف از سخاوت بروں"

۱۵ ھ ۱۲

دیگر رُباعی

زیں جہاں رو تافتہ چوں حضرت موسیٰ ولی — از جمال خویش کردہ آں جہاں را منجلی
بہر سال از روح رضواں گفت آمد از جناں — "نور چشم احمد و حسنین و زہرا و علی"

۱۵ ھ ۱۲

دیگر رباعی

شاہ موسیٰ چو عاشق حق بود	زین سبب بہ کمال غالب شد
سال تاریخ آن سپہر کرم	گفت ہاتف "شہاب ثاقب شد"

۱۲۱۵ھ

دیگر رباعی

شاہ موسیٰ بود بس روشن ضمیر	رفت رحلت بست چون زین دار و گیر
با دل غمناک تاریخ وفات	گفت ہاتف "بود این شیخ کبیر"

۱۲۱۵ھ

دیگر رباعی

بشنید چونکہ موسیٰ آواز ارجعی را	روح مبارک او کرد از تنش جدائی
نالیدہ از سر درد رضوان گفت اللہ	"موسیٰ نمود کمل در بندگی خدائی"

۱۲۱۱+۴ ۱۲۱۵ھ

دیگر رباعی

شاہ موسیٰ کرد چونکہ دعوت حق را قبول	از غم و درد فرقتش یک جہانے شد ملول
از سر شور و الم تاریخ وے گفتہ خرد	"دلبر حسنین و صدر جان طٰہٰ و بتول"

۱۲ ۵ ۱۵

دیگر رباعی

بادیا بود شہر ذیقعدہ	بود ما رخت آمد از ہجرت
موسیٰ براسپ عمر خود بنشست	رفتہ روز دوشنبہ در جنت

دیگر **رُباعی**

بود موسیٰ قادری عالی نسب والا حسب　　جدش احمد مادرش زہرا و شیر حق ابی
گفت ہاتف سالِ نقلش از سر درد و فراق　　"جانِ حیدر چشم زہرا ابن حسنین و نبی"

۱۵ ھ ۱۲

دیگر **رُباعی**

رسید ایں خبر چوں برضواں از حور　　کہ موسیٰ بوصل خدا گشت مسرور
کشید آہ فرمود نورٌ علیٰ نور　　" تجلی حقا شد بموسیٰ بکسطور

۱۵ ھ ۱۲

دیگر **رُباعی**

کہ آں شیخ جہاں ماہ دل افروز　　چو در وصل خدا شد راحت اندوز
فغاں برخاست در ملکوتِ اعلیٰ　　"تکلم کرد حق موسیٰ کامروز"

۱۵ ھ ۱۲

دیگر **رُباعی**

وصل الحق سید موسیٰ　　رضی اللہ رحمۃ عنہ
کان کالشمس وجہہ نورًا　　" اشرف اللہ جنۃ منہ"

۱۵ ھ ۱۲

دیگر **رُباعی**

۲۱ ذیقعدہ　　۱۵ ھ ۱۲

کان کافتح الف من الذیقعدۃ　　یا وھسا عسین ورامن الھجرۃ
اسمہ موسیٰ عمرہ سین وثلث　　الاثنین دامر فی الجنۃ

الغرض آپ کے محبین کے منجملہ جس کسی کو مذاق سخن تھا اس نے کچھ نہ کچھ فکر کی۔ اگر ان تمام فارسی، عربی اور ہندی تاریخات کو یہاں نقل کیا جائے تو موجب طوالت ہوگا اسلئے ان مندرجہ بالا چند ابیات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مؤلف عاصی تحریر کرتا ہے کہ جب سے حضرت کا روضہ مقدسہ شہر حیدر آباد میں حضرت شاہ محی الدین ثانی قدس سرہٗ العزیز کے روضۂ منورہ سے متصل زیارت گاہ خلق ہوا تو دو سال کامل مجھے گنبد کی تعمیر کا عزم رہا لیکن مشرب درویشی کی بناء پر اس کی موافقت نہ ہوئی۔ اور کوشش بسیار کے باوجود کوئی صورت نہ نکلی۔ مجبوراً میں نے اپنے اس ارادہ کو ارادہ الٰہی کے تفویض کیا اور دل میں کہا کہ شاید خود حضرت کی بھی یہ مرضی نہیں کہ گنبد تعمیر ہو۔ اگر ایسا نہیں تو کچھ نہ کچھ صورت ظاہر ہوگی۔ اس خیال کو دو ماہ نہ گذرے تھے کہ مریدہ صادقہ المسماۃ بوبو شہزنگ زاداللہ تعالیٰ اعتقادہ بیمار ہوکر حاضر ہوئیں اور حضرت سے رجوع کیا۔ ایک ہفتہ نہ گذرا تھا کہ انہیں شفاء کاملہ حاصل ہوگئی۔ چنانچہ مریدہ مذکورہ ایک روز اپنے تمام زیورات پانی کے پیالے میں رکھ کر اس فقیر کے سامنے پیش کئے اور کہا کہ حضرت انہیں قبول فرمائیں اور میرے پیر و مرشد کی گنبد کی تیاری کی ابتداء فرمائیں۔ اس فقیر نے ان تھوڑے سے زیورات کو دیکھ کر جسکے عوض ایک قلیل رقم حاصل ہوسکتی تھی کہا کہ اے صادقہ ان تھوڑی سی اشیاء میں روضہ کی تیاری کا کام مکمل نہ ہوسکے گا۔ اس نے کہا کہ حضرت خدا پر توکل فرمائیں اور کام کی ابتداء فرمادیں حق سبحانہ تعالیٰ شانہ کارساز فقراء ہے پس مجھے اپنی بات پر ندامت ہوئی اور میں نے گنبد کی تعمیر کا ارادہ کر لیا۔ اس کی بنیاد سے قبل میں حضرت کی جانب رجوع ہوا اور عرض کیا کہ روضہ کی وضع کیسی ہو۔ اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت پیر و مرشد چبوترہ بازار پر جو روضہ کے بائیں میں واقع ہے ایک درخت کے نیچے ایستادہ ہیں اور یہ غلام حضرت کے روبرو دست بستہ حاضر ہے۔ ایام عاشورہ میں حکیم صادق حسین خاں کے تیار کردہ تابوت کی مانند ایک تابوت اس چبوترہ پر موجود ہے لیکن فرق یہ ہے کہ اسکے تمام نقش و نگار طلائی ہیں غلام عرض کر رہا ہے کہ حضرت روضہ مبارکہ کا یہ کام نور الملک کی نیاز سے بھی نادر ہے جس پر آپ نے فرمایا کہ بے شک بہت بہتر اور نئی قسم ہے۔ میں جب خواب سے بیدار ہوا تو اسی روز سے گنبد کی تیاری

شروع کر دی۔ کچھ عرصہ بعد جب یہ مکمل ہو گئی تو سارے دیکھنے والوں نے بیک زبان کہا کہ یہ روضہ نئے انداز سے بنایا گیا ہے میں نے اسکی تعمیر کی تاریخ بھی "روضہ مقدسہ" کہا ہے۔

۱۲۱۹ھ

"اللھم نور قلوبنا وقبورنا بانوار اسرارہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ذکر شریف

مظہر آثار عجائب، مظہر انوار غرائب، سجادہ مسند عشق سید شاہ عبداللطیف ثانی عرف شاہ میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ روضہ عالی لاابالی کے جانشین تھے اور حضرت مذکور کی سجادگی آپ کی ذات پر اختتام کو پہونچی یعنی آپ سید محی الدین عرف حضرت پیر شاہ صاحب کے بڑے صاحبزادے تھے جو حضر شاہ عبداللطیف ثانی عرف شاہ میاں صاحب کلاں کے اور وہ حضرت شاہ عبداللہ کے اور وہ جناب عالی سیدنا سید شاہ عبداللطیف لاابالی کے بڑے صاحبزادے تھے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت شاہ عبداللطیف ثانی عرف شاہ میاں صاحب اپنے پدر بزرگوار کی رحلت کے بعد روضہ منورہ کے سجادہ ہوئے آپ ایک مدت تک مکان دہلیز میں سکونت پذیر رہے۔ جب واردات الٰہی سے نظام الدولہ ناصر جنگ کی نواب ہمت بہادر ناظم بلدہ کرنول کے سبب وفات ہوئی تو آبادی بلدہ مذکور میں تہلکہ عظیم برپا ہوا۔ اس ہنگام میں آپ نے بلدہ قمر نگر عرف کرنول کو خیرباد کہہ کر موضع گولکنڈہ میں جو بادشاہ عالمگیر کی خاص جاگیر ہے رونق افروز ہوئے اور وہاں کی سکونت اختیار فرمائی۔ آپ اپنے چاروں بھائیوں کو بھی اپنے ہمراہ موضع مذکور لے گئے اور اپنے ساتھ رکھا۔ موضع مذکور کو آپ نے مبلغ چار ہزار روپیوں کے عوض حاصل کیا اور تاحین حیات اسکو اپنے قبضہ و تصرف میں رکھا۔ گولکنڈہ مذکور امتیاز گڑھ عرف ادونی کی سرحد میں واقع ہے اس وقت سے آپ کی بود و باش اسی موضع میں رہی۔

حاصل تحریر یہ کہ حضرت کی ذات علم حقائق، دعوت، تسخیر موکلات و اجنہ وغیرہ میں بے نظیر

وقت تھی۔ آپ کے پائے مبارک میں کسی قدر لنگ تھا۔ اور چلتے وقت آپ کے قدوم کی کجی نمایاں نظر آتی تھی۔

راوی کہتے ہیں کہ آپ نواب شجاع الملک پسر آصفجاہ مرحوم کے عہد میں بقید حیات تھے ایک عالم آپ کے وجود سے مستفید ہوا۔ اکثر لوگ اپنے فروبستہ امور کو حضرت سے رجوع کرتے اور حضرت کا دستور تھا کہ موکلات اور مردان غیب کے عملیات کے ذریعہ انکے حوائج کی بابجائی فرماتے۔ اسوقت شجاع الملک نے اپنی دختر کو اپنے برادر بزرگ نواب نظام علیخاں فتح جنگ کے فرزند سے منسوب کیا تھا اور ہر روز ان کے برادر بزرگ کی جانب سے انکے نام بدیں مضمون خطوط آتے تھے کہ تم اپنی لڑکی کی شادی کے لئے یہاں آجاؤ۔ انشاء اللہ ہم اور تم ایک جا ہو کر اس شادی کو برونق تمام انجام دینگے۔ شجاع الملک کو اپنے بھائی کی تحریر سے تسکین خاطر نہ تھی اسی بنا پر وہ اکثر بزرگان وقت سے اس سلسلہ میں مشورہ کرتا تھا اگر بابدولت و اقبال اپنے بھائی کے پاس جائیں تو کس قدر موافقت ہوگی ہر کسی نے کچھ نہ کچھ جواب دیا لیکن اس کو تسلی نہ ہوئی۔ ایک روز ایک شخص نے جو نواب مذکور کے ندیمان سے تھا عرض کیا کہ اس زمانہ میں حضرت شاہ میاں صاحب کی ذات کثیر البرکات قطب وقت اور بہت غنیمت ہے اگر بندگان عالی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اس سلسلہ میں استفسار فرمائیں تو کماہی یہ مقدمہ مکشوف ہوگا۔ چنانچہ رئیس وقت شجاع الملک مرحوم حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض مطلب کیا آپ نے فرمایا بابا فقیر حقیر ہے اگر اس سلسلہ میں تم سے کچھ کہوں تو تم یقین نہ کروگے۔ کیونکہ اسلاف نے کہا ہے کہ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" انشاء اللہ تعالیٰ میں شاہ حسن سے تمہاری ملاقات کراؤں گا جو کچھ تمہارا ارادہ ہو ان سے سوال کرو وہ تمہارا جواب دیں گے۔ شجاع الملک نے کہا یہ کشف اسرار غیب رات میں ہوگا یا دن میں آپ نے فرمایا اسی روز اور اسی وقت ہویدا ہو جائیگا۔ چنانچہ نواب نے اقبال کیا آپ نے فرمایا اول غسل کرو اور پاکیزہ لباس پہنو اور احتیاطاً ایک اور شخص کو اپنے ساتھ رکھو اور کچھ اسباب خوشبو مہیا کرو۔ اور دیکھو سر الٰہی کس طرح ظاہر ہوتا ہے اس نے آپ کے حکم کی تعمیل کی حضرت نے ایک بڑا آئینہ طلب فرمایا اور اس پر ایک نقش لکھ کر نواب کے روبرو اپنے ہاتھ سے حجرہ مطہرہ میں رکھدیا۔ اور دعائے

حصار پڑھکر انھیں اس نقش کی جانب متوجہ کیا اور کہا کہ اب موکلات حاضر ہونگے جب بادشاہ جن حاضر ہوں تو ان سے اظہار مدعا کرو اور اپنے مطلب میں کامیاب ہو جاؤ۔

راوی کہتے ہیں کہ ایک ساعت نہ گذری تھی کہ رئیس نے آئینہ میں دیکھ کر کہا کہ اب ایک بڑا میدان نظر آرہا ہے جسے فراش صاف کر رہے ہیں کچھ دیر بعد انہوں نے کہا کہ اب آب پاشان پانی کا چھڑکاؤ کر رہے ہیں اس کے بعد کہا کہ اب تخت شاہی آراستہ کیا جا رہا ہے پھر کہا کہ اب مسند شاہی بچھا دی گئی پھر کہا کہ تخت بلند اور مرصع ہے۔ پھر کہا کہ اب ایسا محسوس ہوتا ہے بادشاہ کی سواری آرہی ہے پھر کہا کہ چتر شاہی جلوہ افروز ہوئی جسکے ساتھ تقریباً ایک لاکھ پچاس ہزار سوار ہیں پھر کہا کہ شاہ اجنہ تخت شاہی پر جلوس فرما ہوئے اور شجاع الملک سے کہا اے فلاں حضرت شاہ میاں صاحب کی خدمت میں ہماری جانب سے سلام نیاز پہونچاؤ اور پھر التماس کرو کہ اس بندہ کو کس لئے یاد فرمائی ہوئی ہے۔ شجاع الملک بہادر نے آپ کی خدمت میں عرض کیا شاہ جن یوں کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میری جانب سے دعا کہو اور اپنے مطلب کا استفسار کرو کیونکہ وہ اسی مقصد سے طلب کئے گئے ہیں۔ الغرض شجاع الملک نے اپنی دختر کی شادی کے لئے حیدرآباد جانے کا عزم ظاہر کیا۔ بادشاہ اجنہ نے کہا کہ تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ اپنی لڑکی کو روانہ اور خود طلب کرنے کے باوجود وہاں نہ جاؤ ورنہ تم اپنے بھائی کے کد سے محفوظ نہ رہ سکوگے اس سلسلہ میں اولیٰ یہ ہے کہ رکن الدولہ دیوان کو اپنا نائب مقرر کر دو۔ اس کے بعد شاہ جن نے حضرت سے رخصت چاہی اور غائب ہوگئے۔ شجاع الملک نے اسی طرح عمل کیا اور اس روز سے حضرت کا معتقد ہوگیا اور اکثر اپنی مجالس میں کہا کرتا تھا کہ اب اس ملک میں میرے قیام کے باعث اور اس ملک کا امن حضرت شاہ میاں صاحب کے قدوم مبارک کی برکت سے ہے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

قبلہ ارباب علی فی، زبدۂ سادات حسینی حضرت عموی سیدہ شاہ محمد مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ کا عرف شریف مدینہ صاحب مشہور آفاق ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت مذکور اپنے پدر بزرگوار کے مرید خلیفہ اور جانشین تھے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم شریف حضرت شاہ صاحب پیراں صاحب ابن حضرت شاہ درویش محی الدین قادری رحمۃ اللہ علیہما ہے۔ ان دونوں حضرات کا ذکر شریف اس سے قبل رقم کیا جاچکا ہے۔ حضرت عموی کی ذات بابرکت علوم حقائق و معارف کی جامع ہے اور ایسی فصاحت و بلاغت کی حامی ہے کہ جسکی تحریر سے قلم قاصر اور زبان عاجز ہے۔

سید انوار اللہ انوار الاخیار تحریر کرتے ہیں کہ حضرت موصوف ایام جوانی میں اس قدر حسین و ملیح تھے کہ لوگ آپ کو حسن یوسف کنعان سے نسبت دیتے تھے اور اکثر اشخاص آپکے جمال باکمال کے دیدار کے منتظر رہتے۔ آپ اپنے بدو شعور سے آج تک مشغول بحق ہیں۔ آپکا ریاضت و مجاہدہ اور سیر سلوک میں بلند مرتبہ ہے اور بیشتر لوگ آپ کے فیض صحبت سے بہرہ مند ہوچکے ہیں۔

مؤلف عاصی جو آستان قادریہ کا خاکروب ہے عرض کرتا ہے کہ کمترین خلق اللہ اور کہترین عباد اللہ بھی حضرت کے فیض یابوں سے ہے الحمد للہ علیٰ نعمائہ۔ اختصار سخن یہ کہ حضرت عموی کا علم حقائق اور ان علوم کے دقائق کے کشف میں ایک رسالہ ہے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ حضرات صوفیہ نے اپنی اصطلاحات و استعارات میں ممتنع الوجود کو وجود میں شریک باری قرار دیا ہے اس اعتبار سے کہ نیستیٔ محض ہستیٔ حق کے مقابل میں واقع ہے یعنی یہ ممکن اور واجب کے درمیان ہے اور یہ استیلاء مرتبۂ وحدت ہے۔ حضور روح یعنی مقام عروج فی حد ذاتہ اور واجب میں وجود غیر کا منع کنندہ ہے کیونکہ پایۂ توحید وہیں سے شروع اور قائم ہوتا ہے اور اسقاط الاضافات کی یہیں سے ابتداء ہوتی ہے اور یہ محل تاریک اور رمز باریک ہے۔ پس جب ممکن تعین وار ہو اور اپنے اسم و رسم سے گذر جائے تو تخلقو باخلاق اللہ کے اعتبار سے

اوصاف باری سے موصوف ہو جاتا ہے اور اسے معہد الممتنع الوجود سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر حضرت عموی فرماتے ہیں ممکن ہوا کی مانند ہے اور ممتنع سراب کی طرح اور واجب نور آفتاب کے مماثل ہے۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ صوفیہ نے ممکن کی بھی دو قسمیں بتائی ہیں ایک لازم الوجود جو اصطلاحاً واجب الوجود سے معروف ہے۔ دوسرے ممکن الوجود اور واجب الوجود میں بھی دو مرتبہ مقرر کئے گئے ہیں ایک عارف الوجود اور دوسرے واحد الوجود۔ یہ دونوں وجود بمعنی نور علی نور مشہور و مشہود ہیں۔ اس تقسیم کے لحاظ سے قسمت لازم نہیں آتی صرف تقدم و تاخر رہتی ہے جیسے پانی اور اسکی صفائی۔ آئینہ اور اسکی جلا۔ شمشیر اور اس کا جوہر۔ الغرض ایسی صورت میں اصطلاح کے اعتبار سے پانچ وجود مقرر پاتے ہیں۔ موافق حضرات الخمس۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں بعض صوفیہ کے کلام سے یہ چہرۂ اصول سامنے آتا ہے کہ وجود ششم شاہد الوجود ہے جو منازل ستہ کے وقف پر مبنی ہے اور کما فی ستہ ایام اسکا شاہد ہے۔

الغرض حضرت عمی کا رسالہ فتادہ صوفیہ ہے ہر وہ شخص جو اس کا مطالعہ کرے گا اس کو پتہ چلے گا کہ آپ نے کسقدر اسرار الٰہی عدم سے وجود میں لائے۔

صاحب انوار الاخیار کہتے ہیں کہ جب حضرت شاہ صاحب عالم غیب شہادت سے مرتبہ شہود وحدت کی جانب متوجہ ہوئے تو اپنے فرزند سید مدنیہ صاحب کو جو اس وقت اٹھارہ سال کے تھے نعمت خاندانی جو سینہ بسینہ ان تک پہونچی تھیں عنایت فرمادیں۔

راوی مذکور کا یہ بھی بیان ہے کہ سید مدنیہ صاحب بزرگی سے موصوف ہیں عین شباب و حسن کے باوجود آپ صاحب ریاضت و تقوی و باصلاحیت ہیں۔ ہر ملاقاتی سے باخلق تمام ملاقات فرماتے ہیں گفتگو میں آپ کی زبان زینت پذیر تقریر ہے۔ حق تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔

مؤلف عاصی عرض پرداز ہے کہ حضرت عموی صاحب کی قوت بیانی، استعداد اور قدرت کلام حد تحریر سے باہر ہے۔ جب اس کی شرح کی جاتی ہے تو ایسا لگتا ہے کہ بحر مواج بجوش و خروش رواں دواں ہے آپ کی نظم نثر پر اور نثر نظم پر فوقیت رکھتی ہے۔ چنانچہ حسب ذیل غزل حضرت کی موزوں کردہ ہے۔

غزل

ز برق تیغ ابرویلیست مارا طاقت و تابے   ز چشم مردمم جاری ست ظالم جوئی خونابے

اگرچہ از سراپا غرق بحر ہجر شب خواہم ولے دل میدہد صد جلوہ ہائے لعل شب تابے
شب تار فراق یار برق طور میساز د کہ گلریز نظر ہر قطرہ ریزد قرص مہتابے
ز خون چشم گلگوں از کف یار الکفک بستم بفرمائی تو تعمیرم چہ دیدم طرفہ خوابے
ز آب تیغ ابرو مرغ بسمل حلق تر دارد مزن اے قاتل ناحق پیرآبم جرعہ آبے
نماز بیخودی را طاق ابرو جانمازم شد کفایت میکنم مارا تجلی بخش محرابے

دیگر

چہ قمری در گلو پیچیدہ ام زلف سیاہ مارے بروز طالع خوش یافتم اے رشتۂ زنارے

دیگر

تا کشودم در تمنائے تو فال سوختن چوں شرر پرواز ہا دارم ببیاں سوختم

الغرض آپ شعر لطیف ارشاد فرماتے ہیں۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ آپ کے ظلِ عالی کو طالبان ہدایت کے سروں پہ تا دیر قائم رکھے ۔

ذکر شریف

عاشق دلبریش، مجذوب حق کیش، حضرت عمومی شاہ غلام درویش درویش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ کا لقب شریف دستگیر صاحب تھا اور آپ حضرت پیر و مرشد کونین سید شاہ موسیٰ قادری کے برادر خورد تھے آپ مجذوب مادر زاد تھے کچھ دن آپ پہ جذب طاری رہتا اور کبھی آپ حالت سلوک میں رہتے۔ اپنے پدر بزرگوار کے مرید تھے۔ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد جب آپ کی عمر نو سال کی تھی آپ اپنے برادر بزرگ یعنی حضرت من سیدی موسیٰ قادری کی

خدمت میں رہنے لگے۔ حالت تجرید اس درجہ تھی کہ غیر کی صحبت خصوصاً عورتوں سے آپکی مزاج میں کمال تنفر تھا۔ لہذا آپ کبھی خانقاہ میں جلوہ افروز رہتے اور کبھی روضہ منورہ کی ایوان مسجد میں تشریف فرما رہتے۔ دعوت اسماء جلالی آپ کا ورد تھا۔ صاحب ریاضت و مجاہدہ تھے ہر وقت روضہ کے کنوئیں کے سرد پانی سے غسل فرماتے تھے اور طہارت کاملہ کے بعد ہی تناول فرماتے۔ ایک مدت مدید یعنی سالہاسال آپ کا یہی معمول رہا۔

مؤلف عاصی عرض کرتا ہے کہ اس خاکروب آستان سے آپ بہت شفقت سے پیش آتے تھے اکثر اوقات میں ایام طفلی میں آپ کی خدمت میں گستاخانہ حاضر ہوتا اور اگر قضاء عمری سے ترک ادب کرتا تو آپ کبھی مجھ پر غصہ نہ فرماتے۔ میں نے بارہا ملاحظہ کیا ہے کہ حضرت کنوئیں کے پانی سے غسل کرکے اس حالت میں کہ آپ کے موہائے مبارک سے پانی کے قطرہ جاری رہتے آپ ایک پیالہ چھاچھ نوش فرماتے لیکن عشق الٰہی کی حدت اس درجہ غالب تھی کہ کبھی برودت ظاہر نہ ہوئی۔

راوی کا بیان ہے کہ علم سپاہ گری میں آپ فرد ممتاز تھے اس فن کے اکثر اساتذہ آپکی خدمت میں تعلیم کی غرض سے حاضر ہوتے سارا دن آپکے گرداگرد شرفاء اور نجباء کا اژدحام رہتا آپ ایک بڑی دستار عساکر کی طرح لپیٹ کر سر پر باندھ لیتے یا پھر سر برہنہ رہتے۔ پاجامہ یا لنگی کے علاوہ کچھ اور زیب تن نہ رہتا۔ اکثر ملبوسات جو لوگ بطور نذر پیش کرتے تو آپ ایک دو دفعہ اسے زیب بدن فرماتے اور پھر کسی محتاج کو مرحمت فرما دیتے۔ بجز گندہ لباس کے کوئی بہتر لباس آپ کو پسند نہ تھا۔ عجیب و غریب اعمال مثلاً تکسوح عنیث وغیرہ حضرت کا دستور العمل تھا۔ چنانچہ صفاکیش جعفر شاہ درویش کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت موصوف کی خدمت میں یہ فقیر حاضر تھا کہ آپ کو کچھ ضروری مصرف کے لیے کچھ نقد کی ضرورت پڑی جو بیشتر جگہ کوشش کے باوجود آپ کو میسر نہ ہوئی۔ مجبوراً آپ نے ایک کاغذ لیا اور اسے قینچی سے قرص کے طور پر کاٹ دیا اور اس پر کچھ پڑھ کر دم فرمایا۔ اسی وقت وہ آپ کے دست مبارک میں زر سرخ ہوگیا اور آپ نے اس کو خرچ کر دیا آپ کا روزانہ کا خرچ بہت زیادہ تھا اکثر آپ حاضرین میں اشرفی تقسیم فرماتے۔ آپکی آنکھیں اس قدر سرخ تھیں کہ جلال کی حالت میں کسی کو آپ سے آنکھ ملانے کی جرات نہ ہوتی۔

راوی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ تین شبانہ روز اپنی والدہ شریفہ کی مزار کے پاس بیٹھے رہے اور کچھ تناول نہ فرمایا۔ ہر چند خدمت گذاروں نے معروضہ کیا لیکن انکی پذیرائی نہ ہوئی اور آپ بدستور ایک ہی حلیہ میں زانو پہ سر رکھے تشریف فرما رہے اس غلام کے حضرت پیر و مرشد یعنی حضرت سید شاہ موسیٰ قادری عمی تین دن تک اپنے دولت خانہ سے برآمد نہ ہوئے۔

چوتھے روز حضرت مرشدی روزہ منورہ کی زیارت کے لئے برآمد ہوئے اور طواف و فاتحہ سے فارغ ہونے کے بعد اپنے برادر کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اندرون محل لے گئے۔ اس وقت یہ غلام طفل نو سالہ تھا۔ مجھے خوب یاد ہے اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ حضرت عموی تین روز سے کمال جذب میں تھے اور جو کچھ آپ کی زبان پہ آئے ارشاد فرمارہے تھے جب حضرت من نے آپ کا ہاتھ پکڑا تو آپ نے کچھ نہ کہا اور حالت جذب سے افاقہ ہوا اور آپ نے برادر بزرگوار کے ہمراہ گھر گئے۔ حضرت من سیدی سید موسیٰ قادری نے طعام طلب کیا جب ما حضر حاضر کیا گیا تو دونوں حضرتین نے باہم تناول فرمایا اس کے بعد حضرت عمی آداب بجالائے اور گھر سے نکل گئے اور دو مہینے تک حالت سلوک میں رہے۔

مولف عاصی تحریر کرتا ہے کہ جب حضرت کا وقت رحلت قریب پہونچا تو وفات سے تین روز قبل میں اپنے پیر و مرشد کے ہمراہ حصول قدمبوسی کی جہت سے حضرت عمی کی خدمت میں حاضر ہوا جب دولت ملاقات حاصل ہوئی تو آپ نے اپنی دستار مجھے عنایت فرمائی اور لفظ "مجاور" سے مجھ سے مخاطب ہوئے اس واقعہ کے ۳۴ سال کے بعد یہ معمہ منکشف ہوا کہ خاکروب آستان کی خدمت مجھے نصیب ہوئی الحمد للہ علی نعمائہ

اس عاصی کا بیان ہے کہ جب آپ پہ جذب طاری رہتا تو آپ حرارت و شدت میں رہتے اور کسی کو آپ کے روبرو حاضر ہونے کی جرأت نہ ہوتی سوائے ہم دو بھائیوں کے ایک یہ عاصی ہیچمدان السید علی عرف پیراں دوسرے صاحبزادے ثانی السید محمد عمر قادری پاشاہ صاحب کیونکہ دونوں ہمیشہ حضرت کے عزیز ترین تھے۔ آپ نے کبھی ہم دونوں پہ ناراضی کا اظہار نہ کیا۔

حالت جذب میں آپ جو کچھ ارشاد فرماتے اس کا اسی ہفتہ ظہور ہوتا جسکے باعث لوگ آپ پہ جذب طاری ہونے پہ ڈر سے آپ کے سامنے حاضر نہ ہوتے تھے۔ بدو شعور سے آپ

آخری وقت تک مجرد رہے۔ آپ کی وفات بتاریخ ۱۱ر جمادی الاول سنہ ۱۱۸۷ھ واقع ہوئی اور قبر شریف آپ کے پدر بزرگوار کی مزار کے پائین روضہ کی سیڑھیوں سے متصل زیارت گاہ خلائق ہے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

حضرت صاحب عرف سید عبدالقادر، قدوۂ وقت، شیخ باشوکت، سید عالی مرتبت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت موصوف حضرت السید محی الدین احمد عرف محی الدین بادشاہ صاحب بن سید عبدالقادر ثانی عرف حضرت قبلہ کے فرزند خلف خلیفہ اور جانشین تھے۔ حضرت سید محی الدین بادشاہ صاحب اور حضرت عبدالقادر ثانی کے اذکار اس سے قبل تحریر پاچکے ہیں۔ حضرت صاحب حضرت نے بیس سال کی عمر میں اپنے پدر بزرگوار سے خرقہ خلافت اور اجازت مریدی حاصل کی اور اپنے بزرگوں کے طریق کو قائم و دائم رکھا۔ بہت سارے لوگ آپ کے مرید تھے۔ آپ کا اخلاق و مروت، علم کلام اور لطیفہ گوئی میں خاص و عام میں کوئی نظیر نہ تھی تمام امراء اور رئیس وقت نظام الدولہ کو حضرت سے کمال موافقت و موانست تھی اور بارہا ان لوگوں کی آپ کے پاس آمد و رفت رہتی حضرت اہل دنیا سے مشیخت کے ایسے رعب داب سے ملاقات فرماتے کہ آپ کی مجلس میں آپ کی بزرگی کا دبدبہ علانیہ محسوس ہوتا تھا۔ ہر ملاقاتی سے اس کے مرتبے کے موافق تواضع و تکریم سے پیش آتے آپ بلند ہمت تھے مصارف اتنے زیادہ تھے کہ مخارج سے مداخل کا اندازہ ہوتا ہے۔ وجہ معاش میں آپ غیر کے محتاج نہ تھے۔ املاک کے علاوہ مواضع، مقاطع اور فتوح از ادنیٰ تا اعلیٰ آپ کے معاش کا ذریعہ تھے خلق کی حاجت روائی میں آپ ساعی بالخیر تھے اور تمام اشخاص کی اعلیٰ احکام سے سفارش فرماتے تھے۔ ایک عالم قضائے حوائج کے لئے آپ سے رجوع کرتا اور یہ آپ کا تصرف تھا کہ مدعی

سے مدعی علیہ کو رضامند کر دیتے اور دونوں فریقین حضرت کے مشکور ہوتے اپنے امور اور معاملات میں کوئی آپ سے شاکی نہ تھا۔ سیاق کلام اور گفتار کے نہج اہل دکن کی مانند تھی آپ کے مزاج میں سماع سے بے انتہا رغبت تھی اور ہر ہفتہ یا ہر مہینہ آپ تکلف تمام مجلس سماع منعقد فرماتے تھے۔ اس مجلس میں اکثر عہدہ دار موجود رہتے۔ رئیس الملک نظام الدولہ بھی بارہا اس مجلس میں شریک ہو چکے تھے۔ الغرض سید عالی مشائخین بلدہ میں معظم اور مکرم تھے۔

سید انوار اللہ اپنی تالیف میں کہتے ہیں کہ حضرت خود بزرگ ہیں بزرگوار ہیں اور بزرگ زادہ ہیں مصداق کریمی بہ کریمی آپ بہت خوبیوں سے موصوف ہیں یعنی آپ خوش خلق بھی ہیں، خوش گفتار بھی۔ اس قدر عالی ہمت ہیں کہ اپنے حسب المقدور کسی سے دریغ نہیں فرماتے۔ اور آپ صفات حمیدہ سے موصوف ہیں۔ اہل دکن کی وضع پر دستار بہت کوتاہ اور خوش وضع باندھتے اور گلے میں چاندی کی ایک زنجیر پہنتے ہیں جو آپ کو بہت زیب دیتی ہے۔ اب آپکی ذات بابرکات شہر حیدرآباد میں مغتنمات سے ہے (انوار الاخیار کی تحریر کے وقت آپ بقید حیات تھے)

راوی مذکور کا یہ بھی بیان ہے کہ اگر کوئی شخص آپ کی خدمت میں ملتجی و ملتمس ہوتا تو آپ خود ان کے معاملے میں درمیان ہو جاتے اور ساہوکاروں سے اس کی خواہش کردہ اس کو دلا دیتے۔

مؤلف عاصی کہتا ہے کہ حضرت موصوف کو ایام طفولیت سے ہی حضرت پیر و مرشد من یعنی حضرت سید شاہ موسیٰ قادری سے حد درجہ موافقت، محبت اور خلوص دلی تھا جو خارج از بیان ہے۔ آپ حضرت من سے چار سال چھوٹے تھے۔ ہر مجلس میں یہ دونوں بزرگ ایک ساتھ ایک ہی مقام پر تشریف فرما ہوتے۔ ہر جگہ دونوں ساتھ جاتے۔ ہمارے حضرت کو بھی آپ سے ایسی برادرانہ نسبت تھی جو بیان نہیں کی جاسکتی آپ کی حقیقی بہن ہمارے حضرت سید شاہ موسیٰ قادری سے منسوب تھیں لیکن سیدہ مذکورہ ناکتخدہ فوت ہو گئیں۔ اور ہمارے حضرت کی چچا زاد بہن حضرت موصوف سے کتخدائی رکھتی تھیں۔ الغرض آپ بزرگ زمانہ اور مرد یگانہ تھے۔ وقت رحلت ایسے شاداں فرحاں و خنداں تھے کہ کسی کو موت کا گمان تک نہ ہوتا تھا۔ ایک بزرگ نقل کرتے ہیں کہ جب وقت نزع قریب پہونچا تو لوگ آپ سے

مصروف گفتگو تھے یکایک آپ نے فرمایا کہ یہ ہماری روح کے قضا ہونے کا وقت ہے اس وقت مجھے بہت حلاوت محسوس ہو رہی ہے اور جاں کنی کی دشواری کا کچھ اندازہ بھی نہیں یہ عجب شیریں وقت ہے الغرض آپ اسی کلمہ و کلام میں تھے کہ کلمہ طیبہ کے اقرار کے ساتھ بتاریخ ۴ ربیع الاول سنہ ۱۱۹۰ھ آپ اس دار فانی سے عالم جاودانی کی جانب روانہ ہوگئے آپ کی قبر شریف آپ کے اجداد کے روضہ میں تالاب لنگر حوض پر واقع ہے جو قلعہ دار الجہاد سے متصل ہے حضرت موصوف کے ایک عزیز پسر بھی تھے جن کا نام سید محی الدین بادشاہ سلمہ اللہ ہے اور جو اپنے اجداد کی مسند خلافت پر متمکن ہیں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ذکر شریف

مظہر اخلاقِ عظیم، مصدر اشفاقِ عمیم، افضل المتاخرین حضرت سید شاہ عبد الرحیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ان ذو المواہب بزرگ کا عرف مبارک شاہ میراں صاحب تھا۔ حضرت موصوف سید نور اللہ قادری بن سید عبد الوہاب طوبیٰ لہ وحسن مآب کے فرزند خلف تھے۔ سیدین مذکورین کے اذکار اس سے قبل نقل کئے جا چکے ہیں۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت مذکور حافظ قرآن، عالم مستعد اور صاحب تجوید تھے۔ اور کلام الٰہی نہایت خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ چنانچہ مؤلف عاصی بیان کرتا ہے کہ آپ نے اپنے پدر بزرگوار کی رحلت کے روز دفن کے بعد سورہ بقرہ کی آخری آیات پر درد آواز میں تلاوت فرمائیں جن سے سارے حاضرین مجلس پر رقت طاری ہوگئی یہ عاصی بھی اس وقت موجود تھا اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ آپکے انداز تلاوت سے ایک عالم گریہ و زاری کرنے لگا۔

آپ اکثر طلباء کے لئے فقہ اور حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ کنز الدقائق مع حواشی کے آپ کو ازبر تھی۔ ربیع الاول کے ایام بارھویں میں آپ مشکوٰۃ المصابیح صحیح البخاری وغیرہ کا

بے ترجمہ ذکر فرماتے۔ علم فرائض پر آپ کو قدرت کاملہ حاصل تھی۔ ان علوم کے علاوہ فن شعر گوئی میں مذاق عالی کے حامل تھے حالانکہ آپ نہایت کم گو تھے۔ چنانچہ درج ذیل اشعار آپ کے موزوں کردہ ہیں۔ مطلع دیوان یہ ہے ؎

چونکہ می سازم رقم بر ورق دل آں مصحف او را
نویسم جائی بسم اللہ نقش قد آبرو را

دیگر:-

قد احمد مصرعہ برجستہ دیوان حق　　قامت وی را بہ بیت اللہ تفضیلش نمود

دیگر:-

بیں سرِ ہستی را از حقارت　　زمیں بر داشت انگشت شہادت

آپ فن تاریخ میں بھی بے مثل و بے نظیر تھے۔ چنانچہ حضرت سید الشہدا علیہ السلام کی یہ تاریخ الہامی کہی جاسکتی ہے۔

چوں بہ حلقوم شبیر خنجر آمد　　بہ تعزیت ز اللہ آہ بر آمد

مندرجہ بالا کو نظر الطاف اور غور سے دیکھنا چاہیئے۔ راوی کا بیان ہے کہ آپ نے یہ تاریخ شعراء کے مجمع میں ارشاد فرمائی تھی جبکہ غلام علی آزاد ملک الشعراء امیر عبدالولی عزلت اور نقد علی خاں الحاز وغیرہ حاضر تھے۔ آزاد مذکور بے اختیار اٹھ گئے اور آپکے دست مبارک کو بوسہ دیا اور کہا کہ اب آپ کے آگے تاریخ گویوں کی کوئی آبرو و حقیقت نہیں واللہ ایسی تاریخ کسی نے نہیں کہی۔ عبدالولی موصوف نے اگرچہ تحسین کی لیکن کہا کہ یہ واردات و مذہبیات سے ہے۔ اسی وقت آپ کی تاریخ گوئی میں کچھ کہا جاسکتا ہے جب آپ حضرات خمسہ کی تواریخ بھی اسم ذات میں کہیں۔ اسی وقت آپ کا اقرار کیا جاسکتا ہے۔ حضرت موصوف نے اسی جلسہ میں چار دیگر تواریخ بھی کہہ دئے جس پر میر عبدالولی مسطور نے وجد کیا۔ تاریخ دوم حضرت خواجہ عالم علیہ السلام کی شان و عظمت میں لفظ "ہو" میں کہی جس کے گیارہ عدد ہوتے ہیں۔ تاریخ سیوم امیر المومنین کرم اللہ وجہہ کی شان میں ارشاد ہوئی جو حسب ذیل ہے ؎

از الم مشکل کشا جانم شق است　∴　اسم ذات از میم ماتم ملحق است

حضرت سیدہ علیہا الصلاۃ والتحیۃ کی جناب میں یہ تذکرہ کیا ؎

شفیع العالمیں عصمت پناہی ؎ سراپا معنیٔ اسم الٰہی

امام الہمام حضرت امام حسن علیہ السلام کی شان میں مصرعہ رقم کیا ؎

نقطہ نونِ حسن جا کردہ در عینِ اللہ

یعنی خوش نویسی کا دستور ہے کہ جب لفظ اللہ کو اچھے خط میں لکھا جاتا ہے تو "ہا" کے حلقہ میں نقطہ ڈالا جاتا ہے۔ چنانچہ "ہا" ہوز اس نقطہ سے پچاس عدد دیتا ہے اور ابجد اوسط کے حساب سے اس "ہا" سے پچاس عدد محسوب ہوتے ہیں جس سے سنہ ۵۰ھ مقصود ہے جو شہادت امام کا سن ہے۔ الغرض حضرت کو فکر تاریخ میں قدرت کاملہ تھی۔

علیٰ ذالک آپ نے کئی بڑھیا تواریخ تحریر فرمائی ہیں جن میں منجملہ ہر ایک کو دوسرے پر سبقت حاصل ہے۔ جیسا کہ مسجد نو کی تاریخ آپ نے "ھذا بیت اللہ" کہی تھی۔ آپ نے کہا تھا "عرفت ربی بربی" حضرت شاہ درویش محی الدین قادری کی تاریخ آپ نے "قطب الاعظم" تحریر فرمائی تھی۔ شاہ محمد صاحب قبلہ کی سال رحلت آپ نے "رضی اللہ عنہ" کہی تھی۔ حضرت شاہ صاحب پیران صاحب قدس اللہ سرہٗ کے انتقال پر آپ نے فرمایا تھا ؎

منزل السید روشن ضمیر ؎ صبح قمرٌ مومن قوا دیر

حضرت محی الدین بادشاہ صاحب کی تاریخ آپ نے "علی العرش استوی" تحریر فرمائی تھی۔ الحاصل فن تاریخ میں آپ کو تصرف کامل تھا۔ اس موضوع پر قلم زنی کی جا سکتی ہے۔

مؤلف عاصی کہتا ہے کہ اپنے ایام رحلت سے چند سال پیشتر آپ حرمین الشریفین کے طواف کا ارادہ کیا اور حج بیت اللہ اور زیارت مزار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شرف حاصل کر کے ایک سال بعد مراجعت فرمائی ہے۔ اس عاصی پر کمال شفقت رکھتے تھے جو خارج از تحریر ہے ان شفقتوں کے منجملہ ایک یہ ہے کہ جب حضرت موصوف مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئے تو اس بندۂ درگاہ قادری نے آپ کی خدمت گرامی میں ایک عریضہ روانہ کیا تھا جو آپ کو جدہ میں پہونچا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے خط سمیت سرورِ مولد مدینہ منورہ کی زیارت کے وقت جب میں پردۂ حجرۂ مبارکہ کے قریب پہونچا تو تمہارا خط میرے پاس موجود تھا

میں نے اس کو پردے کے اندر کر دیا تاکہ تم نے جو کچھ اس میں لکھا ہے وہ سب معروضات حضور کے سامنے رہیں۔ الحاصل مجھ پر آپ کے وافر کثیر اشفاق بے حد و بے شمار تھے۔ آپ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شریعت کے بہت پابند تھے کبھی آپ نے رمضان کے روزے قضا نہیں کئے پانچ وقت کی نمازیں اور عیدین کی نمازیں جماعت سے پڑھا کرتے تھے اکثر اوقات خود امامت فرماتے تھے۔ خطبہ نہایت فصیح و بلیغ ہوتا تھا ایام رحلت سے چند روز قبل آپ نے علالت کے باعث نماز پنجگانہ بستر پر ادا فرمائے لیکن جمعہ کی نماز جماعت سے پڑھتے تھے۔ جب ایام صیام قریب آئے تو بوجہ ناتوانی بعض افراد نے عرض کیا کہ صحت یابی کے بعد قضا ممکن ہے تو فرمایا کہ جانتا ہوں کہ قرآن میں فَعِدَّۃٌ مِّن اَیَّامٍ اُخَر آیا ہے لیکن دوسرے ایام میں اس فقیر سے اعادہ کی ہمت نہ ہوگی کہ یہ روزے رکھے۔ لہذا باوجود ناتوانی کے آپ نے ماہ رمضان کے پورے روزے رکھے اور فرمایا کہ مجھے یہی اولیٰ نظر آتا ہے لیکن مسلسل روزوں کی وجہ سے ضعف بڑھتا گیا یہاں تک کہ حرکت دشوار ہوگئی۔ رمضان کا آخری روزہ تھا آپ نے فرمایا مجھ میں چلنے کی قوت نہیں ہے لیکن چاہتا ہوں کہ نماز جمعہ ادا کروں اگر کسی طرح تم لوگ مسجد پہونچا دیں تو بڑا احسان ہوگا۔ الغرض چارپائی پر آپ کو جامع مسجد لیجایا گیا اور آپ نے چارپائی پر بیٹھ کر نماز جمعہ ادا فرمائی۔

عاصی عرض پرداز ہے کہ اگرچہ حضرت دائم المرض تھے اور صرف ایک وقت تناول طعام کرتے تھے اور جسم بوجہ انتہائی ضعف اور علالت کے باعث پوست استخوان ہو گئے تھے اس علالت کے دوران اس فقیر کو اکثر مرتبہ یاد فرمایا کرتے تھے اور یہ فقیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ حاضر خدمت ہونے کے ارادہ سے نکلا تو مولوی محمود بھی ساتھ ہوگئے جب ہم حاضر ہوئے تو مولوی محمود صاحب سے مخاطب ہو کر حضرت نے فرمایا کہ مولوی صاحب حدیث شریف میں آیا ہے کہ صحابہ کرام نے حضور کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم میں اگر کوئی بیمار ہو جائے تو کس طرح نماز پڑھے۔ خواجہ عالم متوجہ احکام الٰہی ہو کر بیان فرمایا کہ اللھم علمنی کیف یعود المریض۔ حضرت جبرئیل اسی وقت تشریف لائے اور یہ احکام الٰہی لائے کہ۔ حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رحم اللہ علی من زاد و خفّف۔ مولوی محترم کو گمان ہوا کہ حضرت کا ان کے رخصت ہونے کی جانب اشارہ ہے اور

اور اٹھ کھڑے ہوئے اور اسکے بعد حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ فقیر کی مضمون حدیث سے یہ مراد نہ تھی بلکہ تخفیف کے کئی معانی ہیں اگر حکیم بیمار کی عیادت کرے تو وہ مرض رفع ہونے کی تدابیر بتائے اور کلمات شفا دوران گفتگو میں ادا کرے اگر مریض غنی ہو تو مشورہ دے کہ وہ غرباء کی امداد کرے اگر کوئی مقروض ہو تو اور اگر معلوم ہو کہ وہ قرض ادا کرنے کے قابل نہیں ہے تو اسکی جانب سے قرض ادا کر کے اسکو مواخذہ آخرت سے سبکدوش کرے اگر کسی سے لغزش یا غلطی ہو جائے تو اسکو معاف کر دے کہ عفو سے جرایم میں تخفیف ہوتی ہے۔ اگر کوئی مریض ہو تو اسکے لئے دعائے خیر کرے۔ اگر عالم ربانی ہو تو اسکو توحید ربانی سے آگاہ کرے۔ اگر کوئی عارف کامل ہو تو شہود حق سے اسے مسرور کرے۔ میں "خفف" سے یہ مراد لیتا ہوں۔ مولوی صاحب حضرت کے اس کلام پر وجد کرنے لگے۔ اس کے بعد حضرت اس فقیر کی جانب متوجہ ہو کر تجہیز و تکفین کے متعلق وصیت فرمانے لگے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ ان کے وصایا کے مطابق عمل لازم ہے۔ حضرت نے وصیت فرمائی کہ میری قبر ایک قد آدم گہری رہے اور اس کا طول و عرض بھی کشادہ رہے۔ یہ بھی فرمایا کہ میں بیت اللہ سے جو کپڑا لایا ہوں اسکو تر کر کے میرے جسم کو دھلایا جائے اور نماز جنازہ فلاں مصلے پر جو میں نے مدینہ منورہ سے لایا ہے اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے اور غلہ اور نقد رقم فقراء میں تقسیم کی جائے اور میری ہر فاتحہ پر دورہ کلام اللہ پڑھے جائیں اس کے بعد میری اولاد کا اختیار ہے کہ جو چاہیں کریں۔ لیکن میں نے اب جو وصیت کی ہے اس پر عمل ضروری ہے۔ اس فقیر نے عرض کیا انشاء اللہ تعالیٰ اگر حیات مستعار باقی رہے تو حسب ارشاد اس وصیت کی بجا آوری ہوگی۔ دوسرے روز حضرت نے دوسرے فرزند خلف غلام احمد کو سورہ یٰسین کی تلاوت کا حکم دیا سب رونے لگے تو حضرت نے کہا فقیر سورہ شریف پڑھتا ہے تم لوگ سنو۔ چنانچہ آپ نے سورہ یٰسین کی تلاوت فرمائی جب آیت ان نحن نحی الموتیٰ پر پہونچے تو فرمایا کہ خدائے تعالیٰ قادر ہے کہ مردہ کو زندہ کر دے میں تو زندہ ہوں تم لوگ کیوں رو رہے ہو۔ حق سبحانہ تعالیٰ شافی مطلق شفا دے گا میری یہ آواز قرأت کے ساتھ یاد رکھو پھر تم کو یہ سنائی نہ دے گی۔ الغرض آپ نے سورۃ مذکور ختم کیا اور پھر کلمہ شہادت کی ادائی کے بعد بطرف حق رجوع ہو گئے۔ تمام رات لوگ ذکر الٰہی میں مشغول رہے بوقت طلوع آفتاب آپ نے رحلت فرمائی۔ آپکی تاریخ وفات ذیقعدہ سنہ ۱۲۲۰ھ

بروز یکشنبہ واقع ہوئی آپکی چار صاحبزادیاں اور تین فرزند اس عاصی کا چچی سے آپ کے پسماندہ رہے آپکا مزار مبارک آپکے جد بزرگوار کی بائیں جانب اپنی والدہ کی مزار کے متصل واقع ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

افضل المتاخرین، اکمل الواصلین، مرشد وقت حضرت مولوی فخر الدین عرف شاہ فخر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آپ فرزند خلف شاہ نظام الدین اورنگ آبادی ہیں جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ جب آپ نے عزم رحلت کیا تو ایک روز قبل وفات مولوی فخر الدین کو یاد فرمایا اور اپنے تمام پیروں کی نعمتیں ان کے حوالے کر کے قاضی کریم الدین کو طلب فرمایا جو آپکے بڑے داماد تھے۔ جب قاضی صاحب حاضر ہوئے تو فرمایا کریم الدین خان جو کچھ خاندانی فیض اور نعمت مجھ تک پہونچی تھی میں نے ان سب کو فخر الدین کے حوالے کر دیا ہے۔ اب میرا وجود بجز پوست استخوان کے خالی ہے میں نے ان کو اپنا قائم مقام بنا دیا ہے۔ میری وفات کے بعد ان کو میرا مقام حاصل رہے گا۔ قاضی صاحب مذکور کا بیان ہے کہ حضرت سے یہ کلمات سننے کے بعد میں حجرہ میں داخل ہوا تو محمد فخر الدین کو دیکھا کہ وہ مغلوب الحال افتاں خیزاں ہیں دوسرے روز حضرت شاہ نظام الدین نے رحلت فرمائی تمام مریدوں اور خلفاء نے اتفاق کیا کہ حضرت کے بڑے صاحبزادے محمد معین الدین کو قائم مقام قرار دیں۔ قاضی صاحب نے جو کچھ سنا تھا من وعن سب کو سنا دیا۔ یہ کلام سننے کے بعد بھی سب نے کہا کہ تمہاری رائے سے ہم متفق نہیں ہیں۔ فرزند کلاں کی موجودگی میں فرزند خرد کو قائم مقام نہیں کیا جا سکتا۔ کامگار خان نے جو محمد معین الدین کے خسر تھے بہت تکرار کے بعد کہا کہ ٹھیک ہے اگر محمد فخر الدین حضرت کی مسند پر قائم رہیں تو مضائقہ نہیں لیکن یہ خورد سال ہیں ان کے بڑے ہونے تک خانقاہ کی کار پردازی میں کیا کروں گا۔ شاہ عاشق اور شاہ نظام الدین کے اکمل مریدوں سے جو اس وقت حاضر تھے انہوں نے

کہا کہ الحمد للہ کہ ایک ہزار چند سال کے بعد مجلس میں پھر معاویہ پیدا ہوئے۔ جو نیابت اور خلافت کے مدعی ہیں۔ تمام حضارِ مجلس نے تبسم آمیز سکوت کیا۔ حاصل کلام طول طویل گفتگو کے بعد سب نے اتفاق کیا کہ حضرت مولوی کو ان کے پدر بزرگوار کی جگہ تصور کیا جائے۔ جب یہ بات شاہ فخر صاحب کو پہونچائی گئی تو فرمایا کہ دوستو اب انکار کی گنجائش نہیں۔ میرے برادر بزرگوار کے صاحبزادے میرے مرشد کی جگہ اس منصب کے شایاں ہیں ایسی صورت میں کبیدہ خاطری کی ضرورت نہیں۔ مناسب ہے کہ یہ اپنے والد شریف کی جگہ رہیں اور یہ غلام خدمت غلامی کمربستہ ہو کر انجام دے گا۔ یہ سننے کے بعد تمام مریدین حضرت کو محمد نظام الدین کی جگہ سمجھنے لگے اور محمد فخر الدین اس واقعہ کے بعد تحصیل علوم میں مشغول ہو گئے۔

راوی کا بیان ہے کہ تمام دن درس علوم میں اور تمام رات یاد الٰہی میں گذارتے۔ اس ظاہری طور طریق سے بھی ان اصحاب کو خیال ہونے لگا کہ محمد فخر الدین صاحبزادہ ہیں جنکی والد کو خود خبر نہ تھی۔ ان لوگوں کی حضرت فخر الدین سے نسبت بڑھنے لگی۔ ایک روز صاحبزادہ کی خدمت میں عرض پرداز ہوئے کہ یہ غلام آپ کے پدر بزرگوار کا ہے اسکے پاس جو کچھ ہے وہ سب حاضر ہے۔ انہوں نے بصد عجز و نیاز عرض کیا کہ کچھ دن تک آپ کی خدمت میں حاضر رہوں گا اور اس کے بعد آپ جو کچھ رکھتے ہیں حاصل کر لوں گا۔ چند روز آپ اسی طرح آپکی خدمت میں حاضر رہے۔ ایک دن شاہ شریف نے کہہ رکھا کہ آپ کے پدر بزرگوار کا سالانہ عرس کرونگا۔ آپ اس مجلس میں تشریف فرمائیں اور آپ کے والد شریف کی امانت حاصل فرمالیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا میں حاضر رہوں گا۔ چنانچہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے مجلس سماع میں شرکت کی۔ شاہ شریف صاحب حال و کمال تھے جب مجلس سماع گرم ہوتی تو آپ جس پر نگاہ توجہ فرماتے وہ بمجرد چار چشمی کے بے خود ہو جاتا اور جب غلبہ حال میں کسی کا ہاتھ پکڑتے تو وہ بھی بے خود ہو جاتا۔ لیکن اس روز ہر چند کہ آپ نے توجہ کی کوئی مغلوب الحال نہ ہوا اور نہ کسی کا باطن گرم ہوا۔ صاحبزادہ جو آپ کی پشت کے پیچھے باادب سر جھکائے ہوئے تھے اور دست بستہ کمال ادب سے بیٹھے ہوئے تھے شاہ شریف نے دیکھا مجلس میں اور کوئی صاحب قدرت باوجود تفحص نظر نہ آیا۔ بالآخر آپ سمجھ گئے کہ بجز صاحبزادے کے اور کوئی نہیں ہے آپ اٹھے اور صاحبزادے کے قدم بوس ہوئے اور عرض کیا غلام کو قطعاً معلوم نہ تھا کہ

آپ حضرت کے دسویں صاحبزادے ہیں آج اللہ تعالیٰ نے آپکی حقیقت ظاہر کر دی اور ہمارا مرشد کر دیا۔ اس روز سے آپ پر عیاں ہوا کہ حضرت مولوی مانند ذات شاہ نظام الدین ہیں۔ ہر ایک آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہونے لگا۔ آپ نے اور چند اشخاص کو داخل طریقہ کرکے اپنی شخصیت کے اخفا حال کی خاطر نواب ہمت یار خاں کے ہمراہ ملازم ہوگئے۔ اور بارہ سال تک نواب صاحب کے ساتھ ملازمت میں منسلک رہے فن سپاہ گری میں انکا نظیر نہ تھا اپنے بڑے بھائی کی وفات کے بعد پھر اپنے والد ماجد کے روضہ شریف میں داخل ہوئے اور روزگار ترک کر دیا دو سال اپنے والد کی قائم مقامی کی دونوں بھائیوں نے دست بیعت اور طریقہ رشد و ہدایت اختیار کرکے ایک عالم کو فیضیاب کیا اور بعد ملک دکن سے حضرت خواجہ بزرگ کی زیارت کی غرض سے اجمیر شریف روانہ ہوئے۔ حضرت غریب نواز معین الدین چشتی کے روضہ کی زیارت کی سعادت حاصل کی ایک چلہ وہاں کرکے بعد حکم خواجہ عازم دہلی ہوئے۔ اور مزارات حضرت خواجہ قطب الدین و نظام الدین و نصیر الدین سے شرف زیارت حاصل کرکے دہلی میں اقامت اختیار کی وہاں مرجع خاص و عام ہوئے شہنشاہ سے گدا تک سارا ہندوستان آپ کی بیعت سے مشرف ہوا کامل پینتالیس سال رونق افروز مسند شیخت ملک ہند رہے ایک عالم آپ کی شرف ملازمت سے بہرہ ور ہوا اکثر علماء و فضلاء آپ کے مرید ہوئے حضرت الم بادشاہ عالم علی گوہر اپنے تابعین کے آپ کے زمرہ مریدین میں آیا۔

صاحب محبوب القلوب تحریر کرتے ہیں کہ حضرت مولوی فخر صاحب جمیع کمالات وہبی و کسبی میں فرید عصر تھے اور صاحب کشف و کرامات تھے ایک عالم آپ کی ذات بابرکات سے بہرہ اندوز ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک لاکھ سے زائد لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔

دوسرے راوی کا بیان ہے کہ حضرت موصوف اہل دکن کا لباس جامع وار کلاں جسکا دامن دراز ہوتا تھا زیب تن فرماتے تھے۔ آپ کی ریش مبارک ایک انگشت کے برابر تھی اگرچہ کہ آپ کا ظاہر مشائخین پیشین کی طرح نہ تھا لیکن باطن شریف سلف صالحین کے موافق تھا کئی علماء نے آپ کے مقابل زبان اعتراض کھولی لیکن جب حضرت کا سامنا ہوتا تو ہیبت حق ان پر غالب ہو جاتی اور آپ کی ولایت کا اقرار کئے بغیر نہ رہ سکتے۔ بقیہ عمر تک آپ فرائض خمسہ باجماعت نہ پڑھ سکے۔ آپ کی آخری نماز باجماعت وہ تھی کہ حضرت کو ایک تخت پر بٹھا کر اسکو

صف کے برابر کر دیا گیا۔ اس طرح آپ شریک جماعت ہو گئے۔ حضرت کے کمالات کا قیاس اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ تمام ہندوستان آپ کے زیر فیضان ولایت ہو آگیا تھا کسی سے ایسی شان و شوکت اور مشیخت کا اظہار نہیں ہوا۔

صاحب محبوب القلوب لکھتے ہیں کہ آپ کی وفات سنہ ۱۱۹۹ھ روز جمعہ ایک پاس شب گزرنے کے بعد ۲۶ ویں ماہ جمادی الثانی میں ہوئی۔ قبر شریف شاہ جہاں آباد میں روضہ حضرت خواجہ قطب الدین قطب الاقطاب میں واقع ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

قدوۃ اہل اللہ عارف باللہ حضرت شاہ سید اسد اللہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے پدر بزرگوار کا نام شاہ اسد اللہ تھا جن کا سلسلہ نسب حسب ذیل ہے:۔

حضرت شاہ فتح محمد ولی اللہ بن شاہ فرید الدین گنج معرفت بن شاہ محمد چشتی بن شاہ عبد الحکیم عبد المعانی بن شاہ بہاء الدین بہا جن ہے (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم)

آپ اپنے والد کے مرید و خلیفہ تھے آپ کا وطن دار السرور برہان پور ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ سلسلہ چشتیہ ابّاً و جدّاً سات واسطوں سے ملا تھا سلسلہ قادریہ و شطاریہ بواسطہ والد بزرگوار حضرت شاہ برہان الدین راز الٰہی سے حاصل تھا۔ صغر سنی سے آپ علم اور صحبت بزرگان کی جانب مائل تھے۔ ایام شعور میں اپنے والد ماجد سے بیعت کی اور ہمیشہ اپنے والد کی خدمت میں کمربستہ رہتے یعنی اپنی نسبت فرزندی نظر انداز کر کے شرائط خادمان و طالبانہ بجا لایا کرتے تھے آپ کے والد کے خدام ایام سرما میں بوقت سحر آپ کو بیدار کیا کرتا تھا۔ ایک روز ایسا ہوا کہ وہ شخص گھر میں نہ تھا۔ آفتابہ اپنے پیٹ سے باندھا رکھتا تھا تاکہ پانی کی سردی زائل ہو جائے اور پھر وضو کے لئے پانی پیش کرتا۔ الغرض جب آپ کی عمر ۲۱ سال کی ہوئی کہ آپ کے والد نے رحلت فرمائی آپ اپنے والد کی مفارقت میں نہایت مغموم ہوئے اور اپنے والد کے مزار کے پائیں

(۲۰) روز تک بیٹھے رہے ہر روز روزہ سے رہتے اور شام کو ایک آبخورہ پانی میں ایک مٹھی مونگ تر کرکے اس سے افطار کرتے اور ان کے سوا کچھ نہ کھاتے یہاں تک کہ (۴۰) روز اسی طرح گذر گئے۔ اس کے بعد والد شریف کی روح کیطرف سے حکم ہوا کہ باباتم شاہ محمد مخدوم قادری کی خدمت میں حاضر ہو جو ملک ارکاٹ میں قصبۂ میلاپور میں بقید حیات اور ان سے نعمات حاصل کرو۔ حسب ارشاد والد ماجد سے رخصت اور اجازت لیکر عازم آرکاٹ ہوئے جبکہ ملاقات کے لئے ایک رات باقی تھی حضرت غوث الثقلین کی جانب سے بشارت ہوئی کہ تمہارا خادم صادق آگیا ہے جس کا نام اسد اللہ ہے جو چیز تم رکھتے ہو اس سے پوشیدہ نہ کرو۔ جب صبح ہوئی تو شیخ منتظر تھے کہ اسی انتظار میں آپ حضرت شیخ کی خدمت میں پہونچ گئے۔ شیخ کی ان پر نظر پڑتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے استقبال کیا اور ارشاد فرمایا کہ تمہاری سفارش حضور غوث الثقلین نے فرمائی ہے پھر معانقہ کیا۔ حضرت بھی آداب بجالائے اور (۲) سال تک آپ کی خدمت میں رہے تجدید بیعت کی اور نعمت خلافت قادریہ عالیہ حاصل کی۔

راوی کا بیان ہے اپنی آخری عمر میں حضرت شیخ سے ایک رات جلسہ کا انعقاد فرمایا اور اپنے خاص طالبین اور فرزندان کو جمع کیا۔ جلسہ کا وقت بعد نماز عشاء متعین ہوا اور حضرت شیخ نے بعض محققی ارشادات مع حکایات اور مثالوں سے بیان فرمانے شروع کئے یہاں تک کہ فجر ہوگئی۔ نماز کی ادائیگی کے بعد آپ نے اپنے صاحبزادوں کے منجملہ ہر کسی سے آپ نے رات میں بیان کئے گئے ارشادات دہرانے کی خواہش کی بعض نے ایک حکایت اور بعض دو حکایت بیان کئے اور غلبۂ خواب کا عذر کیا۔ پھر شیخ نے آپ سے خواہش کی جس پر آپ نے حضرت شیخ کی زبان سے صادر ہوئے تمام ارشادات ابتداء سے انتہا تک من وعن دہرا دئے بلکہ ان میں قوت بیانی کی آمیزش سے رنگینی بھر دی جس سے حضرت شیخ بہت مسرور ہوئے اور آپکو سینہ سے لگا لیا پھر اپنے فرزندوں سے وصیت فرمائی کہ میری موجودگی میں تمہارے دلوں میں شوق الٰہی پیدا نہ ہوا۔ جس کی قسمت میں جتنا تھا اتنا اس کو مل گیا۔ میرا وقت واپسی قریب ہے تمہیں چاہیئے کہ اسد اللہ سے طلب حق کرو اور کچھ حاصل کرلو۔ چنانچہ حضرت شیخ کے انتقال کے بعد ان کے دو صاحبزادے ناصر صاحب اور احمد صاحب نے آپ کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی پھر آپ وہاں سے برہانپور لوٹ گئے۔

سید انوار اللہ اپنی تالیف میں کہتے ہیں کہ حضرت شاہ اسد اللہ صاحب قطب وقت تھے۔ جب شہر برہان پور کفار لعین کے قبضہ و تصرف میں آگیا اور مذہب اسلام وہاں کمزور ہوگیا تو حضرت اسد اللہ اپنے وطن سے دوبارہ عازم سفر ہوئے اور شہر حیدر آباد تشریف لائے یہاں آپ نے دوسرا نکاح کیا اور یہیں سکونت اختیار کرلی۔

مولف عاصی بیان کرتا ہے کہ ہیچ منداں بھی چار سال تک حضرت کی خدمت میں حاضر رہا اور اس عرصہ قیام میں چند کتب صوفیہ کی آپ سے سند حاصل کی۔ حضرت موصوف علم حقائق اس طرح بیان فرماتے تھے کہ ہر کسی کو اپنی بقدر ادراک معلوم ہوتا۔ ایک عالم آپ کے فیض علوم تصوف سے مستفیض تھا جو کوئی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا آپ اسے کچھ نہ کچھ جیسو فرماتے تھے۔ حد یہ ہے کہ ایک ضعیف العمر ہندو نے جسکا تعلق قوم کالیتھ سے تھا آپ کے پاس مثنوی شریف کا درس لیا اور دل سے اپنے عقائد باطلہ سے برگشتہ ہوگیا اور تلقیت اسلام کے کلمات ادا کئے۔

تمام علماء و فضلا اپنی قدرت علمی کے باوجود آپ سے علم حقائق کی سند لیا کرتے تھے جس طرح ایک مستعد استاد کمسن بچوں کو دیا کرتا ہے۔ حاصل تحریر یہ کہ حیدر آباد میں علم حقائق آپ کی وجہ سے رائج ہوا۔ اس عاصی نے بے بضاعت لاشیئ فی الحقیقت کو حضرت اپنی کمال عنایت بے نہایت سے کتب حقائق کا درس اکثر خلوت میں دیا کرتے تھے۔ اور اس حقیر کمتر کو حضرت استادی کی خدمت میں بحد رسوخ اور خلوص تھا۔ اس عاصی کے صدق حال پہ آپ مجھ سے چند نقوش بھی ارشاد فرماتے تھے۔ قوت بیان اس درجہ تھی کہ لوائح اور مثنوی شریف پہ آپ نے حواشی اور ربانی اور اسکی شرح تحریر فرمائی جس کے مطالعہ کے بعد استاد کی محتاجی نہیں رہتی۔ اس کے علاوہ بھی آپ کے تالیف کردہ چند رسائل موجود ہیں جس سے آپ کے قدرت کلام اور قوت بیان ظاہر ہو رہا ہے۔ چنانچہ آپ ... ایک رسالہ میں ایک مقام پہ یہ تحریر فرماتے ہیں کہ علماء ظاہر متکلمین اور محدثین صاحب کلام خاص اور صاحب کلام مطلق نہیں ہیں کیونکہ یہ لوگ وحدت الوجود اور توحید لغوی کے قائل نہیں ہیں اور واجب اور ممکن کے درمیان عینیت حقیقی جانتے ہیں اور غیریت مجازی ثابت کرتے ہیں پس صرف تشبیہ ان کی منظور نظر ہے لہذا انہوں نے مشبہ کردیا ہے اور بعض نے غیریت حقیقی اور عینیت مجازی کے درمیان خلق اور خالق تعین کئے ہیں۔ ان کے منظور نظر صرف تنزیہ ہے چنانچہ انہوں نے منزہ کردیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ رسول کریمؐ

تشبیہ تنزیہ ہیں۔ چنانچہ انہوں نے منزہ کر دیا ہے اور جیسا کہ حق تعالیٰ سبحانہ نے ایک آیت کریمہ میں ان دونوں کو بیان کیا ہے حیث قال لیس کمثلہ شیء وھو السمیع البصیر۔

الغرض حضرت کے کمالات قید تحریر سے باہر ہیں۔ آپ کی وفات ۱۲۰۵ھ بتاریخ ۲۸ رجمادی الاول روز پنجشنبہ واقع ہوئی۔ آپ کی مزار اندرون حیدرآباد محلہ حسینی علم میں صحن مسجد میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

قدوۂ ارباب تعرف و تصرف، زبدہ اصحاب تحقیق و تصوف سیدی و استاذی

حضرت شاہ یوسف رحمۃ اللہ علیہ

حضرت موصوف سادات عریضی سے ہیں آپ کے والد گرامی کا نام و سلسلہ یوں ہے۔

شاہ محمد عبداللہ بن سید محمد عرف باباصاحب بن سید محمد درویش بن سید عمر بن سید محمد یوسف بن عبدالملک بن سید علوی بن سید محمد صاحب مرباط بن سید علی خالع بن سید علوی بن سید محمد بن سید علوی بن سید عبداللہ بن سید احمد بن سید عیسیٰ بن سید محمد بن سید امام علی العریضی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

راوی کا بیان ہے کہ سید محمد درویش مسطورہ آپ کے دادا تھے عربستان کے متوطن تھے اور آپ کو طریقہ بیعت اپنے آباؤ و اجداد سے حاصل تھی۔ کاروبار دنیاوی کے لئے آپ شہر دار الظفر آئے اور ملاں محمد زبیر کی ہمشیرہ آپ سے منسوب ہوئیں۔ ان کے بطن سے سید محمد عرف باباصاحب موصوف متولد ہوئے۔ یہ بھی عہد طفولیت میں ہی تھے کہ ان کے والد سید محمد درویش کا انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے آپ کا فضل و کمال آپ کے ماموں ملاں محمد زبیر سے منسوب کیا جاتا ہے جب باباصاحب اپنے ماموں کی صحبت میں درجہ کمال پر فائز ہوئے تو نواب

محمد امین خاں مرحوم جو امرائے دکن سے تھے ان کے معتقد ہوئے اور ان کو اپنے ہمراہ بیجاپور سے بالکنڈہ اور کوٹ گیرے آئے جو انکی جاگیر تھی۔ وہاں سید مصطفیٰ صاحب حاکم نیلور نے جن سے ملاں محمد زبیر کی قریبی رشتہ داری تھی ان کو طلب کیا اور اپنی ہمشیرہ آپ سے منسوب کی۔ اور پھر کوٹ گیر روانہ کر دیا۔ ان کی بہن کے بطن سے ایک صاحبزادے سید عبداللہ جو حضرت شاہ یوسف کے والد تھے اور ایک دختر وجود میں آئے۔ اسکے بعد اس خفیفہ کی رحلت ہوگئی جب سید مصطفیٰ کو اپنی ہمشیرہ کے انتقال کی اطلاع ملی تو انہوں نے اپنے بھانجے کو طلب کر کے اپنے پاس رکھ لیا اسی وجہ سے حضرت شاہ یوسف کے والد کی اقامت نیلور میں ہوئی۔

سید مصطفیٰ صاحب کی بہن کے انتقال کے بعد بابا صاحب موصوف نے حضرت شاہ محمد ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی نبیرہ زادی سے عقد کیا جن کے بطن سے ملتانی صاحب وغیرہم متولد ہوئے جو بالکنڈہ میں مدفون ہیں اور جن کے صاحبزادے۔ حقائق آگاہ صاحب علی صاحب جو حضرت استادی شاہ یوسف صاحب کے بنی عم ہیں۔ تا وقت تحریر مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہیں۔

حاصل کلام مقصود تحریر اور خلاصہ تحریر یہ کہ حضرت شاہ یوسف صاحب کو اپنے والد ماجد سے ارادت، اجازت اور خلافت حاصل تھی اور آپ طلب علم میں شہر حیدرآباد تشریف لائے اور مولوی عبدالقوی خاں کے مدرسہ میں علوم ظاہری کی تحصیل فرمائی۔ اسکے بعد جب طلب الٰہی غالب ہوئی تو طواف حرمین شریفین کے ارادے سے نکلے سالہا سال عرب و عجم کی سیاحت فرمائی اور بزرگان وقت سے مل کر ان کے منجملہ ہر ایک سے فیض صحبت حاصل کیا اور ہر طریقہ میں ان بزرگان سے اسناد، اذکار اور اشغال حاصل کئے۔ خصوصاً اثنا سمندر حاضر ہوئے خاندان نقشبندیہ کی نعمت حضرت حاجی رحمۃ اللہ صاحب سے پائی اور ان کے دست حق پرست سے خرقۂ خلافت زیب تن فرمانے کے بعد بیت اللہ کی جانب روانہ ہوئے وہاں بھی کاملان وقت سے ملاقات فرمائی۔

الغرض آپ عالم متبحر، عارف کامل اور محقق وقت تھے مولوی عبدالقوی خاں مذکور اواخر حال میں آپ کے معتقد ہوگئے اور آپ کو دست بیعت دیا اور یہی آپ کی حیدرآباد میں سکونت کا باعث ہوا مولوی صاحب موصوف کے خلوص و رسوخ کی بنا پر آپ حیدرآباد میں تشریف فرما ہوئے اور مشیخت کو رونق تمام بخشی۔ آپ صاحب کشف قلوب و قبور تھے اس کے علاوہ بھی کئی کمالات

جن کے تذکرہ سے قلم قاصر ہے۔

مولف عاصی جو آپ کے مستفیض سے ہے عرض کرتا ہے کہ حضرت شاہ یوسف کے انتقال کے تین سال قبل اس بندۂ درگاہ قادری کی آپ کی خدمت میں آمد و شد شروع ہوئی میں نے رسالہ فیض الحق جو آپ کی تصنیف ہے آپ کی فیض صحبت میں تمام کی۔ اسی درس کے دوران میں نے آپ سے سند لطائف بھی حاصل کی جب کبھی حقائق و عرفان کا یہ بحر مواج تشریح کلام کی جانب مائل ہوتا تو قوت حافظہ جواب دے جاتا۔ آپ اس کمترین تلامذہ کمال کے احوال بے حال پر نوازش فرما کر مجھے علم کلام حق کا خلوت میں درس دیتے تھے کبھی کبھی مجلس سماع میں یاد فرمائی ہوتی اور پھر آپ مجھے طریقہ نقشبندیہ کی تعلیمات سے آگاہ فرماتے۔ حضرت کا کمال حد تحریر و بیان سے باہر ہے۔ جیسا کہ ایک روز میں آپ کی خدمت شریف میں حاضر تھا حضرت موصوف اس وقت حالت وجد اور مقام کشف میں تھے۔ آپ جو کچھ میرے ذہن میں گذرتا فوراً اس کا اظہار کر دیتے۔ اسی طرح کامل دو ساعت تک آپ اس عاصی کے خواطر پر ناظر، حافظ اور کاشف رہے۔ اور ہر چند کہ میں نے چاہا کہ میرے خطرات ذہنی آپ پر منکشف نہ ہوں لیکن ناکام رہا۔ اسی طرح عند الملاقات آپ اکثر مقامات عالی اور غوامض اسرار الٰہی جو سراسر کشفی ہوتے اور مشائخین پیشینین کے احوال معرض بیان میں لاتے جو تحریر نہیں کیے جا سکتے۔

ایک روز میں حضرت کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے فرمایا کہ اے عالی دستگاہ مقتدائے اہل سنت والجماعت دو شخص ہیں ایک ابوالحسن اشعری اور دوسری ابوالمنصور قاتری لیکن شافعیہ جو مسائل فقہ میں امام شافعی کے تابع ہیں مسائل عقائد میں ابوالحسن مذکور کے تابع ہیں اور حنفیہ جو مسائل فقہ میں امام اعظم کے پیرو ہیں مسائل عقائد میں ابوالمنصور مسطور کے ہیں اور یہ دونوں اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ وجود باری زاید بر ذات ہے اور صوفیائے تحقیق کا اتفاق ہے کہ وجود عین ذات ہے۔ ففہم۔

اور فرمایا کہ اے حقائق آگاہ حکمائے فلاسفہ کی دو قسم ہیں اشراقین اور مشتاقین۔ اشراقین کے پاس وجود عین ذات ہے یعنی بظاہر عقائد وجود میں محققین اور اشراقین متفق ہیں۔ اور مشتاقین کے نزدیک وجود زائد علی الذات ہے۔ یعنی علماء ظواہر و حکماء مشتاقین مسئلہ وجود میں باہم اتفاق رکھتے ہیں۔ ففہم واللہ اعلم۔

الغرض آپ عارف کامل اور محقق واصل تھے آپ کی وفات سنہ ۱۲۱۹ھ میں بتاریخ ۳ صفر المظفر واقع ہوئی۔ وقت رحلت جی میں حاضر خدمت تھا۔ آپ نے تکیہ پشت سے لگا کر وصیتیں فرمائیں اور جان بحق ہو گئے۔ آپ کی قبر اطہر بیرون حیدر آباد متصل فتح دروازہ مشہور انام ہے۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ذکر شریف

شیخ مقتدا، قدوۃ صاحب صدق و صفا حضرت شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت موصوف سادات رضوی سے تھے آپ کے والد کا نام میر سندہ علی خاں تھا جو نواب ثابت خاں مرحوم کے حقیقی ہم زلف تھے۔

راوی کا بیان ہے کہ نواب موصوف پرگنہ جالنیر کے جاگیردار تھے جو شاہ جہاں آباد سے چھ منزل کی دوری پر واقع ہے۔ اور قلعہ ثابت گڑھ انہیں کا بنایا ہوا ہے ان کے پاس چار ہزار سوار جرّار اور ایک ہزار چار سو شائستہ برق انداز غلام تھے۔ چنانچہ اس ملک میں ثابت خانی برق انداز پیادے مشہور و معروف ہیں۔ نواب صاحب مرد سپاہ پرور اور خادم الفقرا تھے۔ میر سندہ علی خاں مذکور نواب صاحب کی فوج کے بخشی تھے۔ جب میر مذکور قلعہ ثابت گڑھ پر نواب مسطور کے ہمراہ شہید ہوئے تو ان کے چار بیٹے تھے۔ ان میں میر رضا علی خاں جو سب سے کم عمر تھے والد کے ساتھ زخمی ہوئے۔ سندہ علی خاں مرحوم کی مزار قلعہ مذکور کے روبرو ہے۔ وہاں کے لوگ ان کو سندہ شہید کے نام سے یاد کرتے ہیں ہر سال ان کا عرس ہوتا ہے اور اطراف و جوانب سے عقیدتمندوں کی کثیر تعداد زیارت کے لئے آتی ہے۔ الغرض شہید موصوف کے انتقال کے بعد بھائیوں میں حصہ و ترکہ کا معاملہ درمیان آیا۔ رضا علی خاں پر اپنے والد کا غم بکمال وحشت غالب تھا انہوں نے بھائیوں سے ترکہ قبول نہ کیا ہر چند نواب مسطور نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے اقبال نہ کیا اور صحرا نوردی اختیار کر لی۔ اتفاقاً اثناء راہ میں سناسیوں سے ان کی ملاقات ہو گئی اور

وہ ان کے ہمراہ نیکلاخ گئے جو انکی عبادت گاہ تھی اسکے بعد وہاں سے ان لوگوں سے جدا ہوکر تبت میں گئے جو کوہستان ہے وہاں بطور سیر کچھ دن رہے اور جب وحشت غم سے افاقہ ہوا تو درویشی کا خیال مستولی ہوا اور آپ پھر شاہجہاں آباد تشریف لائے اور حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین بدایونی کے روضہ میں جاکر حضرت کی مزار کے متصل تین شبانہ روز بیٹھ کر درخواست ارشاد کی۔ تیسری رات عالم رویا میں شاہ اسرار اللہ کی تصویر آپ کے بتائی گئی۔ جن کا سلسلہ چند واسطوں سے حضرت شاہ وجیہ الدین علوی تک پہونچتا ہے اور ارشاد ہوا کہ تمہارا حصہ ان کے پاس ہے لے لو۔ شاہ رضا علی الصبح روضہ کے پائیں واقع چشمے کے کنارے بیٹھے منتظر تھے کہ یہ تصویر کیسے نمایاں ہوتی ہے۔ یکایک آپ نے دیکھا کہ وہی بزرگ جنکی خواب میں تصویر بتائی گئی تھی تشریف لائے اور فرمایا کہ شاہ رضا یہاں آؤ چنانچہ آپ اٹھے اور اس بزرگ کے قدمبوس ہوئے اور شاہ اسرار اللہ مذکور نے شاہ رضا کو اپنے ساتھ سلطان المشائخ کی مزار مقدس کے پاس لے گئے اور داخل سلسلہ فرمایا اور پھر اپنے ساتھ لے گئے۔ چند روز بعد فرمایا کہ میاں شاہ رضا میرے ساتھ آؤ کہ کسب فقیری سیر انوار تجلیات الٰہی ہے۔ پھر آپ کو اپنے ہمراہ صحرا لے گئے وہاں پر ایک املی کا پرانا درخت تھا جس میں بڑا جوف تھا اور اس کے قریب پانی کا چشمہ تھا وہاں آپ کو شاہ اسرار اللہ نے اربعین کے لئے بٹھا دیا اور دعائے حیدری کا عمل تاکید فرمایا جو ہر روز بوقت شام بلا ناغہ وہاں آتے اور ایک مٹھی بھولے چنے بلا نمک عنایت فرماجاتے۔ جب چالیس روز ہوگئے تو شاہ رضا تجدید وضو کے لئے چشمہ پر گئے ناگاہ آپ نے دیکھا درخت مذکور بنیاد سے اکھڑ کر اپنی جگہ سے گر پڑا ہے شاہ رضا متعجب و متحیر ہوگئے۔ اتنے میں شاہ اسرار اللہ وہاں پہنچے اور فرمایا کہ اٹھو کہ تمہیں دعائے حیدری حاصل ہوگئی۔ چنانچہ آپ اٹھے اور اپنے مرشد کے ہمراہ روانہ ہوگئے۔

ایک اور راوی کا بیان ہے کہ شاہ اسرار اللہ اور شاہ نجم الدین مبارک روبرو دونوں یک جا تھے اور شاہ رضا ان کی خدمت میں تھے۔ اتفاقاً یہ دونوں سیر کناں گجرات کی جانب گئے وہاں ہنود کی پرستش گاہ ہے جسے سومنات کہتے ہیں۔ اس کے متصل ایک پہاڑی قلعہ ہے جس پر ایک جوگی مدتوں سے بیٹھا ہوا تھا اور لوگوں سے محترز تھا۔ اس کا کمال یہ تھا کہ جس جس روز سے وہاں بیٹھا تھا غار کا دروازہ بند کردیا تھا اور پھر اسے وا نہیں کیا۔ جب حضرت شاہ اسرار اللہ

کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو وہ اس پہاڑ پر تشریف لے گئے اور اس کے روبرو آواز دی اس نے کہا چلے جاؤ میں دروازہ نہیں کھولوں گا حضرت نے پھر کھٹکھٹایا تو وہ دشنام طرازی کرنے لگا حضرت نے اور زیادہ دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا۔ آخر الامر مجبوراً اس جوگی نے دروازہ کھول دیا حضرت اندر تشریف لے گئے اور بیٹھ گئے اور دریافت کیا کہ کیا نام ہے۔ اس نے کہا اس قدر زمانوں میں تم نے مجھے چینا اور پھر دریافت کر رہے ہو غرضکہ اسے بھی اپنے فرقہ میں کمال حاصل تھا۔ کلام سلوک درمیان آیا حضرت اسرار اللہ نے فرمایا کہ تم میں اسقدر استدراج کس طرح پیدا ہوا اس نے جواب دیا کہ جو کچھ یہ نفس چاہتا ہے میں اس کے خلاف عمل کرتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کلمہ طیبہ پڑھنے سے متعلق تمہارا نفس کیا کہتا ہے اس نے کہا کے سخت انکار کرتا ہے۔ حضرت نے کہا کہ پھر تم پڑھتے کیوں نہیں فی الفور اس نے اقرار کیا اور حضرت کے قدموں پر گر پڑا اور ہمراہ چلا آیا۔

اس کے بعد آپ نے گجرات سے مراجعت فرمائی اور دکن کی جانب آئے حضرت کے کچھ اقربا اورنگ آباد میں تھے ان کی ملاقات کی غرض سے چند دن وہاں قیام کیا اور آخری بار شاہ جہاں آباد کا ارادہ فرمایا۔ عزم ارتحال سے قبل شاہ رضا کو سند تحریر کر کے عنایت فرمائی اور کہا شاہ رضا میں اس آبادی کی نگہبانی تمہارے سپرد کرتا ہوں تم یہیں رہو۔ اسکے بعد خود دہلی کی جانب روانہ ہوئے انکا مقبرہ اکبر آباد میں واقع ہے۔

رجعت الی المقصود سید انوار اللہ اپنی تالیف میں کہتے ہیں کہ شاہ رضا صاحب مرد صاحب دعوت اور ہمت عالی کے حامل تھے آپ کا مکان سکونت حیدرآباد میں ہے آپ دراصل سندوستان سے متعلق تھے تیس سال تک شہر مذکور میں رشد ہیمت کے لئے مقیم رہے بہت کم کسی کو مرید کرتے تھے سماع سے آپ کو بے انتہا لگاؤ تھا۔ ہمیشہ ارباب سماع حاضر رہتے۔ آپ کا خرچ بہت تھا۔ چنانچہ ایک روز حیدر جنگ نے بارہ ہزار روپیہ بطور نذر آپ کی خدمت میں پیش کئے شاہ موصوف نے اس رقم کو خانقاہ کے محراب میں رکھدیا اور جو کوئی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا آپ اس کو ایک ایک مٹھی رقم عنایت کرنے لگے۔ دوسرے روز ساری رقم تقسیم ہو گئی۔

اسی راوی کا بیان ہے کہ اس فقیر نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے کہ آپکے مرشد کے

عرس میں اکثر امرا اور اہل دل حاضر تھے کہ وقار الدولہ نے ایک ہزار روپیہ نذر پیش کیے حضرت اسی وقت حالت سماع و وجد میں تھے آپ نے اس رقم کو ایک خادم کے دامن میں بھر دیا اور حالت وجد میں ٹہلتے ٹہلتے اہل مجلس اور قوالوں میں تقسیم کرنے لگے تھوڑی دیر میں ہی ساری رقم ختم ہو گئی ۔

راوی مذکور کا یہ بھی بیان ہے کہ اوائل حال میں حضرت موصوف نہایت متوکل تھے اور عسرت و تنگ حالی سے آپ پر فاقہ گذر جاتے تھے ۔ ایک روز نماز جمعہ سے فارغ ہو کر آپ اپنے گھر آرہے تھے اس وقت آپ نے چار پانچ روز سے آپ نے کچھ تناول نہ فرمایا تھا جسکی وجہ سے آپ کی آنکھوں میں تاریکی پیدا ہوئی اور آپ زمین پر گر پڑے ایک لمحہ کے بعد آپ اس مقام سے اٹھے اور پھر اپنے مکان آئے اور اپنے ایک خادم کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ ان تکالیف سے ہراساں نہیں ہونا چاہیئے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ تم پر اس قدر روزی کشادہ ہوگی کہ اسکو فراہم کرتے کرتے تم عاجز آجاؤ گے ۔ اسی گفتگو میں تھے کہ ایک شخص آیا اور ایک اشرفی نذر کی آپ نے اسے اس خادم کے حوالے کیا اسی اثناء میں کسی نے آکر عرض کیا میں اپنی بیٹی کی شادی کر رہا ہوں اور میرے پاس کچھ نہیں شاہ صاحب نے وہ اشرفی خادم سے لی اور اس شخص کو عنایت فرما دی ۔ خدام اپنے آپ پیچ و تاب کھانے لگے لیکن مجبوراً کچھ کہہ نہ سکے ۔ اسی وقت کھانے کے سات خوان کہیں سے آگئے ۔ آپ نے فرمایا اے خادمان اللہ تعالےٰ نے تمہارے لئے تیار روانہ کیا ہے کھاؤ اور حق تعالیٰ کا شکر بجالاؤ ۔

اسی راوی کا بیان ہے کہ کچھ دن بعد نعمت اللہ خاں اور حیدر جنگ آپ کے معتقد ہو گئے اور عسرت و تنگی دی، فراخی میں تبدیلی ہو گئی اس کے علاوہ رکن الدولہ رئیس دکن نواب نظام الدولہ کو بھی اعتقاد تمام پیدا ہوا اور باب فتوح آپ کے حسب ارشاد مفتوح ہو گیا ۔

راوی مسطور کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر کوئی آپ کے پاؤں پر اعتقاد سے اپنا ہاتھ رکھتا تو آپ اسکی جانب کچھ توجہ نہ فرماتے چنانچہ ایک روز فقیر نے بچشم خود مشاہدہ کیا کہ رکن الدولہ اور وقار الدولہ نے اپنا سر آپ کے پاؤں پر رکھ دیا لیکن آپ جس طرح کھڑے تھے اسی طرح کھڑے رہے اور سر مو توجہ نہ فرمائی ۔

اسی راوی کا بیان ہے کہ ہر رات آپ حالت سماع میں صبح تک کھڑے رہتے ۔ چند لوگ

وجد حال کرتے ۔ عجب اژدہام عام ہوتا تھا کہ امتیاز باقی نہ رہتا لیکن آپ کی شیخیت کا ایسا اثر تھا مجلس میں کسی کو کوئی قدرت نہ تھی کہ وہ کسی سے آہستہ کلام کرے ۔ آپ خود لوگوں پر کثرت سے نگاہ رکھتے اور آپ کی گردش چشم ساری محفل پر محیط رہتی ۔

صاحب پنج گنج فرماتے ہیں کہ صوفی باصفا شاہ رضا شاہ عظیم رکھتے تھے آپ صاحبِ تصرف ظاہر و باطن تھے ۔ غریب پرور اور دوست آشنا تھے ۔ اہل دنیا آپ کی بیحد خدمت کرتے تھے چنانچہ ایک روز رکن الدولہ آپ کے مکان آئے ہوئے تھے ان کے چوبداروں نے معمولی غرباء کو منع کیا جس پر شاہ مذکور برہم ہو گئے اور فرمایا لوگو میرے چاہنے والوں کو تمہاری آمد سے تکلیف ہوتی ہے اگر آتے ہو تو دیگر تمام لوگوں کی طرح فقیر کے پاس آیا کرو ۔ ورنہ مت آنا ۔

اسی راوی کا بیان ہے کہ آپ بعض اوقات سماع میں حالت وجد میں رقص کرتے اور اہل مجلس میں سے ہر کسی کی دستار لے کر قوالوں کو دے دیتے دوسرے روز جس کسی کا پارچہ لیا تھا تازہ خرید کر اس کو لوٹا دیتے ۔ حقہ مجلس میں نہ لاتے ۔ الغرض آپ بہت بزرگی سے موصوف تھے ۔ طریق شطاریہ کے عامل تھے اور اس سلسلہ میں آپ کے مرشد شاہ اسرار اللہ تھے جن کو مولانا شاہ امان بیگ سے اور ان کو خواجہ علی سے ان کو مولانا شہباز محمد سے ان کو سید شاہ یٰسین محدث سے اور ان کو حضرت سید شاہ وجیہہ الدین علی گجراتی سے بیعت تھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ۔

آپ کی وفات بتاریخ ۲۷ جمادی الثانی ۱۱۸۴ھ درہ گردہ سے کوہ مبارک حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے دامن میں واقع ہوئی ۔ جہاں سے آپ کے خدام نے جنازہ حیدرآباد لاکر آپ کو دفن کیا ۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے ۔ المسمون شاہ امر اللہ، بادشاہ صاحب اور شاہ صاحب، بڑے صاحبزادے اپنے پدر بزرگوار کے انتقال کے وقت کم سن تھے آپ کی قبر اندرون شہر حیدرآباد تالاب میر جملہ سے متصل زیارت گاہ خلق ہے رحمۃ اللہ علیہ ۔

ذکر شریف

کاشفِ سرِ قدم، عارفِ ہمدم، محققِ وقت حضرت شاہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ کے والد کا نام سید محمد عزت مرزا بزرگ تھا۔ جنکا سلسلہ نسب سید مظفر سے جاملتا ہے جو سلطان عبداللہ قطب شاہ کے وزیر تھے۔

سید انوار اللہ اپنی تالیف میں تحریر کرتے ہیں کہ جب آپ میں گرمیٔ عشق الٰہی پیدا ہوئی تو امورِ دنیا کی زنجیر کو آپ نے اپنے پاؤں سے علیحدہ کر دیا اور خدا طلبی کی راہ میں قدم ہمت آگے بڑھایا۔ ان ایام میں شاہ فقیر علی صاحب ملک آرکاٹ سے نئے نئے تشریف لائے تھے۔ ان کی خدمت میں آپ حاضر ہوئے اور ارادہ مریدی حاصل کی اور اجازت و خلافت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ حضرت شاہ فقیر علی صاحب مردِ عارف، صاحب کمال اہل شہود سے تھے اور خاندان چشتیہ کے مستفیضین سے تھے ان کا سلسلۂ طریقت حضرت شاہ امین الدین علی تک پہونچتا ہے۔ یعنی وہ شاہ اولیاء کے مرید تھے جو شاہ وصی علی کے اور وہ شاہ قمر علی کے اور وہ حضرت علی پیر حسینی بن بابا شاہ حسینی بن حضرت شاہ امین الدین علی کے مرید تھے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

راوی کہتے ہیں کہ حضرت موصوف کو علم تصوف و حقائق میں قدرت کاملہ حاصل تھی اگرچہ کہ آپ نے علم کلام کی تحصیل نہ فرمائی تھی لیکن یہ وہبِ الٰہی تھا کہ آپ نے علم حقائق میں دو کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ایک میزان حقائق جس میں آپ نے مرتبۂ وحدت میں دائرہ شانِ محمدی انشاء کی ہے جو تا حال کسی اور نے نہ کی۔ تصوف کی گفتگو کے سوا دوسرا کلام بہت کم کرتے اور طالبانِ حق سے فرماتے کہ دستورِ ریاضت، اذکار، اشتغال کے بغیر ذاتِ الٰہی کے مراتب کا کشود محال ہے محض فہمائش اقوالی سے کشود کار نہیں ہوتا لیکن اس سے معرفتِ قولی ضرور حاصل ہو جاتی ہے۔ معرفت حالی وجود عنصری کی صفائی پر موقوف ہے جو ریاضات و مجاہدات پر منحصر ہے۔ حاجی شاہ محمد صاحب کا قول اسکے برخلاف ہے جو مخدوم صاحب بولے

کے خلفاء سے تھے اور مکہ مسجد میں سکونت رکھتے تھے۔ ان کا ارشاد تھا کہ معرفت الٰہی کسب و ریاضت پر موقوف نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق قیل و قال سے ہے اور مرشدان پیشین نے بھی مراتب ذات حق کے قابل اپنے مریدین کو صرف ارشاد سے فہمائش کی ہے۔ اور یہی دیکھنے میں آیا ہے۔

وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ مراتب کشف دو طرح کے ہوتے ہیں کشف الٰہی اور کشف کونی کشف الٰہی سے معرفت ذات الٰہی حاصل ہوتی ہے اور کشف کونی سے قدرت کرامات میسر آتی ہے۔ کشف الٰہی مرشد کے ارشاد سے متعلق ہوتا ہے۔ اور کشف کونی کا ریاضات سے تعلق ہے۔ حضرت شاہ اعظم صاحب حاجی صاحب کے ان اقوال کو قبول نہ فرماتے تھے اور انہیں باطل قرار دیتے ہوئے کہتے تھے کہ ریاضت کے بغیر وجود عنصری جلوہ ذات الٰہی کے قابل نہیں ہوتا کاملان سابق نے ریاضت شاقہ کے ذریعہ اس وجود کو قابلیت ذات کے درجہ تک پہونچایا ہے اور اس میں مرشد کامل کے ارشادات نمودار ہوتے ہیں۔ الغرض یہ دونوں عرفاء ایک دوسرے کے کلام کے خلاف تھے۔

مؤلف عاصی کہتا ہے کہ ایک روز حضرت شاہ اعظم نے مجھ ہیچمداں سے فرمایا کہ مقتدامن! ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ ؎

رباعی

گر بپرسندی ز حال زندگی ؛ ہفصد و ہفتاد قالب دیدہ ام
ور بگویم شرح حال خویش را ؛ ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام

اور فرمایا کہ فقیر ان ابیات کے معنی یوں کرتا ہے کہ پہلے خاک نے اپنی صورت جمادی کو چھوڑ کر سبزہ نبات کی صورت میں منقلب ہوئی اور نبات حیوانات کی غذا ہوئی اور اسطرح اپنی صورت سے منقلب ہو کر صورت حیوانی میں رونما ہوئی اور اس صورت میں اجزار حیوانی یعنی گوشت ہڈی وغیرہ کی صورت میں نمودار ہوئی۔ ان اجزا کے غذائے انسانی ہونے سے یہ اپنی صورت سے منقلب ہو کر اجزائے انسانی کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں اور جسم انسانی ہلاک ہونے پر پھر خاک ہو جاتا ہے۔ اس انقلاب میں ہر صورت ایک نئی صورت میں عناصر کے ہیولے پر دائماً جاری ہے اور ہر ہیولے پر یہ صورتیں کبھی پہلے اور

اور کبھی بعد یکے بعد دیگرے طاری ہوتی ہیں۔ اگر انسان کو توفیق رفیق ہو تو وہ مرشد کامل کے ارشاد سے ریاضت اور ذکر اللہ میں مشغول ہوتا ہے۔ تزکیہ نفس اور تصفیۂ دل حاصل کر لیتا ہے اور تجلیۂ روح اور تخلیہ ذکر کے ذریعہ مشاہدہ الٰہی سے واصل ہو جاتا ہے۔

الغرض حضرت موصوف جامع کمالات انسانی اور خوش تقریر تھے۔ ہر مجلس میں ذکر تصوف اور تعلقہ ذکر انسانی پر ضرور گفتگو فرماتے تھے آپ کے تین صاحبزادے ہیں جو خود بھی استعداد علمی کے حامل ہیں۔ سید محمد عرف شاہ سیدن صاحب۔ سید و صاحب۔ باقر صاحب۔ لیکن ان سب میں شاہ سیدن صاحب سلمہ الواہب تمام کمالات میں جامع العلوم و الفنون ہیں اور فرزند خلف کہے جانے کے حقیقی معنوں میں مستحق ہیں۔ حضرت شاہ اعظم کی وفات سنہ ۱۲۰۹ھ میں بتاریخ ۷ رصفر المظفر واقع ہوئی آپ کی قبر اندرون شہر حیدر آباد کمان سحر باطل سے متصل مسجد کے صحن میں زیارت گاہ خلق ہے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

مجذوب حق ادا شیخ مقتدا قبلہ وقت حضرت شاہ علی رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ اپنے والد حضرت پیر شمس الدین صاحب بن میر محمود اولیا دنعمت الٰہی کے بڑے فرزند اور جانشین تھے جن کا ذکر اس سے قبل تحریر کیا جا چکا ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت موصوف اپنے پدر بزرگوار کے بعد کامل ایک سال تک انکی مسند پر سالک رہے اس کے بعد ان پر جذبہ کامل غالب ہوا جیسا کہ اس سے قبل ہی ان کے پدر بزرگوار نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ میرے فرزند علی رضا میرے بعد بارہ سال تک جذب میں رہیں گے الحق کہ ایسا ہی ظاہر ہوا اور ایک سال بعد ہی آپ پر جذب طاری ہوا۔ بلکہ صحیح تو یہ ہے کہ پدر بزرگوار کے بعد ایک عرصہ تک آپ مسند سلوک پر رہے۔ اور پھر آپ پر جذبہ کاملہ طاری ہوا جس کی بنا پر آپ کے حقیقی بھائی میر علی صاحب نے شاہ تقی ہمدم کی مشاورت سے والدہ کی جانب سے بدین مضمون

کاغذ تحریر کیا کہ علی رضا ان ایام میں غلبہ جنون میں مریدین اور خادمین روضہ کو تکلیف تمام پہنچا رہے ہیں۔ اگرچہ وہ میری دو آنکھیں ہیں لیکن میں چاہتی ہوں کہ ان کی مزاج کی درستگی تک برخوردار میر علی ان کے نائب خلافت رہیں۔ اس کے بعد اس محضر پر مشائخیں عصر کی مہریں ہوئیں اور حضرت کو سختی سے زندان میں قید کردیا گیا اور اس کا دروازہ بند کرکے صرف ایک روزن سے کھانا اور پانی دیا جانے لگا۔ جسکی اذیت خارج از بیان ہے۔ الغرض ایام معدودہ بارہ سال گذرنے کے بعد ظفر الدولہ کے استصواب اور رئیس الملک میر نظام علیخاں مرحوم کے حکم سے آپ اس قید شدید سے باہر آئے اور پھر جادۂ مشیخت پر جلوہ آرا ہوئے۔

مولف عاصی عرض کرتا ہے کہ ایک بار مجھے آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا آپ نے کمال عنایت سے کلمات سالکانہ بیان فرمائے لیکن آپ کے سلوک پر جذب غالب تھا آپ کی ذات ستودہ صفات سے اکثر تصرفات اور خوارق عادات ظاہر اور ہویدا ہوتے تھے مذہب امامیہ سے تعلق رکھنے والوں کے لئے آپ مرجع وقت تھے لیکن درحقیقت صوفی مشرب تھے اور (۷۲) فرقہ آپ کی طبع آزاد سے آشنا تھے

حضرت موصوف کی وفات ۱۲۱۵ھ میں بتاریخ ۲۰ رمضان المبارک واقع ہوئی آپ کی قبر سواد حیدرآباد میں پہاڑ کی چوٹی پر آپ کے والد بزرگوار کے متصل اور جد شریف کے پائیں میں زیارت گاہ خلق ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

دو شاہ والا مناقب، دو سید عالی مناقب، کنفس واحد حضرت سید احمد صاحب و سید محمد عمر بادشاہ صاحب ابنان سید عبداللہ مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم

راوی کا بیان ہے کہ ان حضرتین کو بیعت جد مادری سے تھی اور خرقۂ خلافت پدر بزرگوار سے حاصل تھا۔ سید احمد صاحب موصوف جو بڑے صاحبزادے تھے والد کے بعد انکے جانشین ہوئے

اور سید محمد عرف بادشاہ صاحب اپنے برادر بزرگ کو والد کی جگہ جان کر انکے مطیع و منقاد رہے۔ سید احمد صاحب معصوم مزاج اور لطیف طبع تھے اور کلام لطایف بیان فرماتے تھے۔ جس کسی سے ملاقات فرماتے اس سے ملاحت کے طالب رہتے غرض کہ وہ خوش گفتار خوش خلق، حلیم الطبع اور سلیم کردار تھے اکثر اشعار پڑھتے اور کلام حقائق بقدر استعداد بیان فرماتے۔ صاحب کسب و ریاضت تھے طریقہ رفاعیہ میں بھی حظ وافر کے حامل تھے۔

سید محمد عرف بادشاہ صاحب کی اخلاق و تواضع میں کوئی نظیر نہ تھی آپ جس کسی سے ملاقات فرماتے آداب مرشدانہ بجا لاتے ایک عالم آپ کا مرید تھا۔ مشائخین بلدہ میں آپ رکن اعظم کی حیثیت رکھتے تھے اور آپ کی ذات ستودہ صفات عوام و خواص کا مرجع تھی۔ صاحب ہمت و شوکت تھے مجلس سماع میں وجد و رقت فرماتے اور علم موسیقی کو بہت پسند فرماتے کلام مجید کی خوش الحانی سے موافق قواعد تلاوت کرتے رئیس الوقت نواب نظام الدولہ مرحوم آپ سے اعتقاد تمام رکھتے تھے۔

سید انوار اللہ اپنی تالیف میں تحریر کرتے ہیں کہ حضرت سید عبداللہ مدنی قادری کی وفات کے بعد مشیت ایزدی کے مطابق آپ کا کوکب بزرگی چمکا اور آپ کی مشیخت آپ کے والد سے زیادہ ہوگئی۔ آپ شمع خاندان تھے۔ مشائخین وقت کو انکی بزرگی کا لحاظ رکھتے ہوئے دعوت دیتے جس میں بزرگان شہر بھی تشریف فرما ہوتے۔ ہر کسی سے ملاقات میں آپ نہایت عجز و انکساری سے پیش آتے عربوں کی طرح دستار باندھتے اور اپنے والد کے عمل کے مطابق اس پر شملہ باندھتے۔ جو ان دونوں حضرات کو زیب دیتا تھا۔ الغرض بادشاہ صاحب کے کمالات کے منجملہ ایک یہ ہے کہ آپ ایام رحلت سے قبل عازم بیت اللہ ہوئے اور لوگوں کی ایک کثیر تعداد کے ساتھ حج ادا کیا اور وہاں سے مدینہ منورہ آئے اور روضۂ مقدسہ کی زیارت کی اور اپنے خلق مجسم سے بہت سارے عروب کو حلقۂ ارادت و محبت میں داخل کیا جو آپ کی حین حیات تک رسل و رسائل سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے آپکو یاد کرتے تھے۔ وفات تک آپ کے حواس بجا تھے۔ آپ کی وفات بتاریخ ۲۹ رجمادی الثانی ۱۲۱۷ھ واقع ہوئی۔ سید احمد صاحب کی وفات آپ سے چند سال پیشتر بتاریخ ۱۴ رجمادی الثانی واقع ہوئی ان دونوں حضرات کی قبریں پدر بزرگوار کے پائیں صحن مسجد میں واقع ہیں۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما۔

ذکر شریف

اسرار حق را ماہر، قبلۂ ارباب مظاہر، شیخ وقت حضرت شاہ طاہر الدین محمد عرف شاہ طاہر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت موصوف شاہ حبیب اللہ قادری مسطور کے صاحبزادے تھے۔ آپ نے اپنے برادر بزرگ حضرت ولی اللہ سے سلسلہ قادریہ چشتیہ میں اجازت مریدی اور خلافت حاصل کی اور ان کے انتقال کے بعد ان کے قائم مقام ہوئے۔

مؤلف عاصی عرض کرتا ہے کہ اگرچیکہ حضرت شاہ طاہر میرے جد امجد کے معاصرین سے ہیں لیکن آپ کی طویل عمر کے باعث آپ اس عاصی کے پیر و مرشد کے دور تک بقید حیات تھے اسی بناء پر اس مشکوٰۃ آخر میں آپ کا ذکر تحریر کیا جا رہا ہے۔

غرض شاہ موصوف پیر پرستی میں بے نظیر تھے اور آپ نے کبھی سررشتہ دنیوی کو اپنی جانب راہ نہ دیا۔ چنانچہ راوی کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت شاہ ولی اللہ قادری پالکی میں سوار تھے اور حضرت شاہ طاہر اپنے مرشد کے ہمرکاب پا پیادہ نعلین اتارے ہوئے دیگر مریدین کی مانند کمر خدمت باندھے اور پایۂ تخت اٹھائے ہوئے عرق آلود ساتھ ساتھ تھے۔ اتفاق سے اثناء راہ میں پل بادشاہی پر حضرت شاہ محی الدین قادری کی پالکی سواری جو کہیں سے تشریف لا رہے تھے باہم ہوئی۔ دونوں بزرگ پل مسطور پر آپس میں ملاقی ہوئے اور کچھ دیر وہاں ٹھہر کر باہم کلمات حقائق ارشاد فرمائے۔ حضرت شاہ طاہر اس وقت اپنے مرشد کے کلام میں اس درجہ مستغرق تھے کہ آپ کی جانب توجہ نہ تھی آپ کی اس حالت کو دیکھ کر حضرت شاہ درویش محی الدین قادری اپنے صاحبزادگان سے مخاطب ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ برخورداران دیکھو شاہ طاہر الدین محمد اعتقاد اور پیر پرستی میں کس قدر ثابت قدم ہیں ہر چند کہ یہ شاہ ولی اللہ صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں لیکن ارادت میں اس نسبت برادری کو کبھی راہ نہیں دیتے اور دیگر خدام کی طرح اپنے شیخ کی خدمت کے لئے حاضر رہتے ہیں اور تم لوگوں کے کبھی ہمارے

ہاتھ پر وضو کا پانی تک نہیں ڈالا۔ دوسری خدمت کا کیا سوال ہے یہ سن کر آپکے صاحبزادگان جو ہمراہ رکاب تھے اپنا سر نیچے کر لیا۔ اسکے بعد حضرت درویش محی الدین قادری نے شاہ طاہر الدین محمد سے فرمایا تم صدق ارادت میں مرشد کی خدمت بجالاتے ہو انشاء اللہ تعالیٰ اس کے نتیجہ میں امرائے عظام تمہارے نعلین ہاتھ میں اٹھا کر چلیں گے۔

راوی کہتے ہیں کہ کچھ عرصہ میں حضرت مذکور کے حسب الحکم وحسب ارشاد ظہور ہوا اور بارہا امیر ہند نواب سراج الدولہ والاجاہ نے جو شاہ موصوف کے حلقہ ارادت میں داخل تھے آپ کو پالکی پہ سوار کر کے حصول سعادت کی غرض سے پاپیادہ نعلین ہاتھ میں لئے سواری کی ہمراہ چلتے۔

حضرت شاہ طاہر صاحب مرد مجاہد نفس کش، محقق وقت، صاحب تقویٰ، متشرع اور ریاضت وورع میں مشغول رہتے تھے۔ اکثر طالبوں کو درس علوم اور خط نسخ و خط شکستہ میں صلاح دیتے تھے۔

سید انوار اللہ اپنی تالیف میں لکھتے ہیں کہ حضرت موصوف تمام شب یاد الٰہی میں رہتے۔ اور نماز جمعہ کے لئے پاپیادہ مکہ مسجد تشریف لاتے بعد نماز سوار ہو کر گھر لوٹتے اور آپ کا یہ معمول اواخر حال اور توانائی تک قوت نہ ہوا۔ اور اگر کوئی آپ سے ملاقات کے لئے آتا تو آپ گھر سے باہر نکلتے اور بخلق تمام اس سے ملاقات فرماتے۔ پاس شریعت اس درجہ تھا کہ منہیات کو دیکھتے تک نہ تھے۔ ایام شباب سے ضعف تک نماز تہجد ناغہ نہ کی ہمیشہ باوضو با طہارت رہتے۔ الغرض حضرت کی ذات میں تمام مراتب زہد پائے جاتے تھے۔ کبرسنی اور ضعیفی کے باوجود دن اور رات کے اوراد و وظائف کبھی موقوف نہ کیا۔

آپ کے چھ صاحبزادے تھے جنکے نام حسب ذیل ہیں: شاہ قطبی صاحب، شاہ سرور صاحب، شاہ حاجی صاحب، شاہ ولی صاحب، اشرف صاحب اور نور صاحب لیکن ان کے منجملہ شاہ قطبی صاحب جو بڑے صاحبزادے تھے آپ سے اجازت مریدی اور خلافت حاصل کی اور آپ کے حکم پہ آپ کے روبرو جانشین ہوئے وہ بھی کمالات علمی میں مستعد وقت تھے خصوصاً علم حکمت میں فرد بے نظیر تھے لیکن وہ اپنے والد بزرگوار سے چند سال قبل رحلت پذیر ہوئے۔ حضرت شاہ طاہر صاحب کی وفات بتاریخ ۱۸ صفر المظفر سنہ ۱۲۱۰ھ واقع ہوئی اور آپ اندرون شہر حیدرآباد متصل کسارہٹہ صحن مسجد میں مدفون ہوئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

بدر اخلاق محمدی، مہر اشفاق حیدری، مجذوب کامل حضرت سید نور الدین اسحاق قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ کا لقب شریف پیر بادشاہ صاحب تھا۔ آپ کے والد سید محمد اسد الدین بن نور الدین محمد اسمٰعیل بن باباشاہ بن منتخب الدین بن احمد الجیلی بن سید علی بن سید مرتضیٰ بن سید مصطفےٰ بن احمد ثانی بن محمد بن محمد احمد صفوی بن سید محمد حسین بن محمد بن سیدنا عماد الدین ابی صالح نصر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے بیعت تھے۔

راوی کہتے ہیں کہ حضرت موصوف مجذوب کامل تھے اور اکثر شطحیات کہتے اور کرتے تھے ارباب ظرف سے بہت رغبت تھی۔ ہر وقت رقاصہ عورتیں آپ کی خدمت میں حاضر رہتیں اور ان کے منجملہ ہر ایک حضرت کی ایک علٰحدہ تصرف و کرامت کا تذکرہ کرتی ہے۔ الغرض کمال باطنی کے باوجود آپ ایسے ظاہری اطوار پر عمل پیرا تھے کہ انسان کے حواس اسکی سماعت سے باختہ ہو جائیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ حضرت کا دستور تھا کہ۔

تمام روز طوائفین کی صحبت رہتی اگر کوئی آپ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوتا تو آپ تحفہ شراب کی فرمائش کرتے اگر کوئی صادق الاعتقاد شخص ہوتا شراب حاضر کرتا تو مونہہ تک لے جاکر ایسے انڈیلتے کہ ریش مبارک اور سینہ پر سے ہوتی ہوئی تمام شراب زمین پر گر جاتی یعنی ایک قطرہ بھی منہ میں نہ جاتا۔ اگرچہ کہ بظاہر یہ محسوس ہوتا تھا کہ حضرت شراب کی جانب ملتفت ہیں۔ لیکن فی الحقیقت اس حرام مطلق شئے کو آپ زمین پر ڈالدیتے آپ صاحب باطن اور کاشف عالم غیب تھے۔

چنانچہ مؤلف عاصی عرض کرتا ہے کہ موضع نیلنگہ میں ایک ضعیفہ جسکو ایک مدت مدید سے خواہش تھی کہ وہ ہمارے پیر و مرشد (یعنی حضرت شاہ موسیٰ قادری) سے بیعت کرے اتفاقات زمانہ سے اس کی خواہش کی تکمیل نہ ہوئی تھی وہ بیمار ہوگئی اور اس نے اپنا وقت آخر جان کر حضرت موصوف کی خدمت میں بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوئی۔ آپ نے فرمایا اے ضعیفہ خاطر جمع رہ

انشاء اللہ تعالیٰ تجھے اس مرض سے شفاء ہوگی تجھے اس بزرگ (حضرت شاہ موسیٰ) سے ارادت ہے مجھے نہیں چاہیئے کہ میں تجھے دست بیعت دوں۔ اس ضعیفہ کا بیان ہے کہ اسی ہفتہ مجھے صحت کلی نصیب ہوئی اور میں بتوانائی تمام حیدرآباد کی جانب روانہ ہوئی اور حضرت پیر و مرشد شاہ موسیٰ قادری کی دولت قدم بوسی سے مشرف ہوکر آپ کے حلقہ مریدین میں داخل ہوئی۔ اس فقیر عاصی نے اس ضعیفہ کی زبانی یہ بیان سنا اور تحریر کیا۔

الغرض آپ اپنے وقت کے قطب تھے۔ آپ کی وفات سنہ ۱۱۹۹ھ میں واقع ہوئی اور قصبہ نیلنگہ میں آپ کا مرقد زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

حقیقت آگاہ، معرفت دستگاہ، شیخ وقت حضرت شاہ عبدالقادر عرف پیر بادشاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے۔ شاہ عبدالقادر بن شاہ عبدالرزاق ثانی بن شاہ ولی عباس بن شاہ عبدالرزاق بن شاہ ولی بن شاہ اسمٰعیل قطب الجلیل بن حضرت شاہ شمس الدین محمد ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت ولی عباس مسطور جو آپ کے جد امجد تھے قصبہ تیری سے میدک تشریف لائے آپ کے والد مجذوب کامل تھے۔ چنانچہ سید انوار اللہ اپنی تالیف میں تحریر کرتے ہیں کہ حضرت رزاق صاحب جذب سلوک میں اسیر تھے غلبہ حال کے سبب ان کے ہاتھ میں شمشیر برہنہ ہوتی۔ وہ ستر عورت بھی نہیں فرماتے تھے لیکن صاحب تصرف تھے اور ان کی ذات سے کئی خوارق عادت ظہور پذیر ہوئے۔ میدک کے کئی لوگ ان کی ولایت کے قائل ہیں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ علم کیمیا اور طبی عرض وغیرہما کے وہ ماہر تھے۔ ایسے سیف زبان تھے کہ جذب میں جو کچھ کہہ دیتے ہو بہو اس کا ظہور ہوتا۔ الغرض ان کے فرزند پیر بادشاہ صاحب مرتبۂ سلوک میں صاحب شریعت و طریقت تھے اور امور شرع و تقویٰ میں بے نظیر تھے معلومات حقائق میں قدرت کاملہ

حاصل تھی۔ مشیخت و بزرگی کا رعب آپ کی پیشانی سے نمایاں تھا۔ آپ کے ارشادات کو علماء و فضلا بلا چون و چرا قبول کر لیتے تھے۔ جام جہاں نما اور لوائح کی شرح ایسی تر دماغی سے فرماتے تھے کہ دوسرے ایسا کلام نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ ملاحت اور سخن طرازی آپ کے ارشادات کی زیبندہ تر صفت تھی۔

ایک اور راوی کا بیان ہے کہ جن ایام میں نواب نظام الدولہ مرحوم کا لشکر شہر بیدر میں تھا اس وقت حضرت موصوف اپنے خسر کے گھر میں اترے ہوئے تھے یہ بہترین مکان تھا جو رئیس وقت کی خیمہ گاہ سے متصل تھا۔ جس کی بناء پر شمشیر الملک اور ناظم حیدرآباد نے اپنی رہائش کے لئے رئیس مرحوم سے معروضہ کر کے حکم صادر کروایا کہ آپ اس مکان کو خالی کر دیں۔ شاہ موصوف پر غیرت فقر بدرجہ کمال غالب ہوئی۔ آپ نے فرمایا اس مکان کو خالی کر دیں یا شہر والے مکان کو خالی کر دیں ان دونوں باتوں میں سے جو منظور ہے کہو اس پر عمل کیا جائے۔ حاکم کے لوگوں نے آپ کو اس مکان سے باہر کر دیا۔ ایک ہفتہ نہ گذرا تھا کہ ناظم مسطور کی حویلی جو شہر حیدرآباد میں تھی سرکار کی جانب سے ضبط ہو گئی اس کے متعلقین کو اس حویلی سے باہر کر دیا گیا۔ اس روز سے شمشیر جنگ آپ کے معتقد ہو گئے۔

آپ کی وفات سنہ ۱۲۱۲ھ میں بتاریخ ۲۵ ذوالحجہ واقع ہوئی حضرت کی مزار قصبۂ میدک میں آپکے پدر بزرگوار کے روضہ کے متصل زیارتگاہ معتقدین ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

قبلۂ عالی مناصب، سید والا مناقب، غوث یگانہ، فرزند زمانہ، حضرت قادر بادشاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ سلسلۂ نسب حسب ذیل ہے۔

قادر بادشاہ صاحب بن سید مرتضیٰ بن شاہ مومن بن شاہ فقیر اللہ بن سید محمود بن عبدالرحمن محمد بن غیاث الدین محمد بن محمد بہاء الدین بن سید جلال الدین بن سید علی بن سید حسن الدین بن

سید محمد احمد صفوا ابی نصر محی الدین بن سیدنا حضرت عماد الدین ابی صالح نصر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم

راوی کہتے ہیں کہ شاہ فقیر اللہ موصوف خیر البلاد بغداد سے شہر گجرات تشریف لائے اور وہاں اقامت پذیر ہوئے۔ ان کے صاحبزادے شاہ مومن قادری وہاں سے دکن آئے اور موضع کیسر مرو میں سکونت اختیار کی ان کے صاحبزادے شاہ مرتضیٰ قادری ساکن کیسر مرو مشہور آفاق ہیں۔ الغرض حضرت بادشاہ صاحب اپنے وقت کے قطب تھے۔ ایام جوانی میں حالت سلوک میں رہے اسکے بعد آپ پر بدرجہ کمال جذب کا غلبہ ہوا اور آپ نے تمام علائق دنیاوی سے ترک تعلق کرلیا آپ کی عمر شریف نوّے سال سے متجاوز تھی۔ آپ نے تقریباً ساٹھ سال کے ریاضت و مجاہدہ کے بعد جذب کاملہ میں قدم رکھا۔ کسی میں اتنی قدرت نہ تھی کہ آپ کے روبرو آئے آپ کے چشمان مبارک بہت سرخ اور بڑی تھیں جن سے آنکھ ملانا دشوار تھا۔ باوجود جذب کے آپ خوش تقریر تھے اور آپ کے کلام سے آپ کی استعداد و قابلیت مترشح تھی۔ اکثر عربی میں نظم و نثر موزوں اور بے موزوں فرماتے۔ اور کبھی اس میں سے کچھ لکھ کر اسے دھو دیتے۔ مجاہد فی سبیل اللہ الحمید ٹیپو سلطان شہید آپ کے نہایت معتقد تھے اور اکثر اوقات اپنے دربار میں فرماتے تھے کہ قیام حکومت حضرت کے قدوم کی برکت سے ہے۔ حضرت بھی ان کے حال پر ملتفت تھے۔ وہ اپنے مصائب میں حضرت سے رجوع کرتے تھے اور آپ کی دعا اور استمداد باطنی سے اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے اور آخر حال میں انکی زوال سلطنت سے قبل آپ نے رحلت فرمائی۔

راوی میاں عمر خاں کا بیان ہے کہ میں سفر سرنگاپٹن میں حضرت کی دولت ملاقات سے مشرف ہوا اور سعادت دارین حاصل کی۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اگر حضرت صاحب باطن ہیں تو یہی آپ کا امتحان کامل ہوگا کہ مجھے میرے مرشد کے غلام کی حیثیت سے مخاطب فرمائیں اور کچھ میرے پیر و مرشد کی مدح فرمائیں۔ عمر خاں کہتے ہیں میں اسی خیال میں تھا کہ حضرت قادر بادشاہ صاحب نے میری جانب نظریں اٹھائیں اور فرمایا اے فلاں تم کھڑے کیوں ہو تم ہمارے بھائی کے مریدین سے ہو۔ شاہ موسیٰ صاحب کی ذات حیدرآباد میں مانند آفتاب ہے اور اس کے بعد مجذوبانہ کلمات کہنے لگے۔

اسی راوی کا بیان ہے کہ مجھے وہاں کے لوگوں سے معلوم ہوا کہ کوئی آپ کے روبرو نہیں جاتا اگر احیاناً کوئی مرید یا خادم حاضر خدمت ہوتا تو زیادہ دیر نہ ٹھہرتا ورنہ وہاں موجود ہر شئے سے اسکو

ضرب مار پڑنے لگتی۔ لیکن میں نے اپنے دل میں عہد کیا تھا کہ اگر حضرت ولی کامل ہیں تو مجھ پر خفا نہ ہونگے۔ بے شک یوں ہی ہوا۔ میں دو ساعت تک آپ کی خدمت میں حاضر رہا آپ نے بجز تبسم کے اور کچھ نہ کیا۔

آپ کی وفات سنہ ۱۲۰۹ھ میں واقع ہوئی مزار شریف آپ کے والد کے متصل قصبہ کیسرو میں زیارت گاہ خلق ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

عارف حق گو، واقف سرّ ہو، شیخ وقت حضرت شاہ غلام اللہ عرف سید ابرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ کے والد کا نام سید نجم الدین بن سید مبارک الدین تھا حضرت شاہ محمد غوث گوالیری کے نواسے تھے۔

چنانچہ سید انوار اللہ اپنی تالیف میں تحریر کرتے ہیں کہ حضرت شاہ محمد غوث کی صبیہ آپکے جد امجد سید مبارک الدین سے منسوب تھیں۔ الغرض سید انوار اللہ کا بیان ہے کہ سید ابرو بہت بزرگی سے موصوف تھے۔ گوالیر سے نقل مقام کر کے شہر خجستہ بنیاد میں سکونت اختیار کی شعر خوب فرماتے تھے شہر مذکور کے مشائخین آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے اور آپ کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ آپ سلیم الطبع اور فصیح اللسان تھے قوت بیان بوجہ احسن تھی پھر اس پر قدرت علمی اور متانت کلی حاصل تھی۔ بزرگوں کے اعراس و فاتحہ میں آپ بپابندی شریک ہوتے۔ آپکی عمر شریف تقریباً ایک سو سولہ ۱۱۶ سال تھی۔ لیکن آپ بظاہر (۷۰) سال یا اس سے کچھ کم عمر نظر آتے تھے۔

مؤلف عاصی حضرت موصوف سے سند کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے کہ حضرت موصوف نے شاہ امین الدین اعلیٰ سے شہر بیجاپور میں حضرت شاہ برہان راز الٰہی سے قصبہ برہان پور میں اور حضرت شاہ علی گنج گوہر سے قلعہ آلیر میں ملاقات فرمائی تھی اور مرزا عبد القادر بیدل سے ہندوستان میں

صحبت معاصرانہ رکھتے تھے۔ عندالتذکرہ آپ فرماتے تھے کہ یہ سب فقیر کے محبین سے تھے۔

حاصل کلام یہ کہ آپ نے اجازت مریدی اور خلافت اپنے پدر بزرگوار سے حاصل کی تھی میاں نجم الدین آبرو جو شعرائے ہند میں اعراف المعارف کی حیثیت کے حامل ہیں آپ کے ماموں ہوتے ہیں۔ فیض تربیت سخن اور مراتب تعلیم کی اصلاح انہی سے حاصل تھی۔ جب نظام الدولہ مغفور صاحبزادۂ آصفجاہ مرحوم حیدر آباد میں مسند ریاست پر جلوہ گر ہوئے تو حضرت بمبئی، اورنگ آباد سے حیدر آباد تشریف لائے اور یہیں کی سکونت اختیار کر لی شہر فرخندہ بنیاد حیدر آباد کے مشائخین بھی سید عزیزیعنے آپ کو بیحد معزز و مکرم رکھتے تھے۔ خصوصاً ہمارے حضرت پیر و مرشد سے اس درجہ کمال موانست تھی کہ ہر روز بلا ناغہ ایک بار نماز عصر کے وقت ملاقات کے لئے آتے تھے اور بہت دیر تک تشریف فرما رہتے اور شعر و سخن اور بزرگوں کا تذکرہ فرماتے تھے۔ اسکے علاوہ عجیب و غریب حکایات نقل فرماتے تھے۔ جنکے منجملہ بعض کا قیاس بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ آپ کا تصرف تھا کہ جب آپ کی یاد کی جاتی تو آپ اسی وقت اپنے چاہنے والوں کی اس محفل میں حاضر ہو جاتے۔ علماء کی مجلس میں عالمانہ گفتگو فرماتے اور کم سن بچوں سے انکے موافق کلام فرماتے۔ الغرض صاحب تصرف متوکل مستغنی مزاج اور آزاد مشرب تھے۔ ایک روز اس مولف ہیچمدان سے فرمایا کہ اے قبلۂ حاجات اسم ذات کا تصور ہر شئے میں موجود ہے۔ اس عاصی نے اسکے کُنہ اور کشف غوامض کی التماس کی آپ نے فرمایا کہ اشیائے موجودہ میں سے ہر چیز دو طرف وسعت رکھتی ہے یعنی چوڑی ہوتی ہے اسکے دونوں جانب الف مقصود ہوگا۔ اور اسکی چوڑائی خود الف کی حیثیت رکھتی ہے ان تین الف کی صورت سے اہل شہود کے لئے سارے موجودات میں اسم ذات موجود و مشہود ہے۔

حضرت کی وفات سنہ ۱۲۰۱ میں بتاریخ ۲۵ ربیع الاول واقع ہوئی آپ کی قبر شریف شہر حیدر آباد میں محلہ یاقوت پورہ میں آپ کی والدہ شریفہ کی قبر کے متصل ہے۔

رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ

ذکر شریف

قدوۂ دارین، زبدۂ کونین، شیخ وقت حضرت شاہ غلام حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت موصوف دس واسطوں سے جناب عالی سید الابدال لاأُبالی کے ہم جد تھے آپ کے والد کا نام نامی سید اسحٰق بن سید یعقوب بن سید حمید الدین بن سید محمد الیاس بن سید صدر الدین بن سید رکن الدین بن سید عبد اللہ بن سید محمد بن سید عبد الباسط بن سید شہاب الدین احمد تھا۔ حضرت شہاب الدین احمد مذکور کا ذکر حضرت لاابالی کے اجداد میں گزر چکا ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ حضرت شاہ غلام حسین نے ارادت و اجازت و خلافت قادریہ عالیہ حضرت شاہ علی رضا گجراتی سے حاصل کی اور خجستہ بنیاد اورنگ آباد میں تشریف لاکر وہیں سکونت پذیر ہوگئے۔

سید انوار اللہ اپنی تالیف میں کہتے ہیں کہ حضرت موصوف شیخ عصر اور مقتدائے زمانہ تھے۔ اکثر امراء اور اہل دولت آپ کے معتقد تھے۔ اور رعب مشیخت آپ پر ختم ہوگیا۔ علماء و فضلائے وقت مثلاً مولوی سید قمر الدین نقشبندی و شیخ الاسلام خان وغیرہما آپ کی مجلس میں ہر وقت حاضر رہتے اور جو کچھ مقدمات علمی آپ ارشاد فرماتے ان کی تصدیق کرتے۔ اگرچہ کہ آپ تحصیل علوم سے فارغ تھے لیکن علمائے زمانہ کو جو فارغ التحصیل تھے اپنا استادانہ کلام بتاتے اور فرماتے کہ فقیر نے فلاں کتاب پر کیا حاشیہ تحریر کیا ہے۔ کسی عالم کو آپ کے کلام پر اعتراض نہ تھا۔ یہ آپ کا تصرف تھا کہ جو کوئی آپ سے ملاقات کے لئے آتا بے ساختہ آپ کے پائے مبارک پر گرکر قدم بوس ہوتا۔ ایک عالم نے جب یہ واقعہ سنا تو کہا کہ یہ غلط باتیں ہیں اگر میں آپ سے ملاقات کروں گا تو بجز مصافحہ کے کوئی اور حرکت نہ کروں گا۔ الغرض وہ آپ کے امتحان کے لئے آیا۔ راوی کہتے ہیں کہ جب اس نے بغرض مصافحہ ہاتھ حضرت شیخ کو پیش کیا تو اسکے قدم لڑکھڑا

گئے اور اس کا سر حضرت کے قدوم مبارک پر گر پڑا۔ حضرت شیخ نے تبسم کیا اور آپ کے سر کو اپنے قدموں سے اٹھایا۔ اس روز سے عالم مذکور آپ کی ولایت کا مقر ہوگیا۔

راوی مذکور کا یہ بھی بیان ہے کہ حضرت حافظ قرآن اور خوش الحان تھے اور ماہ رمضان المبارک میں ایک رات میں قرآن ختم کرتے تھے۔

آپ نظم بھی محققانہ حضرت مولانا روم کی طرز پر فرماتے تھے۔ نواب ناصر جنگ شہید صاحبزادہ آصفجاہ مرحوم کو آپ کی جناب میں کمال رسوخ تھا۔ احکام شرع کی سختی سے پابندی فرماتے تھے اور آپ کی مجلس میں سماع نہ ہوتی تھی اور منہیات کا اس محفل میں کوئی دخل نہ تھا۔ کمال شرع ملحوظ خاطر تھی۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے سید جمال اللہ اور سید اسحٰق۔ لیکن آپ نے خلافت اپنے بڑے صاحبزادے شاہ جمال اللہ موصوف کو عنایت فرمائی اور اپنا قائم مقام کیا۔ یہ واقعی آپ کے فرزند خلف تھے اور آپ نے اپنی مثنوی میں حضرت مولوی معنوی کی طرح اپنے اس صاحبزادے کو اکثر مقامات پر خطاب کیا ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں ؎

اے جمال اللہ ز اللہ ہوش گیر
شاہد مقصود در آغوشش گیر

دوسرے صاحبزادے سید اسحٰق آزاد مشرب تھے۔ الغرض آپ کے کمالات خارج از تحریر ہیں۔ آپ کی وفات سنہ ۱۱۷۶ھ میں واقع ہوئی قبر شریف شہر خجستہ بنیاد اورنگ آباد میں چیلہ پورہ کی جانب زیارت گاہ خلق ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

قدوۂ بذل عرفان باللہ، اہل ایمان من اللہ، قبلہ وقت، حضرت شاہ برہان اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ سادات رفاعیہ سے تھے اور آپ کے والد کا نام اور سلسلہ نسب حسب ذیل ہے:۔

سید غلام حسین بن عبد الستار بن شاہ برہان بن شاہ میراں ثانی بن شاہ برہان بن شاہ میراں بن شاہ برہان الدین بن شاہ معین الدین شاہ منجھلے بن شاہ ضیاء الدین عبد الکریم بیابانی بن سید شاہ علی المعروف سانگھڑے سلطان الی آخرہ ۔

صاحب پنج گنج فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ عبد الستار قندھاری مرحوم سانگھڑے سلطان کی اولاد سے ہیں اور ان سے میرے والد کی ہمشیرہ منسوب ہیں آپ کے تین فرزند تھے ایک اشرف صاحب جو مرد بزرگ تھے دوسرے سید غلام حسین جو کامل، شامل اور کاسب تھے ان کے تین فرزند تھے ایک شاہ عبد الستار ثانی جو ۱۱۹۰ھ میں قندھار میں فوت ہوئے۔

دوسرے شاہ برہان اللہ اور تیسرے شاہ سرور جو اہل طریقت و عرفان ہیں۔ شاہ عبد الستار کے تیسرے صاحبزادے سید ہاشم مشائخ اعظم تھے شاہ عبد الستار مذکور نے نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ کے ہمراہ شہر احمد آباد گجرات میں وفات پائی اور آپکی قبر اسی جگہ ہے۔

حاصل کلام یہ کہ عارف باللہ شاہ برہان اللہ کو سلسلہ رفاعیہ میں اجازت و بیعت اپنے پدر گرامی سے حاصل تھی آپ شاغل، ذاکر اور صاحب ریاضت و مجاہدہ تھے۔ حضرت موصوف کو کسب نصیری میں استغراق کلی حاصل تھا اور آپ خمس الاوقات اس میں مشغول رہتے تھے۔ جو کوئی آپ کو دیکھتا فوراً اسے شغل محمود کا تصور ہوتا۔

مؤلف عاصی تحریر کرتا ہے کہ ہمارے حضرت پیر و مرشد (یعنی حضرت شاہ موسیٰ قادری) کو آپ سے بہت موافقت قلبی تھی اور دونوں میں صحبت محرمانہ رہتی تھی۔ جس میں اسرار الٰہی کے متعلق کلمہ و کلام ہوتا تھا۔

سید انوار اللہ اپنی تالیف میں کہتے ہیں کہ شاہ موصوف قندھار کے ساکنین سے تھے۔ اتفاق زمانہ سے قصبۂ مذکور سے اپنے متعلقین کے ہمراہ حیدر آباد آئے اور چار محل بادشاہی کے پاس خانقاہ کی بنا ڈالی اور یہیں سکونت پذیر ہوئے۔ کسب درویشی، علم تصوف، اور معلومات حقائق پر قدرت کاملہ کے حامل تھے۔ طالبان الٰہی کو راہ خداوندی سے روشناس فرماتے تھے اور اکثر تشنگان طریقت کو آپ نے اس میدان کا مرد بنا دیا۔ ایک عالم آپ کے فیض عام سے بہرہ مند معرفت ہوا۔ آپ کمال بزرگی سے موصوف تھے۔ آپ کے برادر خورد شاہ سرور حسینی بھی محقق وقت تھے جو شان مشیخت کے حامل تھے۔ اور آئین درویشی کو جن کے وجود سے رونق تمام

حاصل تھی ۔ شاہ برہان صاحب کی وفات کا صحیح ماہ وسن معلوم نہ ہوسکا ۔ آپ کی قبر قندھار میں زیارت گاہ عالم ہے ۔ شاہ سرور صاحب کی وفات سنہ ۱۲۰۷ھ میں بتاریخ ۷ رجمادی الثانی واقع ہوئی ۔ اور آپ کی قبر متصل چارمحل مذکور خانقاہ مسطور میں ہے ۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۔

ذکر شریف

کاشف سر مکتوم، مظہر صفات ہو القیوم، فرد وقت حضرت شاہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شاہ معصوم صاحب اور شاہ اسمٰعیل صاحب ایک دوسرے کے ہم عصر تھے اور دونوں مجذوب سالک تھے ۔ شہر قمر نگر عرف کرنول کے رہنے والوں سے تھے ۔ ایک روز یہ دونوں بزرگ راستے سے جارہے تھے کہ سرکار نواب کہ سرکار نواب رنمست خاں مرحوم حاکم کرنول کا فیل بان آیا اور عرض کیا کہ رات سے سرکار کا ہاتھی سوگیا ہے اور بیدار نہیں ہوتا فی الحقیقت وہ ہاتھی رات میں مرچکا تھا جس کو پوشیدہ رکھ کر اس حسن تقریر سے بیان کیا گیا ۔ جب ان دو شاہ با قدرت نے اس کیفیت کی سماعت فرمائی تو ایک دوسرے سے کہا آؤ اس سوئے ہوئے ہاتھی کو جگائیں چنانچہ یہ دونوں اس مردہ ہاتھی کے پاس پہونچے ۔ اس وقت ایک عورت سر پہ تیار روٹی لے جارہی تھی ۔ شاہ معصوم صاحب نے اس میں سے کچھ روٹی لی اور اسے گول کرکے ہاتھ میں رکھ لی اور شاہ اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ تم ہاتھی کی دم پکڑے رہو اس پر اسمٰعیل صاحب جلدی سے آگے بڑھے اور ہاتھی کی دم پکڑ لی ۔ شاہ معصوم صاحب نے سونڈ کی جانب کھڑے ہوکر اس روٹی کے گولہ کو یا حیّ یا قیوم کے ساتھ ہاتھی کے سر پہ دے مارا ۔ حاکیٔ روایت کہتے ہیں یا حیّ کا یہ نعرہ ایسا باہیبت تھا کہ سارے حاضرین لرز اٹھے اور اس روٹی کے گولے کی ضرب گویا ضرب توپ ثابت ہوئی اور وہ ہاتھی فوراً سر ہلاتا کھڑا ہوگیا اور اسے نئی زندگی مل گئی ۔ یہ حکایت شہر قمر نگر میں مشہور ہے ۔

شاہ اسمٰعیل صاحب کا یہ تصرف ہے ۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت موصوف کی ماں آپ کے لئے

کھانے پکانے کا انتظام کرتی تھیں اور آپ اپنی والدہ کو طباخہ یعنی باورچن پکارتے تھے اتفاق اور قضاء الٰہی سے آپ کی والدہ رحلت پذیر ہو گئیں اس وقت حضرت وہاں موجود نہ تھے۔ جب شاہ اسمٰعیل صاحب نے اپنی والدہ کی رحلت کی خبر سنی تو میت کے پاس تشریف لائے اور کہا کہ اے طباخہ تم چلی جاؤ گی تو ہمارا کھانا کون پکائے گا یہ مناسب نہیں لگتا۔ پھر آپ اپنی والدہ کے قریب آئے اور ان کے کان میں بآواز بلند یا حکیم یا حکیم یا حکیم کہا بلفظ سیوم آپ کی والدہ زندہ ہو گئیں۔ آپ نے فرمایا کہ اے طباخہ جب تک میں زندہ ہوں تم بھی زندہ رہو اور جب میں اس جہاں سے چلا جاؤں میرے جانے کے ایک ماہ بعد تم بھی چلی جاؤ تو مناسب ہے۔

راوی تحقیق سے کہتے ہیں کہ آپ کے اس سخن و کلام اور قدرت و حکمت الٰہی سے مائی صاحبہ آپ کے عین حیات تک زندہ تھیں اور جب شاہ صاحب موصوف نے رحلت فرمائی تو اسی طرح ایک مہینہ بعد آپ کی والدہ فوت ہوئیں۔

الغرض یہ دونوں بزرگ صاحب تصرفات ظاہری تھے۔ شاہ معصوم کا ایک اور تصرف یہ تھا کہ جب اہل ہند یعنی لوہار آپ کے روبرو حاضر ہوتا تو آپ اس سے فرماتے کہ اے فلاں میرا سب بدن خود میرا سرکش اور نافرمان ہے ایک لوہے کی سیخ لاؤ تاکہ تسکین حاصل ہو اس کے بعد آپ سر جھکاتے اور ساری سیخ سر میں اتار لیتے اسی طرح آپ کے تمام اعضائے بدن میں آہنی سیخیں تھیں اور آپ کے انتقال کے بعد آپ کے بدن سے تقریباً ایک سو لوہا نکال کر آپ کو دفنایا گیا۔ حضرت موصوف فقرائے گروہ موسیٰ سہاگ سے تھے۔ آپکی وفات کا صحیح علم نہ ہو سکا۔ آپ کی اور شاہ اسمٰعیل صاحب کی قبریں شہر کرنول میں جلوہ گاہ خلق ہیں۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما۔

ذکر شریف

مجذوب کامل حق بین مقبول ارباب یقین، فرد زمانہ حضرت شاہ مسکین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

راوی کے مطابق آپ سادات بخاری سے تھے۔ آپ کا نام سید محمد بخاری تھا۔ گردش زمانہ کے باعث آپ اپنے اصل وطن سے جو اقامت گاہ سادات ہے جدا ہوئے اور اپنی والدہ شریفہ کے ساتھ شہر قمر نگر میں وارد ہوئے اور چند دن مولوی حسین صاحب کے مکان میں سکونت پذیر رہے۔ درحقیقت آپ ولی مادرزاد تھے۔ اور آپ کی مزاج ابتدا سے ریاضت کیش تھی۔ بارہ سال کی مدت تک ایک بڑے لکڑی کے تنے پر جو ایک کنویں کے کنارے واقع تھا ایک پہلو پر استراحت فرماتے رہے۔ اسکے بعد غلبۂ عشق الٰہی اور طلب حق میں ارکاٹ کی جانب روانہ ہوئے اور شاہ معصوم قدس سرہ سے بیعت حاصل کی۔ جو حضرت شاہ علی گنج گوہر کے مرید تھے اور وہ شاہ پیر محمد قادری کے اور وہ چند واسطوں سے حضرت شاہ محمد ملتانی کے ارادت مند تھے۔ جب مسکین شاہ نے شاہ معصوم مذکور سے بیعت کی تو ہر روز اپنے مرشد سے معرفت حق طلب کرنے لگے۔ ایک مدت اسی طرح گذر گئی۔ شاہ موصوف نے آپکے جوش اور طلب حق کے بارے میں اپنے مرشد کو آگاہ کیا۔ شاہ علی گنج گوہر نے جب آپ کو ظرف قابل پایا تو چند دن بغرض امتحان لیت و لعل میں رکھنے کے بعد ایک روز اتفاق حسنہ سے حضرت شاہ علی گنج گوہر مذکور جو آپ کے مرشد کے مرشد تھے ستر بند کا کپڑا یعنی اپنا لنگوٹ آپکو دھونے کے لئے دیا۔ وقت فیض آچکا تھا۔ حضرت موصوف یعنی مسکین شاہ نے اسکو دھونے کے بعد اسکا پانی نچوڑ کر تمام کا تمام نوش فرمالیا۔ فی الفور آپ کی نظروں سے حجابات دور ہوگئے اور انوار حقائق منکشف ہونے لگے اور کہا جاتا ہے کہ آپ کی کیفیت ہی تبدیل ہوگئی اور آپ نے اپنے دادا پیر کا لنگوٹ منہ میں لے کر پارہ پارہ کردیا اور اسے بھی تناول فرماگئے۔ جس سے آپ پہ جذب کاملہ طاری ہوا اور آپ والہ اور شیفتہ حضرت موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب شاہ علی گنج گوہر آپ کی حالت سے واقف ہوئے تو شاہ معصوم کو تعلیماً فرمایا کہ تم

ڈیلے کے ویسے رہ گئے اور جو نعمت تھی وہ یہ دیوانہ مسکین لے گیا۔ الغرض آپ کچھ دن اسی مقام پر دیوانوں کی طرح پھرتے رہے۔ چنانچہ ایک روز چند مسافر درویش آپ کی خانقاہ میں اترے اور کہیں ان کی دعوت ہونے پر وہ لوگ خانقاہ میں اپنے بستر رکھ کر دعوت میں چلے گئے اور آپ کو اپنے بستروں کی پاسبانی اور نگہبانی کے لئے چھوڑ گئے۔ شاہ مسکین صاحب نے ان کے تمام بستروں کو آگ لگا دی۔ جب وہ لوگ واپس ہوئے اور اپنے بستروں کو جلا ہوا پایا تو شور و غوغہ کرنے لگے۔ حضرت نے فرمایا کہ اے درویشو تم کس لئے شور کر رہے ہو تمہارا مدا یعنی نقدی تو صحیح و سالم ہے۔ یہ سب آپ کے اس کلمہ سے منفعل ہو گئے اور آپ کو مارنا چاہا۔ حضرت موصوف وہاں سے اٹھ کر سیدھے عازم قمر نگر ہوئے۔ جب دوسری دفعہ آپ کرنول میں وارد ہوئے اس وقت نواب ہمت بہادر وہاں کا حاکم تھا اور منور خاں ان کے چھوٹے بھائی تھے۔ حضرت موصوف کبھی کبھی ان کے مکتب میں تشریف لے جاتے اور کچھ ارشادات فرماتے تھے۔ نواب منور خاں مرحوم کو اسی وقت سے آپ پر اعتقاد تھا۔ ایک روز آپ اپنے دستور کے موافق وہاں تشریف لائے تو نواب مسطور نے بیعت کا ارادہ ظاہر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے اب تک میرا کونسا تصرف دیکھا جو مجھ سے بیعت کا ارادہ کر لیا۔ صبر کرو انشاء اللہ جس وقت تم کو اس شہر کا حاکم بنا دوں گا اس وقت بیعت دوں گا۔ منور خاں نے عرض کیا مولا کیا میری تقدیر میں ایسا واقع ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بیشک تمہیں اس ملک کا حاکم کر دیا گیا ہے۔ اس روز سے خان مذکور آپ کے بے حد معتقد ہو گئے۔ ایک روز آپ تشریف لائے تو منور خاں اپنی تکالیف عرض کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا اس وقت مصلحت یہی ہے کہ اس ملک سے باہر نکل جاؤ اور میں تمہارے ہمراہ رہوں گا اس کے بعد جو چاہو گے اسکا ظہور ہوگا۔ چنانچہ خان موصوف نے جو صادق الاعتقاد تھا آپ کے اشارہ پر اپنے برادر بزرگ سے اجازت چاہی نواب ہمت بہادر نے شوکتِ دولت کے مدنظر ان کو رخصت کر دیا۔ الغرض منور خاں اپنی والدہ کے ساتھ مسکین شاہ صاحب کے ہمراہ تل گھاٹ کی جانب روانہ ہوئے وہاں کے حاکم نے با عزت و توقیر اپنے پاس رکھا۔ کچھ عرصہ بعد نواب ہمت بہادر، ہدایت محی الدین نبیرہ آصفجاہ مرحوم کے مقابلہ میں مارے گئے اور شہر کرنول ان کے قبضۂ تصرف سے رئیس دکن کے حصہ میں آیا۔ جب یہ بات منور خاں نے

ستی تو موقعہ غنیمت جان کر انہوں نے ایک جماعت فراہم کی اور قمر نگر میں مقابلہ و مقاتلہ کا ارادہ کیا اور قلعہ قمر نگر حاصل کر لیا۔ جس شخص نے سب سے قبل ہاتھی پر سوار ہو کر قلعہ کے دروازہ پر حملہ کیا وہ مسکین شاہ تھے۔ الغرض قلعہ آپ کی برکت سے مفتوح ہوا اور خان مذکور آپ کے حلقۂ بیعت و ارادت میں داخل ہو گئے۔ یہ آپ کا پہلا تصرف ظاہری تھا۔ اور اس کے بعد آپ سے کئی خوارق عادات ظاہر ہوئے۔

جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اوائل کشف میں ایک روز آپ ایک خندق میں گر پڑے جس کے اطراف کئی خونخوار نگر مچھ گشت لگا رہے تھے۔ تین روز تک آپ اس خندق میں رہے۔ نواب منور خاں اور دیگر لوگوں نے گمان کیا کہ آپ کو نگر مچھ نے کھا لیا ہوگا۔ مجبوراً تیسرے روز تمام اہل ارادت اسباب زیارت مہیا کر کے خندق کے کنارے فاتحہ کے لئے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ شاہ موصوف ایک بڑی نگر مچھ کی پیٹ پر سوار پانی سے برآمد ہوئے اور سب متحیر رہ گئے۔

ایک اور راوی کا بیان ہے کہ شاہ معصوم اور شاہ مسکین مجذوب ایک دوسرے کے معاصر تھے۔ ایک روز شاہ مجذوب کو خیال گذرا کہ وہ اندرون شہر مدفون ہیں معصوم شاہ آپ کے خیال پر واقف ہو گئے اور فرمایا کہ مسکین تمہاری جگہ اندرون بلدہ نہیں تم قلعہ کے بیرون رہو۔ اور ایک جگہ اشارہ فرما کر کہ میں نے یہ ایک قبر کی زمین یہاں کے مالک اور فرمانروا جناب شاہ لطیف لاابالی کی اجازت سے اندرون قلعہ لے لی ہے۔ اور تمہاری جگہ بیرون بلدہ ہے۔ تم یہاں نہ رہو گے۔

راوی کہتے ہیں کہ آخر ایسا ہی ہوا۔ شاہ معصوم اسی مقام پر جس کی انہوں نے نشاندہی کی تھی اندرون قلعہ آسودہ ہیں اور شاہ مسکین کی قبر بیرون بلدہ ہے۔ حضرت کی وفات ماہ رمضان المبارک میں واقع ہوئی۔ آپ کا مرقد قلعہ قمر نگر کے بیرون میں نبی پورہ سمت مغرب واقع ہے۔ جو زیارت گاہ خلق ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ذکر شریف

عارف باللہ، ہادی خلق اللہ، مقتدائے وقت حضرت شاہ رحمت اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

راوی کے بموجب آپ سادات حسینی سے تھے۔ آپ کے پدر بزرگوار ولایت توران سے اقلیم ہندوستان وارد ہوئے اور کچھ عرصہ تک نواب آصفجاہ مرحوم کی رفاقت میں رہنے کے بعد موضع بلکانون میں جو بلدہ دارالظفر بیجاپور کے مضافات میں واقع ہے سکونت اختیار کی۔ وہیں انہوں نے عقد مناکحت کی اور اسی کے بطن سے حضرت شاہ موصوف عالم وجود میں آئے آپ کی والدہ آپ کے سن بلوغ کو پہونچنے سے قبل ہی رحلت کر گئیں۔ آپ کے والد نے دوسرا عقد نہیں کیا جس کے باعث آپ کو والدہ ثانی سے سابقہ نہ پڑا۔ اسی بنا پر آپ نے وہاں سے ہجرت فرمائی اور قصبہ کرنول میں اپنی خالہ کے پاس چلے گئے۔ آپ کی خالہ نے تمام مراسم شفقت ادا کئے۔ اور آپ کی تربیت فرمائی۔ اور دقایق شفقت کے منجملہ کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا آپ نے ان سے جلد ہی مکمل تربیت پائی اور آپ کے تمام حرکات و سکنات کتاب و سنت کے موافق ہو گئے۔ اس کے بعد عالم روزگار میں آپ کو حاکم کرنول کے پاس دو گھوڑوں کی منصب حاصل ہوئی۔ لیکن ان ایام میں بھی آپ بجز عبادت اور تلاوت کے اور کوئی کام نہ کرتے تھے ایک گھوڑے کی آمدنی فقرا پر صرف فرما دیتے دوسرے گھوڑے کی آمدنی اپنی ضروریات پر خرچ کرتے۔ یکایک آپ پر طلب حق کا جاذبہ طاری ہوا اور آپ سید علی بیجاپوری کی خدمت میں پہونچے اور بیعت و ارادت حاصل کی۔ سید موصوف اکابر سادات سے تھے اور بطور سیاحت وہاں وارد ہوئے تھے۔ ہر چند کہ آپ نے ان کے ارشادات کی تکمیل کی لیکن آپ کا جو مقصود تھا وہ آپ کو حاصل نہ ہوا۔ ایک مدت تک یہی حالت رہی، ایک روز بین النوم والیقظہ کی حالت میں خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جمال جہاں آرا سے مشرف ہوئے۔ آنحضرت علیہ السلام نے اپنا دست مبارک آپ کے سینہ پر ملا اور فرمایا اے رحمت اللہ حرمین شریفین پہونچو اور سید اشرف مکی کی جانب اشارہ کر کے ارشاد فرمایا کہ اس شخص سے مکہ میں اپنا حصہ ولایت کر لو۔ کہتے ہیں کہ

سید اشرف آپ کے انتظار میں تھے۔ حضرت موصوف نے بشارتِ غیبی کے بعد اپنے دونوں گھوڑے فروخت کر دئے اور اس سے جو رقم ہاتھ آئی اس میں سے کچھ ورثہ کو دی اور باقی راہِ خدا میں صرف کر کے بتجرید تمام عازمِ حرمین شریفین ہوئے۔ راستہ میں میلاپور میں سید حامد رفاعی سے جو طریقہ رفاعیہ کے مشائخین عظام سے تھے ملاقات کی اور استفادہ کی التماس کی۔ سید موصوف نے فرمایا کہ آپ کا حصہ حضرت رسالت پناہ علیہ السلام کے اشارہ کے بموجب سید اشرف کی کی خدمت میں حاصل ہوگا۔ لیکن وہاں سے مراجعت کے بعد جو کچھ میرے پاس ہے وہ میں عرض کروں گا۔

راوی دیگر کا بیان ہے کہ حضرت موصوف بعض اوقات فرماتے تھے کہ حرمین الشریفین کے راستہ میں ایک عالمِ ظاہر ہمارا ہمسفر تھا جب ہم سید احمد میلاپوری کی خدمت میں پہونچے تو انہوں نے فرمایا ایک سنگریزہ اور ایک جوہر حرمین الشریفین جا رہا ہے لیکن جب یہ وہاں پہونچیں گے تو بالعکس ہوگا۔ یعنی سنگریزہ جوہر ہو جائے گا اور جوہر سنگریزہ۔ بے شک ایسا ہی ہوا کہ اس عالمِ ظاہر نے واپسی کے وقت امرائے نامدار کے منجملہ ایک امیر کی صحبت اختیار کی اور تمام دنیوی نعمتیں حاصل کرلیں اور حضرت شاہ رحمت اللہ نے ترکِ ماسوی اللہ پر عمل کیا۔ اور یادِ الٰہی میں مستغرق ہوگئے۔ الغرض بلیوار سے کشتی میں بیٹھ کر ساحل پر پہونچے اور وہاں سے دو روز میں مکہ معظمہ زادہ اللہ شرفاً و تعظیماً پہونچے اور مراسمِ حج ادا کئے اور عمرہ بجا لائے۔ پھر سید اشرف مکی کی تلاش میں نکلے اور سید موصوف کو جبل ابی قبیس پر پایا کہ وہ سر اپنے زانو پر رکھے مراقبہ اور مشاہدہ میں مستغرق ہیں۔ بعد ازاں جب انہیں افاقہ ہوا تو حضرت شاہ رحمت اللہ نے باادب تمام ان کے روبرو حاضر ہو کر السلام علیکم کہا۔ سید موصوف نے بھی آپ کو پہچان لیا اور جواباً وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہا۔ اور بغیر پرسشِ احوال کے فرمایا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے بموجب میں ایک مدت سے تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا اب جلدی کرو اور اپنی امانت حاصل کرلو۔ حضرت موصوف نے مشائخین کے طریقے کے بموجب فوراً ایک دوگانہ ادا کیا اور تجدیدِ بیعت اور راہِ سلوک کی ابتدا فرمائی۔ سید اشرف نے آپ کی عالی استعداد و قابلیت کے پیشِ نظر چالیس روز میں آپ کو تمام مراتبِ سلوک ارشاد فرما دئے اور اس کے بعد خرقۂ خلافت پہنا کر رخصت کیا اور فرمایا کہ اس سے زیادہ کی فرصت نہیں اس قدر اصول تمام مراتب کا اجمال ہیں اگر تمہیں تفصیل منظور ہو تو سید عبدالقادر بیجاپوری سے

سے حاصل کرلو جو میرے خلیفہ کامل ہیں۔ اس کے بعد حضرت شاہ رحمت اللہ سید موصوف کی خدمت سے رخصت لی اور پھر مناسک حج کی ادائیگی فرمائی اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ روضہ مقدسہ کی زیارت کے حصولِ سعادت کے بعد اپنے وطن مالوف کا ارادہ کیا اور سورت کی بندرگاہ پر اترے وہاں پر شاہ علی رضا گجراتی نے آپ سے طریقہ نقشبندیہ میں بیعت کی اور آپ نے شاہ صاحب مذکور سے خاندانِ قادریہ کا فیض حاصل کیا۔ اور پھر اسی بندرگاہ سے راہی کرنول ہو گئے۔ وہاں پر آپ نے کچھ عرصہ کے لئے قیام فرمایا اور دو تین آدمی آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور آپ کی صحبت کی تاثیر سے درجہ کمال کو پہنچے۔ ان ایام میں شہر کرنول کے بیرون میں ایک متبرک مزار تھی آپ اسکی زیارت کے لئے گئے تو وہاں دیکھا کہ ایک بدعتی درویش کچھ بدعت کر رہا ہے حضرت نے اسے منع فرمایا۔ اس درویش نے قبول نہ کیا۔ آخر میں حضرت نے تنبیہ و تعذیر سے کام لیا اور اپنے مکان آگئے اس درویش نے اپنے سرگروہ سے رجوع کیا پھر ان تمام درویشوں نے متفقہ طور پر غلو کیا حضرت نے ان کی حرارت میں کمی کے بعد کچھ دن کے لئے نندیال گئے اور مسجد قلعہ کے متصل سکونت اختیار کی۔ وہاں ایک بت پرست کافر تھا اپنے بت کو شب گشت کے لئے نکالا۔ حضرت نے اس بت کو توڑ دیا جس پر تمام کفرۃ الفجر نے ہنگامہ برپا کیا اور آپ کے لئے وہاں قیام کرنا دشوار ہو گیا۔ چنانچہ آپ کڑپہ تشریف لے گئے اور ایک مسجد میں قیام فرمایا۔ وہاں پر رات میں ایک بدعتی نوشاہ جو رنگین پاجامہ میں ملبوس تھا بارات کے ساتھ اس مسجد میں داخل ہوا۔ حضرت کو حمیت دین طاری ہوئی۔ اور آپ نے مسجد میں موجود پتھروں سے تمام باراتیوں کو سنگبار کر دیا۔ اس حالت کے مشاہدہ سے وہاں کے ساکنین نے عرض کیا کہ یہ مقام حضرت کی سکونت کے لائق نہیں۔ چنانچہ آپ وہاں سے اٹھے اور ارنا سمندر کے قریب ایک پہاڑ پر پہونچے جو ویرانہ میں واقع ہے۔ اور اس کے اوپر درخت اور نیچے آب رواں تھا۔ آپ نے وہاں سکونت اختیار کی۔ چند روز آپ اسی پہاڑ پر رہے اور ایک عالم نے آپ سے فیوضات ظاہری و باطنی حاصل کئے۔ سید عبد القادر خاں قلعہ دار نے اودگیر سے جو کوہ مسطور سے بارہ میل کے

فاصلہ پر واقع ہے آکر بیعت کی اور چاہا کہ اپنی جاگیرات سے دو چار قریات آپ کی نذر کرے آپ نے قبول نہ کیا۔ آپ نے اس پہاڑ کے اطراف کی زمین خرید کر چند مواضع تعمیر کیے اور اس موضع کو جو زیر کوہ واقع ہے رحمت آباد کے نام سے موسوم کیا اور ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔ آپ اس مسجد میں نماز با جماعت ادا کرتے تھے اور بدعتی کی نیاز ہرگز قبول نہ فرماتے تھے کلام حقائق آپ کی زبان پر نہ آتا تھا۔ جلوت میں احادیث، تفسیر اور فقہ سے ہٹ کر کوئی بات نہ ہوتی تھی۔ اور خلوت میں اپنے مریدین سے رموز حقائق بیان فرماتے تھے۔ اہل بدعت کو اپنی مجلس میں آنے نہ دیتے۔ حقائق و معارف میں آپ وجدان عالی کے حامل تھے۔

چنانچہ ایک روز نصیر الدولہ مغفور علمائے متبحر کے منجملہ ایک عالم مثنوی خواں اور اپنے حاشیہ برداروں کے ساتھ آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ مثنوی کی ابیات کے منجملہ ایک بیت سمجھ میں نہیں آتی اور اسکا حل حضرت کی ذات کے علاوہ اور کہیں نہیں مل سکتا۔ آپ نے فرمایا کہو۔ نصیر الدولہ نے کہا کہ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

جملہ معشوق ست و عاشق پردہ ⁂ زندہ معشوق است و عاشق مردہ

حضرت نے فرمایا کہ نصیر الدولہ، عاشق سے اعیان ثابتہ مراد ہے اور معشوق سے مرتبہ احدیت مراد ہے۔ اعیان ثابتہ بحکم الاعیان الثابتہ ماشمت رائحۃ الوجود۔ وجود کی بو تک نہیں سونگھتے بلکہ وہی ذات ہے جو چند لباس میں متلبس ہوتی ہے۔ اس عالم نے درمیان میں اس بیت کی اہل ظواہر کے طور پر تشریح کرنی شروع کی تاکہ قاصر جی کے فہم و ادراک میں آپ سے فائق ہو جائے۔ آپ پر غیرت فقر طاری ہوئی اور جوش میں آکر آپ نے فرمایا کہ مولوی یہ درست ہے نہ وہ۔ پھر فرمایا کہ قال سے حال کی جانب رجوع ہونا چاہیئے اور فوراً مراقب ہو گئے۔ تمام حاضرین پر استغراق طاری ہو گیا یہاں تک کہ کوئی اپنے میں نہ رہا اور سب بے ہوش ہو گئے۔ اس حالت نے طول کھینچا اور حضرت خلوت میں تشریف لے گئے۔ نصیر الدولہ مرحوم عالم بیخودی میں اپنے گھر چلے گئے۔

راوی کا بیان ہے کہ یہ حالت ہر کسی پر تین روز اور بعض پر ایک یا دو مہینے بقدر حوصلہ باقی رہی اور اس عرصہ میں یہ تمام کے تمام چشم گریاں اور دل بریاں کی حالت میں رہے۔

ایک اور کرامت مولوی رفیع الدین صاحب روایت کرتے ہیں جو حضرت شاہ رحمت اللہ

کے خلیفہ ہیں کہ فقیر نے انا سمندر کے رہنے والے بیشتر لوگوں سے سنا ہے کہ ایک رات ایام بارش میں قصبۂ مذکور کا بڑا تالاب بند ٹوٹ گیا وہاں کے لوگ سراسیمہ ہوکر فرار ہونے لگے۔ جب یہ بات حضرت نے سماعت فرمائی تو آپ جلدی سے اس مقام پر تشریف لے گئے جہاں سے بند ٹوٹ گیا تھا وہاں کھڑے ہوکر آپ نے تمام اہل قصبہ کو آواز دی جس پر ان لوگوں نے خیال کیا کہ فقیر ڈوب رہا ہے کیونکہ اس تیز بہاؤ میں ہاتھی کو بھی ٹھہرنے کی طاقت نہ تھی۔ چنانچہ ایک جم غفیر وہاں جمع ہوگیا اس کے بعد حضرت نے ایک اینٹ اس سوراخ میں لگادی جہاں سے پانی آرہا تھا اور فوراً پانی بہنا بند ہوگیا اسکے بعد پتھر اور مٹی سے اسکو محکم کر لیا گیا۔

اسی راوی کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت موصوف مسافرین کے لئے ایک عمارت کی تعمیر میں مشغول تھے فقیر نے تین چار طلبہ کے ہمراہ حضرت کی خدمت میں جا کر سلام کیا آپ نے سلام کے جواب کے بعد فرمایا کہ اس سے قبل میں بندۂ حق تھا اور اب بندۂ خلق ہوں جس سے اس جانب اشارہ تھا کہ آپ نے وحدت سے کثرت کی جانب رجوع کیا اور خلق کی کارِ اجرائی میں مصروف ہوئے یعنی یہ آپ کا نزول تھا۔

اسی راوی کے مطابق اثنائے سلوک میں ایک عقدہ پیش آیا جس کو حل کرنے سے قاصر ہو کر میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ کی خانقاہ قوم متصدیان و احباب سے بھری ہوئی تھی۔ میں باادب خاموش تھا کہ ان لوگوں سے اثنائے تکلم میں آپ کی نظر مجھ پر پڑی اور وہ عقدہ کھل گیا۔ اور نسبت کا ایسا غلبہ ہوا کہ میں گر پڑا آپ نے تبسم کے ساتھ فرمایا کہ ابھی سفر چاہیئے یعنے سلوک میں رہو۔ ان ایام میں فقیر یادداشت مسمیٰ کا عمل کر رہا تھا آپ کی توجہ سے حضور فی الحضور کا معاملہ اور حقائق دائمہ کھل گئے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کام بہت ہے اور باقی بہانہ۔ سالک کو چاہیئے کہ تمام حرکات و سکنات اور عادات و عبارات جو سنت کے ذریعہ اخذ کئے ہوں ان سے غافل نہ ہو اور کوئی کام بغیر محنت نہیں ہوتا۔

راوی مذکور بیان کرتے ہیں خود آپ بھی اپنے اس علو و کمال کے باوجود کسی وقت مشغولی سے خالی نہ ہوتے بلکہ آپ کی حیات خود شغل ہو چکی تھی۔

راوی مسطور بیان کرتے ہیں کہ جب آپ کی عمر (۸۰) سال سے متجاوز ہوگئی اور ایک عالم آپ کی ذات با برکات سے فیضیاب ہوگیا تو آپ سید عبدالقادر خاں مذکور کی استدعا پر قلعہ اودگیر میں رونق افروز ہوئے اور وہاں بخار اور درد سر میں مبتلا ہوئے اور آپ کی پیشانی پر ایک بڑا زخم ہوگیا اس بیماری میں بھی آپ کو بجز استغراق کے کوئی اور کام نہ تھا۔ اور آپ نے کبھی ایک نماز با جماعت تک فوت نہ کی۔ جب وقت آخر قریب آپہنچا تو آپ نے ضروری نصائح اور ارشادات فرمائے اور کسی کو اپنا جانشین نہیں کیا۔ اسی اثناء میں آپ کی محل نے عرض کیا کہ اپنے مکان میں کسی کو خلیفہ فرمائیں آپ نے جواب دیا کہ میرے بہت سارے خلفاء ہیں جہاں کہیں میری نعمت کا ظہور رہو وہی میرا خلیفہ ہے۔ ہم رضاء الٰہی کے تابع ہیں اور اس امر میں سنت نبوی کی متابعت کرتے ہیں کہ آنحضرت علیہ السلام نے بھی اپنی حیات میں اپنے خلیفہ کا تعین نہیں فرمایا تھا۔ صحابہ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع کیا۔ حاصل کلام یہ کہ ایک ماہ بعد اسی بیماری سے قلعہ اودگیر میں بروز پنجشنبہ بوقت غروب آفتاب بتاریخ ۲۶ ربیع الاول سنہ ۱۱۹۵ھ آپ جوار رحمت میں داخل ہوئے۔

شب جمعہ بوقت ایک پاس شب آپ کو غسل دیا گیا۔ غسل کے وقت آپ کا دل صنوبری متحرک اور ذاکر تھا جس کو تمام حاضرین نے معائنہ کیا۔ دوسرے روز یعنی بروز جمعہ آپ کا جنازہ لایا گیا اور شب شنبہ کو رحمت آباد میں صحن مسجد میں آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کا مزار مقدس نزول رحمت کا مقام ہے۔ حضرت سید اشرف مکی کی وفات مکہ معظمہ میں ماہ ذوالحجہ سنہ ۱۱۴۹ھ میں واقع ہوئی ان کی قبر جنت معلیٰ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے قبہ کے پیچھے واقع ہے۔ وہ شاہ محمد طاہر کے مرید و خلیفہ تھے جو شاہ محمد کے اور وہ شرف الدین مقبلی کے اور وہ شیخ آدم بنوری کے اور وہ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے مرید و خلیفہ تھے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔ اسکے علاوہ آپکو سلسلہ قادریہ عالیہ، سلسلہ شطاریہ اور سلسلہ رفاعیہ میں بھی اجازت بیعت تھی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ذکر شریف

افضل المتاخرین، قدوۃ الکاملین، شیخ وقت حضرت مولوی شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے پدر بزرگوار کا نام محمد شمس الدین تھا۔ اور قصبہ قندھار میں تولد ہوئے۔ جو سرکار نادیر صوبہ محمد آباد سے متعلق ہے آپ کا سن ولادت سنہ ۱۱۲۴ ہے آپکے والد مرد صالح تھے۔ روضہ حضرت بندگی مخدوم حاجی سیاح سرور المسمی سید سعد الدین رفاعی کی مسجد میں معتکف تھے کہ حضرت مخدوم نے عالم خواب میں ایک رکابی طعام عنایت فرما کر بشارت دی کہ تمہیں فرزند ہوگا اس کو میرا نام رکھنا۔ چنانچہ بعد ایام حمل آپ کی والدہ صالحہ جو طریقہ قادریہ عالیہ میں بیعت تھیں نماز فجر کے بعد تلاوت قرآن میں مصروف تھیں کہ آپ تولد ہوئے۔ حضرت موصوف کے حکم کے بموجب آپ کا نام غلام رفاعی رکھا گیا اور عرفیت محمد رفیع الدین تجویز ہوئی۔

راوی کا بیان ہے کہ قدرے شعور آنے کے بعد آپ کو اپنے وطن مالوف میں اقارب کے منجملہ کسی کی خبر نہ رہی۔ چودہ سال کی عمر میں آپ شرح ملا جامی تک پہونچے تھے کہ حضرت مخدوم موصوف نے عالم رویا میں آپ کو ایک کتاب عنایت فرمائی اور یادداشت مسمی کے ذکر میں مشغول کیا۔ چنانچہ بچپن ہی سے آپ کی نسبت معلومہ جاری ہوگئی۔ پس آپکا طریقہ اویسی ہے اور آپ حضرت مخدوم کی روح پرفتوح سے مستفید ہوئے۔ اگرچہ کہ اس نسبت شریفہ کی تعبیر تمام حضرت عارف باللہ حاجی رحمت اللہ کی صحبت پر موقوف تھی۔

راوی دیگر بیان ہے کہ جب آپ پر طلب علم کا جاذبہ طاری اور مستحکم ہوا تو آپ نے اورنگ آباد کا سفر کیا اور مولوی سید قمر الدین صاحب مرحوم کی خدمت میں پہونچے اور ان کے فرزند سید نور اللہ، حضرت سید غلام قادر وغیرہ اور دیگر علماء سے ابتداء سے حاشیہ قدیم اور بیضاوی تک فراغ پائی اور پھر والد بزرگوار کے طلب کرنے پر قندھار ہوئے۔ پھر حضرت مخدوم کے استخارہ کے بموجب مرشد کامل کی تلاش میں رحمت آباد گئے اور حاجی رحمت اللہ

نقشبندی القادری کی خدمت میں ایک سال تک سلوک میں مصروف رہے بعد طریقہ قادریہ نقشبندیہ وغیرھما میں اجازت پائی اور خرقہ خلافت زیب تن کیا بوقت مراجعت بعض طلبہ کی تربیت کے لئے پانچ سال تک حیدر آباد میں قیام کیا اور پھر وہاں سے مکہ معظمہ زاد اللہ شرفاً و تعظیماً اور مدینہ منورہ گئے تین سال تک صحاح ستہ وغیرہ کتب احادیث محمد بن عبد اللہ مغربی اور دیگر مشائخین سے جو اس وقت حرمین شریفین میں تھے استفادہ کیا اور پھر قندھار لوٹے۔ اسی سال حضرت امام حسین علیہ السلام، حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ اور حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہٗ کے اسمائے گرامی پر خانقاہ کی بنیاد ڈالی اور اس میں مقیم ہو گئے آپ کا وجود باعث برکت ہے تا وقت تحریر بقید حیات اور ارشاد فرمائے طالبان ہے حق تعالیٰ آپ کو دیر گاہ سلامت رکھے۔ یہ دو شعر حضرت کے موزوں کردہ ہیں ؎

یا ربا محرومم و مشتاق دیدارم ہنوز — میدہی اے دل چرا در وصل آزارم ہنوز
خواندہ ام بر لوحِ دل حرفِ تجلی کسے — محو از خود گشتہ ام محتاج تکرارم ہنوز

مد اللہ ظلہ

ذکر شریف

زبدہ اصحاب صفا۔ قدوۂ ارباب تقا۔ فخر علماء حضرت مولوی سید نور العلیٰ اعلی اللہ تعالیٰ شرفہ

آپ قوم سادات سے ہیں اور آپ کے آباء و اجداد کرام اعیان خجند سے تھے۔ آپ کے اجداد سے سید ظہیر الدین خجند سے سیر کناں ہندوستان آئے اور امن آباد میں قیام کیا۔ جو لاہور کے توابع سے ہے۔ مولوی رفیع الدین صاحب اپنے تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ کچھ دنوں کے بعد سید محمد نے جو سید ظہیر الدین کے پوتے تھے دیار دکن کا عزم کیا۔ سید محمد مذکور کے فرزند سید عنایت اللہ عرفاء اور طائفہ اولیاء کے خواص سے تھے۔ طریقہ نقشبندیہ

مولانا شیخ مظفر برہان پوری کے خلیفہ تھے جو شیخ محمد معصوم بن مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے ارادتمندوں سے تھے۔ وہ شہر لاہور میں متوطن ہوئے جو صوبہ برار کے توابع سے ہے اور راہ حق کے طالبین کی رہنمائی فرمائی۔ انکی "شمع بہشت" تاریخ وصال رکھی گئی ہے۔ ان کے صاحبزادے سید منیب بھی اکابرین سے تھے انہوں نے بھی اپنے اسلاف کرام کا طریقہ جاری رکھا اور وہ بالاپور سے اورنگ آباد تشریف لائے اور اسے اپنا وطن بنالیا۔ لیکن آخری عمر میں پھر بالاپور لوٹے اور جوار رحمت میں داخل ہوئے۔ تاریخ وفات "متوجہ بہشت" ہے۔ ان کے خلف صدق مولوی سید قمر الدین نے اپنے زمانہ شباب میں کلام اللہ حفظ کیا اور تحصیل علوم کے ذوق میں اورنگ آباد کے علماء وغیرہ کی خدمت میں درسی کتب پڑھیں اور علوم شرعی و عقلی پر عجیب قدرت کاملہ حاصل کرلی جس کا احصاء اس تحریر میں نہیں ہوسکتا۔ ان کی علو شان کی دلیل ان کی کتاب "مظہر النور" ہے جو مسئلہ وجود پر ہے اور دوسری تصنیف "نور اللمعین" جس میں اکثر مسائل دین درج ہیں۔ ان کے تین نامدار صاحبزادے تھے یعنی مولوی سید نور الہدیٰ، مولوی سید نور العلےٰ سید نور المصطفیٰ اور سید نور اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

مولوی سید نور العلیٰ شمع خاندان اور خلاصہ دودمان تھے اور آپ کے کمالات و فضائل احاطہ تحریر سے باہر ہیں۔ آپ کا شمار مشاہیر علماء وقت میں کیا جاتا ہے اور آپ مقتدائے اہل سنت ہیں۔ آپ کا وہ فضل و کمال ہے کہ آپ کو مجتہد وقت کہا جاتا ہے پاس شریعت اور زہد و تقویٰ آپ کی ذات میں حد سے زیادہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ بسند صحیح مروی ہے کہ جس روز سے آپ کے بڑے صاحبزادے نے خدمت صدارت سنبھالی ہے آپ نے ان کے گھر میں کھانا اور پینا ترک کردیا اگر اتفاق سے ان کے گھر سے کچھ آجائے تو آپ اسکو واپس فرمادیتے ہیں۔ ضعف حال اور پیرانہ سالی کے باوجود آپ اپنے گھر سے مسجد تک پاپیادہ آکر نماز خمسہ باجماعت ادا فرماتے ہیں۔ طریقہ نقشبندیہ اور سلسلہ قادریہ عالیہ میں اپنے والد سے سند رکھتے ہیں۔ اور انہی دونوں طریقوں میں اجازت و خلافت حاجی رحمت اللہ نقشبندی سے بھی حاصل ہے شہر خجستہ بنیاد اورنگ آباد کی خرابی کے باعث بالفعل آپ بلدہ حیدرآباد میں رونق افزائے مسند ارشاد ہیں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

عاشق پرجوش، سالک خاموش، محقق وقت، حضرت شاہ غلام احمد کمبل پوش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

راوی کا بیان ہے کہ آپ اپنے پدر بزرگوار شاہ غلام الحق کے مرید و خلیفہ تھے۔ جو شاہ عبدالرسول خدا نما کے مرید و خلیفہ تھے آپ کو اپنے والد ہی سے خاندان قادریہ عالیہ چشتیہ اور نقشبندیہ کی نعمتیں حاصل تھیں۔ طریقہ شطاریہ میں آپ کو شاہ مجدد الدین شطاری سے خلافت تھی جو حضرت شیخین صاحب کے خلفاء میں فرد کامل مانے جاتے تھے جنکا ذکر اس سے قبل تحریر پا چکا ہے۔ بدو شعور سے حضرت کا ذہن عالی تھا۔ نو سال کی عمر میں آپ نے قرآن حفظ کیا اور جب عمر شریف بارہ سال ہوئی تو علم ظاہری کے آپ فارغ ہو گئے۔ اور آپ کے والد آپ کو آصفجاہ سے ملانے لے گئے۔ آصفجاہ مرحوم نے کہا کیا تم نے توضیح و تلویح پڑھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دو سال قبل میں نے اس سے فراغت پائی۔ آصفجاہ نے آپ کے حسن بیان پر وجد کیا اور کہا کہ اے لڑکے تم اپنے وقت میں یا تو علامہ ہونگے یا پھر مرد حق رس ہونگے۔

مولف عاصی عرض کرتا ہے کہ میں نے حضرت عموی سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ جب حضرت موصوف اورنگ آباد سے فرخندہ بنیاد حیدرآباد تشریف لائے تو آپ کے ہمراہ فصوص نہ تھی۔ آپ کو اس سے اس قدر انس و قدرت تھی کہ آپ نے اپنے دوستوں سے کہا کہ جہاں کہیں فصوص ملے لے کر آؤ۔ کئی طرف سے فصوص کی جلدیں آئیں لیکن سب غلط تھیں مجبوراً آپ نے اپنے حفظ کے موافق لکھنا شروع کیا۔ چند فص لکھے جا چکے تھے کہ آپکے خاص مطالعہ کی کتاب اورنگ آباد سے آگئی۔

ہر سال بہ دور تراویح ایک کلام اللہ ختم فرماتے تھے اور یہ آپ کا تصرف تھا کہ کہیں بھی آپ کو سکتہ یا سہو واقع نہ ہوتی۔ آپ نماز کی امامت نہیں فرماتے تھے۔ حضرت عموی فرماتے ہیں ایک روز اس فقیر نے اس کی وجہ دریافت کی آپ نے فرمایا کہ اسکی وجہ ہے

بلکہ وجہ کہا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اس آن آپ نے مجھے عشاء کی نماز تک رخصت نہ ہونے دیا اور جب عشاء کی اذان ہوئی تو آپ مصلا شریف پر آئے اور امامت فرمائی۔ سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد آپ نے سورہ بقر شروع کیا اور ایک رکعت میں آدھا قرآن پڑھنے کے بعد نماز تمام کی اور سلام کے بعد میری جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ یہ ان وجوہ کے منجملہ ایک وجہ ہے۔

علم دعوت اور اسمائے عظام کی شرائط کی آپ نے تکمیل فرمائی اور علم حقائق میں بھی آپ بے نظیر تھے۔ رسالہ "مراۃ العارفین" کا آپ نے تیس (۳۰) سال کی تحقیق کے بعد لفظ بلفظ فارسی ترجمہ کیا۔ شرح کافی پر بھی آپ نے حل متن تحریر کیا ہے جس سے آپ کی استعداد کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت عموی سید شاہ محمد مدنی قادری دام ارشادہ نے حضرت سے درس میں سند لی ہے۔ اور اس مؤلف عاصی کو حضرت عموی سے سند حاصل ہے۔ الغرض آپ طالبان حق کے مرشد کامل اور رہنمائے طریقت تھے۔ حضرت کی وفات بتاریخ ۲۲ شوال المکرم سنہ ۱۲۰۲ھ میں واقع ہوئی۔ کسی نے مادہ تاریخ "غلام احمد نیک" کیا ہی خوب کہا ہے۔ آپکی قبر شریف اندرون شہر حیدرآباد بطرف مشرق زیارت گاہ خلق ہے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

قدوۂ اربابِ یمن، زبدۂ اصحابِ علن، تارکِ وقت حضرت غلام حسن عرف شاہ ابن صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

صاحب پنج گنج کہتے ہیں کہ حضرت موصوف حضرت شیخ احمد کے چھوٹے صاحبزادے تھے جن کا ذکر شریف اس سے قبل گذر چکا ہے۔ آپ اپنے والد بزرگوار کے مرید و خلیفہ تھے اور علم دعوت اور جواہر خمسہ کی سند بھی اپنے والد سے حاصل فرمائی اور زاں بعد حیدرآباد تشریف لائے اور چالیس سال تک ایک مقام انزوا پر ایسے گوشہ نشین رہے کہ کوئی آپکے سامنے ضرورتاً ہی حاضر ہوتا۔ آپ گفتگو بہت کم فرماتے تھے اور ہمیشہ خلوت نشین اور گوشہ گزیں رہے۔ اہل خانہ اور اولاد کی جانب بہت کم متوجہ ہوتے۔ وقت رحلت تک آپ صومعہ

سے باہر نہ آئے اور تمام اوقات یاد الٰہی میں بسر کی۔ حضرت کی وفات بتاریخ ۱۴ ذیقعدہ سنہ ۱۲۱۴ھ واقع ہوئی۔ آپ کی قبر شریف اندرون شہر حیدرآباد محلہ دبیرپورہ میں زیارت گاہ خلق ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

شیخ عالی مقام، شاہ خوش خرام، قلندر مشرب، حضرت شاہ نظام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ اپنے پدر گرامی شاہ غنی صاحب مرحوم کے مرید و خلیفہ تھے جن کا تذکرہ اس سے قبل کیا جا چکا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ شاہ نظام کی مزاج شطحیات کی جانب مائل تھی۔ آپ کے اخراجات محض توکل پر ہوتے اور آپ اکثر اپنا وقت درویشوں کے ساتھ بسر فرماتے بیشتر لوگ آپ کے مرید اور معتقد تھے اکثر آپ کلام رندانہ بے باکانہ ارشاد فرماتے تھے امور شرعیہ کی جانب کم توجہ دیتے تھے۔ الغرض آپ سالک ملامتی وضع اور ایسے آشنائے دم قدم تھے۔ آخر وقت تک پاس دم کا سررشتہ نہ ٹوٹنے پایا۔ آپ کی وفات سنہ ۱۲۰۸ھ میں بتاریخ ۵ رجب المرجب واقع ہوئی۔ آپ کی قبر آپ کے پدر بزرگوار کی مزار کے متصل روضۂ حضرت شاہ امین صاحب میں بطرف پائیں واقع ہے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

سید عشق مقیم، مظہر لطف عمیم، موحد زماں، حضرت شاہ ندیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت شاہ ندیم، شاہ بہاء الدین سہروردی عرف شاہ بھتو میاں صاحب کے مرید و خلیفہ تھے جنکی

آپ سے منسوب تھیں۔ راوی کا بیان ہے کہ شاہ ندیم صاحب کو معلومات صوفیہ میں قدرت کاملہ حاصل تھی۔ آپ خوش گو اور خوش بیان بھی تھے۔ صاحب ذکر و فکر و حال تھے۔ اکثر اوقات ذکر شوق میں صحرا کا بھی ذوق فرماتے چنانچہ آپ اپنے مرشد کی رحلت کے وقت موجود نہ تھے۔ حاضرین وقت نے شاہ صاحب موصوف کو کوہ زین الدین شبلی پر جو شہر حیدرآباد کے بیرون مغرب کی جانب ہے ایک بڑ کے درخت کے نیچے دفن کر دیا۔ چھ مہینے بعد شاہ ندیم مرحوم تشریف لائے اور فرمایا میں نہیں چاہتا کہ میرے مرشد کی میت دوسروں کی زمین میں مدفون ہو ہر چند لوگوں نے آپ کو اس امر سے روکا تو آپ نے فرمایا کہ اس عاصی کے پیر و مرشد بھی اپنے مرشد کے انتقال کے وقت سفر میں تھے۔ چند مہینوں کے بعد انہوں نے اپنے مرشد کی لاش مبارک کو اس مقام سے نکالا اور نماز جنازہ پڑھ کر دوسری جگہ مدفون کیا۔ فقیر اس وقت موجود تھا اور میں نے یہ معاملہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ان کا تن مبارک صحیح و سالم برآمد ہوا تھا۔ نوازش علیخاں شیدا نے جو آپ کے معتقد تھے اس بارے میں بہت اختلاف کیا کہ یہ حرکت خلاف شرع ہے لیکن حضرت موصوف نے اپنے مرشد کی میت کو لحد سے نکالا اور اسی پہاڑ کے دامن میں اپنی خریدی ہوئی زمین میں دفن کیا جو مسجد کے روبرو واقع ہے۔

حضرت عموی فرماتے ہیں جب آپ نے اپنے مرشد کو قبر سے نکالا تو اس وقت یہ فقیر حاضر تھا ان کی میت بالکل تر و تازہ لحد سے برآمد ہوئی یہاں تک کہ کفن پر ایک بال برابر داغ نہ تھا اس کے بعد دو اشخاص نے مل کر آپ کی میت کو لحد میں اتارا۔ حضرت شاہ ندیم کی وفات سنہ ۱۲۱۰ھ میں بتاریخ ۱۱ر شوال المکرم موضع کھٹر لہ میں واقع ہوئی۔ آپ کی قبر آپ کے مرشد کی مزار کے متصل طواف گاہ عالم ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

مظہر آثار خالق اللہ، مصدر لطف اللہ، متوکل وقت حضرت شاہ عنایت اللہ شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ حضرت شاہ محفوظ صاحب کے بڑے فرزند اور مرید و خلیفہ تھے جنکا ذکر حضرت سید محمد مدنی

کلاں کے خلفاء میں گذر چکا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ شاہ موصوف طریقہ قادریہ عالیہ شطاریہ میں حظ وافر رکھتے ہیں۔ آپ اپنے پدر بزرگوار کے بعد ان کے سجادہ نشین ہوئے اور بیرونق تمام جلوہ مشیخت کو زینت بخشی۔ مرد متواضع خلیق اور بلند ہمت ہیں۔ خاندان حضرت لاابالی کے خلفاء میں آپ کی ذات ستودہ صفات بہت غنیمت ہے آپ تاحین تقریر بقید حیات ہیں۔

مد اللہ عمرہٗ وزاد عرفانہ

ذکر شریف

مقبول دارین، محمود کونین، سالک مجذوب حضرت شاہ حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ کو شاہ حسین لکڑ کہا جاتا ہے۔ آپ کے والد ماجد قصبہ نادیڑ میں ہیزم فروشی کرتے تھے۔ چنانچہ صاحب تیج گنج کہتے ہیں کہ آپ ہیزم فروش کے فرزند شاہ عبدالقادر عرف میاں صاحب کے جو حضرت شاہ ملتانی بیدری کی اولاد سے تھے مرید تھے۔ ایک روز عاشورہ ماہ محرم کو علم کے سامنے لاٹھی گھما رہے تھے کہ ایک شخص آپ کے مقابلہ پر اتر آیا اور ضرب لگائی جس سے آپ بے ہوش ہوگئے ایک ہفتہ کے بعد آپ کا زخم مندمل ہوا تو آپ کا سابقہ حال نہ رہا۔ اور آپ سے کئی خوارق عادات ظہور پذیر ہونے لگے اور کئی لوگ آپ کے مرید ہوگئے۔ اکثر اوقات آپ لکڑی کا گٹھا صحرا سے لاتے اور بازار میں فروخت کرتے یہی وجہ حلال کا کرشمہ تھا کہ آپ پر فتوحات کا باب کھل گیا اور آپ صاحب تصرف ہوگئے۔ آپ نے نو سو روپیہ کی تانبے کی بڑی دیگیں بنوا کر رکھی تھیں جس میں چھ مہینے سے دسویں مہینے تک اس قدر کھانا پکتا کہ آدھا نادیڑ اسے تناول کرتا اور دیگر مقام پر ایک دیگ رکھوائی تھی جس سے بقیہ آدھا نادیڑ مستفید ہوتا۔ الغرض آپ بے ریا اور بے طمع شخص تھے۔ تونگروں اور امراء سے سخت گوئی سے پیش آتے آپ کے ارشادات کی تعمیل کو اہل دنیا اپنے لئے باعث سعادت خیال کرتے تھے۔ اکثر سماع سنتے اور ایسا وجد و حال فرماتے کہ تین یا چار گھنٹوں تک بے ہوش رہتے اور مطلق برہنہ ہوکر

صحرا میں گشت لگاتے بایں حالت کہ آپ کے منہ سے کف جاری رہتا۔ بعد ازاں جب افاقہ ہوتا تو ستر کا کپڑا پہنتے۔ اگر راہ میں کوئی ضعیف اور ناتوان اپنے سر پر لکڑی کا گٹھا اٹھائے نظر آتا تو آپ اس کا گٹھا اپنے سر پر لے لیتے اور اسکے گھر تک پہونچا دیتے۔ اکثر فرماتے تھے کہ میں حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کی درگاہ کے مطبخ کا باورچی ہوں۔

مولف عاصی عرض کرتا ہے کہ آپ ہمارے حضرت پیر و مرشد سے قلبی موافقت رکھتے تھے جب کبھی حضرت شاہ موسیٰ قادری نواب خاں عالم خاں کی رسوخ عقیدت کی بناء پر قصبہ بسنت نگر جاتے تو قصبہ نادیڑ میں آپ سے ملاقات فرماتے۔ چنانچہ حضرت پیر و مرشد فرماتے تھے کہ جب میں پہلی دفعہ نادیڑ گیا تو آپ ایک طبق سر پر لئے تشریف لائے جس میں گرم طعام تھا۔ لوگوں نے کہا کہ شاہ حسین صاحب یہی بزرگ ہیں فقیر نے چاہا کہ آپ کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو۔ آپ نے کہا برائے خدا آپ حرکت نہ کریں۔ فقیر نے خدا کا واسطہ دینے سے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی حضرت موصوف خود تشریف لائے اور بجوش تمام مجھ سے ملاقات فرمائی۔ فقیر نے کہا کہ شاہ صاحب کیا آپ کا مزاج شریف حقہ پینے پر مائل ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ عاصی حقہ، بھنگ، افیون، معجون وغیرہ سب استعمال کرتا ہے۔ چنانچہ اس فقیر نے آپ کی حقہ سے تواضع کی۔ آپ نے کہا کہ میں کش نہیں لوں گا اسلئے کہ میں اس جانب مائل نہیں۔ حضرت شاہ موسیٰ قادری فرماتے ہیں کہ اس کے بعد فقیر نے کہا کہ پان حاضر ہے اگر آپ چاہیں تو تناول کریں۔ آپ نے فرمایا میں اس شرط پر کھاؤں گا کہ مجھے پان کا اگال مرحمت ہو۔ میں نے اس سلسلہ میں عذر خواہی کی اور کہا کہ یہ عاصی ہیچمداں اور جاہل محض ہے اسکے یہ لب و دہاں نہیں کہ آپ کی خدمت میں اگال پیش کرے۔ شاہ صاحب موصوف حاضرین مجلس کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ لوگو تم حضرت سے کہو کہ یہ مجھے اگال عنایت فرمائیں۔ فقیر نے کہا کہ اس مجمع میں سے کوئی شخص مجھے آپ سے زیادہ عزیز نہیں جب میں نے آپ سے معذرت چاہی تو پھر دیگر افراد کی کیا حیثیت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کے لئے مرحمت فرمائیے۔ حضرت شاہ موسیٰ قادری فرماتے ہیں کہ مجبوراً میں نے آپ کے حسب خواہش کچھ پان کھا کر آپ کو دیا، شاہ موصوف نے اسکو تناول کیا اور چند تشکریہ اور دعائیہ کلمات فرمائے۔

جب دوسری دفعہ حضرت پیر و مرشد شاہ موسیٰ قادری نے قصبہ بسنت نگر کا قصد فرمایا تو

نادیڑ بھی تشریف لے گئے۔ اس وقت خواجہ مومن خان، نواب نظام علی خاں مرحوم کی جانب سے ادیگیر کا حاکم تھا۔ اس نے جب آپ کی وہاں تشریف آوری کے تعلق سے سنا تو کہلا بھیجا کہ اگر حضرت کل یہاں قیام کریں تو مجھے طلب فرمالیں کیونکہ میں آپ سے ملاقات کا مشتاق ہوں حضرت کو اس کا یہ بے معنیٰ پیام ناگوار ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ بے شک اہل دنیا اور امراء کو فقیروں سے ملاقات کا اشتیاق ہوتا ہے لیکن درویش کو ان سے ملاقات کی آرزو نہیں ہوتی فقیر کل کوچ کر جائے گا۔ اسلئے کہ مجھے یہ مقام ٹھیک نہ لگا۔ اس کے قاصد نے حاکم کے سامنے آپ کا ارشاد بعینہ کہہ سنایا جس سے وہ ناخوش ہوا۔ اور بہت غضب آلود ہو گیا۔ الغرض دوسرے روز حضرت شاہ موسیٰ قادری نے رخصت سفر باندھ لیا اور دریائے لنگ جاکر چاہتے تھے کہ اسکو عبور فرمائیں کہ اس اثناء میں شاہ حسین مذکور تشریف لائے اور دور ہی سے آواز دی کہ کیا حضرت کوچ فرما رہے ہیں آج ایک دن ٹھہر کیوں نہیں جاتے۔ حضرت موسیٰ قادری نے فرمایا کہ شاہ صاحب مہربان اب میرا سفر کا ارادہ ہے اس قصبہ کے حاکم کو بھی میں نے جواب دیا ہے اور بالفعل اب یہاں قیام کرنے سے موافقت نہیں ہوتی شاہ صاحب موصوف نے حاکم مذکور کی نسبت کہا کہ حضرت من جھک مارتا ہے۔ آپ میری خاطر رک جائیں۔ حضرت شاہ موسیٰ نے اپنے خادمین سے مال برداروں کو واپس بلا لینے کے لئے فرمایا۔ اور شاہ حسین مذکور آپ کو اپنے مقام لے گئے جو ایک ٹیلہ پر واقع تھا۔ اور جس کو اب ٹیگری کہتے ہیں اور بتکلف تمام آپ کی ضیافت فرمائی۔ چار شبانہ روز محفل سماع گرم رہی جس میں اطراف واکناف کے سب لوگ حاضر تھے۔ حاسدوں نے صورت واقعہ ناظم نادیڑ کو کہہ سنائی۔ وہ بہت برفروختہ ہوگیا اور بنا بر کوفت حضرت شاہ موسیٰ کے مریدین کے سامنے جن میں سے اکثر ذکور و اناث اس کے ملازم تھے کہنے لگا کہ تمہارے مرشد امور منہیات شرعی کی جانب متوجہ ہیں جو ان کی مشیخت اور بزرگی کے شایان شان نہیں حضرت کے مریدین نے اپنی ملازمت کی خاطر مہر سکوت اختیار کیا۔ پانچویں روز حضرت من شاہ موسیٰ قادری علیہ الرحمہ نے حضرت شاہ حسین سے رخصت لی اور عازم بسنت نگر ہوئے شاہ حسین نے رخصت کے وقت حضرت شاہ موسیٰ کو پالکی میں سوار کرنے کے بعد اپنے دوش مبارک پر پالکی اٹھائی۔ نصف میل تک ہمراہ رکاب سعادت رہے۔ اس کے بعد رخصت کر کے

واپس ہوئے اور جو کچھ پارچہ وغیرہ بطور نذر لائے تھے حضرت شاہ موسیٰ کے ہمراہ کیا۔

حاصل کلام یہ کہ حضرت شاہ موسیٰ نے دریا عبور کرنے کے لئے ابھی قدم بڑھائے بھی نہ تھے کہ حاکم مذکور کی رئیس دکن کی جانب سے معزولی کا حکم بہ تشدّد تمام آپہونچا۔ اور حضرت شاہ موسیٰ کے مریدین جو اسکے ملازم تھے مدعو ہوئے اور کہنے لگے کہ نواب صاحب بزرگوں سے باادب رہنا چاہیئے اور ان کے احوال پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔ خواجہ مومن مذکور نے حضرت کے تصرف پر اقرار کیا اور اپنے قصور پر منفعل ہوا۔

الغرض والمقصود حضرت شاہ حسین اکثر سالک اور مجذوبان کامل سے تھے کہاں تک آپکے تصرفات قلمبند کئے جائیں۔ آپ کی تاریخ وفات نظر سے نہیں گذری۔ حضرت کا مدفن اسی ٹیلہ مذکور پر واقع ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

سالک راہ، عارف آگاہ، صوفی مشرب حضرت صادق علی شاہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

راوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت صادق علی شاہ ابتدا میں روزگار پیشہ تھے ایک یا دو گھوڑوں پر ملازم تھے لیکن راہ الہٰی کا عشق ازل سے آپ کے دامن گیر تھا۔ چنانچہ آپ خاندان قادریہ عالیہ کے ایک بزرگ سے جو بغداد سے نو وارد ہوئے تھے بیعت کی اور ان کے ارشادات کی روشنی میں مشغول بحق ہو گئے۔ لیکن اس سے آپ کی تسکین خاطر نہ ہوئی اس کے بعد شاہ رضا صاحب کی خدمت میں پہونچے اور بارہ سال کی مدت میں حضرت موصوف سے اشغال و اذکار اور جواہر خمسہ یعنے ذکر ارّہ، ذکر حدّاد، ذکر قمری، چار ضربی اور وغیرہ کا سند حاصل کی۔ شاہ رضا صاحب آپ سے بہت شفقت سے پیش آتے اور اکثر فرماتے کہ اگر تم مجھ سے خرقہ پہن لو تو میں تمہیں اپنی ساری نعمتیں دے دوں گا۔ لیکن آپ لیت و لعل سے بے شک اور جی ہاں پر ٹال جاتے۔

شاہ صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ ایک روز شاہ رضا صاحب موسم سرما میں نماز صبح کے بعد حلقہ

کے صحن میں مشی فرما رہے تھے اور میں دست بستہ حاضر خدمت تھا۔ اسی آمد و رفت میں آپ نے ایک نامعلوم درخت کے پتہ کو ہاتھ پر مل کر فرمایا کہ میاں جی کچھ سیماب تو لانا۔ جب میں نے سیماب حاضر کیا تو آپ نے اس کو آگ پر رکھ دیا اور تھوڑی دیر گرم کرنے کے بعد اس کا شیرہ اس پتہ پر ڈال دیا جس سے وہ فوراً خالصاً چاندی میں تبدیل ہو گیا۔ دوسرے روز آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ میاں جی آج بزرگوں کی فاتحہ کا روز ہے اور کچھ حاضر نہیں۔ تمہیں چاہیئے کہ فلاں طریقہ سے دوگانہ ادا کرو اور فلاں اسم سے اتنی دیر مصلی پر بیٹھ کر اس کے نیچے ہاتھ ڈالو اور اس قدر زر سفید یعنی چاندی نکال لو میں نے کہا جو کچھ حکم ہو اسکی تعمیل کی جائے گی۔ الغرض آپ نے مجھے ترتیب دوگانہ اور دعا سکھائی۔ اور اس فقیر نے آپ کے حکم کے بموجب تمام رسوم بجالانے کے بعد جب ہاتھ جائے نماز کے نیچے کیا اور تصور کیا کہ میرا ہاتھ خزانے میں پہونچ چکا ہے تو اس قدر چاندی نکال لی اور حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے موکلان غیب سے قرض لیا ہے انشاء اللہ ادا کر دوں گا۔ تیسرے روز فرمایا کہ میاں جی عمل تسخیر بتاتا ہوں جو عجیب قدرت والا کام ہے۔ چنانچہ آپ نے ایک نقشہ ٹھیکری پر لکھ کر مجھے مرحمت کیا اور فرمایا کہ تم مصلے پہ زیر زانو رکھ کر روبقبلہ ہو جاؤ اور فلاں اسم میں مشغول رہو اس مقام کا حاکم تمہارے پاس آجائیگا لیکن اس کی جانب متوجہ ہو کر کلام نہ کرنا۔ اپنے کام میں مصروف رہنا۔ شاہ صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا زوال کا وقت تھا کہ رکن الدولہ دیوان رئیس دکن حاضر ہوئے اور حضرت مذکور سے سرسری ملاقات کی اور میرے مصلے کے مقابل بیٹھ گئے۔ ہمیشہ میری جانب متوجہ ہوتے اور حضرت سے کلام کرتے ایک گھنٹہ تک ایسا ہی واقعہ رہا اس کے بعد آپ نے مجھے اشارہ کیا کہ میں اس نقش کو خود سے دور کر دوں۔ بمجرد ایسا کرنے کے نواب مذکور نے رخصت چاہی اور کہا کہ میں بے وقت حاضر ہوا انشاء اللہ پھر آستان بوسی کروں گا۔

چوتھے روز حضرت شاہ رضا نے فرمایا کہ میاں جی دنیا میں یہ تین چیزیں نایاب ہیں اور ان کو بہت کم لوگ ہی جانتے ہیں اگر تم مجھ سے خرقہ پہن لو تو یہ تینوں چیزیں تمہیں دے دونگا شاہ صاحب یعنی شاہ صادق علی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت درست فرماتے ہیں لیکن میری درویشی ان چیزوں کے لئے نہیں بلکہ درحقیقت میری درویشی خدا کو پانے

اور اسکی معرفت کو حاصل کرنے کے لئے ہے اس سے ایسی حرکت عمل میں نہیں آنا چاہیئے۔ اس روز سے آپ اس فقیر سے ناخوش ہو گئے اور کم توجہ فرمانے لگے۔ فقیر چند روز اور آپ کی خدمت میں رہا اور پھر والدہ سے ملاقات کے حیلہ سے رخصت ہو کر حسن اتفاق سے آرکاٹ پہونچا جہاں پیر شاہ فقیر علی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ان کی غلامی اختیار کی اور سلوک کی ابتدا کی اور اپنے مقصد کو پہونچ گیا۔ جب میں نے حضرت فقیر علی صاحب سے ترک لباس کے لئے کہا تو آپ نے فرمایا انشاء اللہ وبروقت تمہیں دیا جائے گا۔ اسکے بعد حضرت موصوف کو حیدر آباد کے سفر کا ارادہ ہوا۔ میں بھی ہمراہ رکاب سعادت ہو گیا۔ اثناء راہ میں حضرت بجد بیمار ہو گئے۔ اور اس بندہ کے علاوہ آپ کے ساتھ اور کوئی نہ تھا۔ اپنی پشت پر سوار کر کے چند منازل طے کئے اور شہر آگیا۔ جب حضرت فقیر علی صاحب شہر میں رونق افروز ہوئے تو حضرت مرشدی شاہ اعظم علی صاحب جو عالم سفید پوشی میں طالب حق تھے حضرت کی پابوسی کی دولت سے مشرف ہوئے اور حلقہ ارادت میں داخل ہو کر آپ کے ارشادات کے بموجب کسب سلوک کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں درجہ کمال پر فائز ہو گئے اور خرقہ خلافت حاصل کیا بعد ازاں حضرت نے غلام سے فرمایا تمہارے حقوق خدمت مجھ پر بہت ہیں اور میں تمہیں راہ حق میں کسی کا محتاج نہ رکھوں گا۔ لیکن بظاہر تم اعظم علی سے خرقہ پہنو۔ میں نے عرض کیا جو حکم۔ چنانچہ میں نے حضرت کے ارشاد کے بموجب حضرت مرشدی شاہ اعظم صاحب سے لباس درویشی در بر کیا۔ جناب شاہ اعظم علی صاحب سے حضرت نے فرمایا کہ اے اعظم اگرچہ تم میرے خلیفہ ہو لیکن صادق علی کو میری جگہ تصور کرنا اور اس روز آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے بستر پر بٹھا دیا۔

مولف عاصی عرض کرتا ہے کہ شاہ صاحب موصوف اکمل عرفا سے تھے اس عاصی ہیچ مداں سے کمال موافقت رکھتے تھے۔ اسی بناء پر اکثر آپ میرے پاس تشریف لاتے اور اپنے مقدمات فرمان میرے سامنے ارشاد فرماتے۔ چنانچہ ایک روز آپ نے فرمایا کہ حضرت سلامت، حدیث میں آیا ہے کہ الشریعۃ اقوالی ذکر اللسان لقلقہ کے مصداق رسول کریم کا یہ قول ذکر جلی ہوگا۔ یعنی جب سالک مبتدی لقلقہ تمام کرتا ہے تو اسے عالم ناسوت کی سیر ہوتی ہے۔ پس یہ شریعت کاملہ ہے جو اس طرح ہاتھ آتی ہے۔ ایک اور روز فرمایا کہ حضرت

یہ مولانا مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

آدمی دید است باقی پوست است ∴ دید آں باشد کہ دید دوست است
مردمک را مردماں دیدند خورد ∴ در بتر رگ مردمک کس رہ نبرد
در گذار ایں جملہ تن را در بصر ∴ در نظر رو در نظر رو در نظر

تو یہ تین دفعہ تکرار کیا معنے رکھتی ہے میں نے عرض کیا کہ شاہ صاحب ارشاد فرمائیں آپ نے فرمایا سالک کو لازم ہے کہ نقطۂ وجودیہ کے شہود میں اس قدر فنا ہو جائے کہ قید جسم باقی نہ رہے اس کے بعد ذکر قلبی میں ایسی مشق اور مداومت کرے دل سے فنا حاصل ہو اس کے علاوہ بھی آپ نے کئی اور دقائق فرمائے جو تحریر میں نہیں آسکتے۔

الغرض آپ کا فیض عام تھا اور ہر طالب اور غیر طالب نے آپ سے کچھ نہ کچھ حاصل کیا ہے۔ چنانچہ ایک روز اس عاصی کو آپ نے طریقۂ مصافحۂ طریقت ارشاد فرمایا۔ الغرض آپ کامل وقت تھے آپ کی وفات سنہ ۱۲۲۰ھ میں ماہ محرم الحرام بروز جمعہ واقع ہوئی آپکی قبر اندرون شہر حیدر آباد باغ لنگم پلی سے متصل آپ کے مرشد حضرت شاہ فقیر علی صاحب کے پائیں میں واقع ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

افضل المحدثین، فخر المتاخرین، محدث وقت حضرت مولوی خیر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت مولوی خیر الدین عالم متبحر اور فاضل بے مثل تھے۔ طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ میں ارادت کلی رکھتے تھے۔ اور اپنے مریدین اور طالبین کو بعد نماز عصر حلقہ میں بٹھا کر ان پر توجہ فرماتے تھے۔ تاکہ اس توجہ کے باعث ان کے خواطر میں انتشار نہ پیدا ہو اور تھوڑی ہی مدت میں وہ اپنے خانۂ مراد کو پہونچ جائیں۔ اکثر علمائے زمانہ نے آپ سے حدیث میں سند کی ہے۔ آپ اپنے شاگردوں کو کمال شفقت سے درس علوم دیا کرتے اور جس کسی سے ملاقات فرماتے نہایت

خوش خلقی اور تواضع سے پیش آتے ہر مجلس میں تشریف لے جاتے اور بدعتیوں کے رسوم سے متعارض رہتے۔ آپ کے شاگردوں اور مریدین میں شاہ یقین مرد متورع۔ متقی اور فقیہہ وقت تھے۔ "فقہ مبین" آپ کے اسی شاگرد کی تالیف ہے۔ ان کو بھی پاس شریعت حد درجہ تھا۔ جب اپنے مرشد کے ہمراہ کسی بدعتی مجلس میں گذر ہوتا تو فوراً اٹھ کر چلے جاتے۔ دیگر لوگوں نے حضرت سے حسد سے کہا کہ آپ کے رہتے ہوئے یہ کیا نامناسب حرکت ہے۔ آپ نے فرمایا ہر شخص اپنے فعل کا مختار ہے۔ آپ کبھی ان سے رنجیدہ خاطر نہ ہوئے اور نہ ہی کبھی ان کو اپنی ہمراہی سے منع کیا۔ بے نفسی اس درجہ تھی کہ بیان سے باہر ہے چنانچہ سید عبداللہ جو آزادوضع طالب علم اور آپ کے تلامذہ میں مستفید تھے کہتے ہیں کہ ایک رافضی شخص نے استعداد علمی حاصل ہونے کے بعد چاہا کہ آپ سے سند حدیث حاصل کرے۔ چنانچہ اس نے تقیہ کیا اور خود کو مذہب اہل سنت کا پابند بتا کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور سند حدیث حاصل کی۔ ایک روز اس نے کہا کہ غلام ایک مقام پر جا رہا ہے میرے پاس ہزار روپیہ نقد ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ یہ رقم بطور امانت حضرت کے پاس رکھوں اور میں حضرت کو اجازت دیتا ہوں کہ اگر ضرورت ہو تو اس میں سے صرف کر سکتے ہیں۔ اور میں جب واپس ہو جاؤں تو اقساط میں ادا فرمائیں۔ حضرت نے شاگردی کی بنا پر قبول کر لیا۔ چنانچہ اس شخص مذکور نے آپ کے پاس امانت رکھوا دی اور چلا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد واپس آکر اس نے رقم کا مطالبہ کیا۔ اتفاق سے وہ امانت صرف ہو چکی تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ اے فلاں تمہاری رقم خرچ ہو گئی چند روز توقف کرو تاکہ میں یہ رقم فراہم کر کے تمہیں دے سکوں۔ اس نے کہا کہ یہ کلمات حضرت کے شایاں نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ میری امانت فوراً لوٹا دیں ورنہ میں بے ادبی سے پیش آؤں گا۔ حضرت نے پھر عذر خواہی کی اور مہلت چاہی۔ اس شاگرد نارشید نے ناموزوں باتیں کہنی شروع کیں اور شدت سے پیش آیا۔ معاملہ طول پکڑا۔ وہ شخص متمول تھا۔ چنانچہ اس نے آپ کے دروازہ پر کچھ جوان متعین کر دئے تاکہ آپ کا کھانا پانی بند کر دیا جائے۔ تین روز تک اس نے آپ کو تکالیف پہنچائیں قریب تھا کہ اس کے آدمی اندرون محل داخل ہو کر آپ کی مخدرات و مستورات کو بے پردہ کر دیتے کہ آپ کو رقم فتوح حاصل ہوئی اور آپ نے اس بے سعادت مند کو ادا کر دی۔

بعد ازاں راوی حکایت کہتے ہیں کہ بار دیگر وہ شخص ایک ماہ بعد دیگر رقم آپ کی خدمت میں لایا اور کہا کہ حضرت میرے غلام کو سفر درپیش ہے میں چاہتا ہوں کہ حضرت اس نقد رقم کو اپنے پاس رکھیں اور میرے گذشتہ قصور کو معاف فرما دیں۔ آپ نے فرمایا کہ اے فلاں تمہارا احسان بارگراں کی طرح ہماری گردن پر ہے عفو قصور کا کیا سوال ہے میں ہرگز اس عہد سے تجاوز نہ کروں گا۔ اگر تم مبلغ رقم فقیر کے پاس رکھنا چاہتے ہو تو مجھے امانت دار پاؤ گے لیکن اب اس میں سے تصرف کرنے کا مختار نہ کرنا۔ تم جس وقت چاہو گے انشاء اللہ موجود پاؤ گے اور اس بار تمہاری رقم میں سے صرفہ نہ ہوگا۔ سبحان اللہ کیا بے نفسی اور نفس کشی ہے کہ اس کی گستاخی پر آپ نے مطلق نظر نہ فرمائی اور دوبارہ اسکا بار امانت سنبھالا۔

راوی دیگر کا بیان ہے کہ حضرت موصوف سورت کی بندرگاہ میں سکونت رکھتے تھے وہاں پر باب مکہ ہے جہاں سے اکثر عالم سفر حرمین کے لئے جاتے ہیں۔ ایام روانگی تھے اور لوگ سفینہ میں سوار ہو چکے تھے کہ ایک غریب الدیار اور بے زاد و راحلہ شخص سفینہ پر سوار ہونا چاہا کشتی میں پانی نہیں اسلئے تمہاری گنجائش نہیں ہے وہ مایوس ہو کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض حال کی اور کہا کہ حضرت آپ قوم نصاریٰ کے اس ناخدا کے گھر قدم رنجہ فرمائیں اور میری سفارش کریں ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے کشتی میں بیٹھنے کی اجازت دے دے الغرض آپ اس کے گھر تشریف لے گئے۔ اس شخص کو ایک عرصہ دراز سے آپ سے ملاقات کا اشتیاق تھا اور اس کو بارہا حاضر خدمت ہونے کے لئے ملتمس ہونے کے باوجود آپ نے اسکو آنے سے منع کر دیا تھا۔ الغرض آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اسکی کرسی کے پایہ کے پاس تشریف فرما ہوئے اور وہ کرسی کے اوپر بیٹھا رہا اس کے بعد آپ نے بکمال عجز و انکساری اس شخص کا مطلب بیان کیا آپ کی وضع نہ مشائخانہ تھی نہ عالمانہ۔ حاکم نصاریٰ نے آپ کو کوئی غریب حقیر آدمی خیال کیا اور کہا کہ جہاز میں اس قدر پانی نہیں ہے کہ اس میں اور لوگوں کو سوار کیا جا سکے۔ حضرت نے بار دوم حد سے زیادہ انکساری سے فرمایا کہ بہرصورت اگر ایک شخص کی گنجائش نکل جائے تو بہتر ہوگا۔ اس نے غصہ سے کہا عجیب احمق شخص ہے۔ کہ میری بات سمجھتا ہی نہیں۔ تیسری دفعہ آپ نے بصد عجز و انکساری عرض مطلب فرمایا۔ اس نے ترش روئی سے سخت اور صاف جواب دے دیا۔ مجبوراً آپ وہاں سے اٹھ کر چلے آئے۔ الٰہی

اس کے مکان کے دروازہ تک بھی نہ پہونچے تھے کہ حاضرین مجلس نے اس سے کہا کہ یہی بزرگوار مولوی خیر الدین تھے۔ یہ سننا تھا کہ اس کا باطن لرز گیا وہ کرسی سے اتر پڑا اور حضرت کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ حضرت دروازہ سے باہر نکلے ہی تھے کہ حاضر خدمت ہوا اور ٹوپی سر سے اتار کر اپنے طریقہ سے سلام کیا اور آپ کے قدموں پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا کہ ہرچند باقی نہیں ہے لیکن آپ کے ارشاد کی بنا پر اگر دس آدمی بھی ہونگے تو جہاز میں ان کو سوار کر دیا جائیگا۔ چنانچہ شخص مذکور کو بفور حال اسکی منزل مقصود کو روانہ کر دیا گیا۔

الغرض حضرت کی ذات قدسی صفات مستثنیٰ زمانہ اور بے نظیر تھی۔ اہل مکہ و مدینہ زاد اللہ شرفہما حضرت کو خیر الدنیا والدین لکھا کرتے تھے۔ آپکی تاریخ وفات نظر سے نہیں گذری قبر شریف بندر مذکور میں جلوۂ ظہور رکھتی ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

قدوۂ آثار معاظم، زبدۂ اخلاق مکارم، فرد یگانہ، پیر زمانہ حضرت شاہ قاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ کے والد کا نام اور سلسلہ نسب سید محمد بن سید مرتضیٰ بن سید شاہ مومن بن شاہ فقیر اللہ گجراتی ہے۔ جبکا نسبی سلسلہ قادر بادشاہ صاحب مذکور کے ذکر شریف میں مرقوم ہو چکا ہے۔ حضرت موصوف کو اپنے خاندان کی بیعت اجدادی شاہ فخر اللہ بن شاہ مومن سے حاصل ہوئی۔ جو شاہ مرتضیٰ قادری دکھنی کے نعمت خلافت کے حامل تھے آپ کی والدہ شریفہ اور جد ماجدہ شاہ حضرت قادری بن جناب عالی لاابالی کے احفاد سے تھیں اس طرح آپ طرفین سے عالی نسب اور والا حسب تھے۔ علم حقائق الٰہیہ اور معلومات صوفیہ میں ایسی استعداد وافر تھی کہ آپ نے کنز الحقائق نامی ایک رسالہ دکھنی زبان میں مراتب نزول میں بوجہ احسن نظم فرمایا جو سالک مبتدی کے لئے نہایت مفید ہے۔ نثر میں آپ نے مجمع النکات تحریر فرمائی جو بے مانند و بے مثل ہے۔

آپ اس مولف ہیچ مداں کے احوال پر شفقت فرماتے تھے کبھی کبھی آپ میرے پاس تشریف لاتے اور بکمال مہربانی ذکر و شغل کی تعلیم دیتے۔ خصوصاً ایک نشست میں آپ نے مجھے ذکر سکوت کی تعلیم فرمائی جو فنائے وجود کے لئے سریع التاثیر ہے۔ آپ نے اپنے اپنے انتقال سے قبل بھی اس احقر کو یاد فرمایا اور بعض فرمودنی مراتب اولاد سے بھی خلوت اختیار کرنے کے بعد مجھ سے ارشاد فرمائے۔ اکثر اوقات آپ اپنے حالات کشفیہ و واردات غیبی ہوتے ارشاد فرماتے۔ چنانچہ ایک روز عند التذکرہ آپ نے فرمایا کہ اے فلاں اس حقیر کو سلطان الاذکار کے ذکر میں مشغولیت کے وقت ایک سیاہ نقطہ قوس بینی پر قائم ہو جاتا ہے اور کبھی ستاروں کی طرح چمکتا ہے اور صاعقہ کی طرح نظر آتا ہے اور فوراً آنکھوں سے غائب ہو جاتا ہے۔ اس سے کیا معلوم ہوا۔ اس عاصی نے چاہا کہ کچھ عرض کرے پھر وہاں جرأت و گستاخی پر دست ادب رکھ کر خاموش ہو گیا۔

الغرض و المقصود حضرت موصوف الخلیق وقت سے تھے آپ کی عمر شریف (۸۰) سال سے متجاوز ہو چکی تھی۔ آخر وقت تک حواس قائم و سالم تھے۔ آپ کی وفات سنہ ۱۲۱۶ھ میں بتاریخ ۱۰ ربیع الاول واقع ہوئی۔ قبر شریف بیرون شہر حیدر آباد محلہ رحمت پورہ میں ہے۔ یہ مزار خود حضرت نے اپنی وفات سے چند سال پیشتر اس مقام پر مقرر فرمادی تھی جو آج زیارت گاہ معتقدین ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

عارف باللہ، کاشف اسرار اللہ، سالک وقت حضرت شاہ نور اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ کا عرف مبارک مرن صاحب تھا۔ اور آپ کے والد گرامی سید عبد الفتاح تھے جن کا ذکر اس سے قبل اپنے مقام پر تحریر کیا جا چکا ہے۔ آپ کے برادر بزرگ میر محمد فضل اللہ عرف محمد صاحب فصوص الحکم کے حافظ تھے۔ یہ دونوں حضرات آپس میں حقیقی بھائی تھے۔

مولف عاصی عرض کرتا ہے کہ استاذی حضرت سید انوار اللہ علم تصوف اور حقائق کے عالم تھے۔ صوفیہ کی کتب متداولہ مثلاً مثنوی شریف، فصوص وغیرہما آپ نے اپنے والد سے سند کیں اور اس علم کے طلباء کو درس دیا کرتے تھے۔ حقائق میں آپ کی قدرت بیانی بدرجہ کمال تھی۔ اس ہیچ مداں نے بھی حضرت کی خدمت میں تین چار سال رسالہ جام جہاں نما کا سبق لیا ہے۔ قوت کلام اس درجہ تھی کہ قلم اسے تحریر کرنے سے عاجز ہے۔ سید انوار اللہ مذکور جامع فضائل انسانی اور مظہر کمالات وجدانی تھے۔ ارادت وخلافت قادریہ عالیہ اپنے والد بزرگوار سے حاصل تھی۔ صاحب ذوق وشوق تھے۔ رسالہ انوار الاخیار آپ کی تالیف سے ہے جو تذکرۃ الاولیاء کی طرز پر تحریر کی گئی ہے۔ اس تالیف میں ایک مقام پر اپنے حالات رقم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس فقیر کے بزرگوں کو ارادت وخلافت خانوادۂ قادریہ عالیہ میں حاصل ہے ایک روز اس فقیر کو خیال گذرا کہ میں سلسلہ چشتیہ سے منسلک ہو جاؤں، میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ میرے گھر میں تشریف لائے ہیں اور ایک اور بزرگ حضرت کے مقابل بیٹھے ہوئے ہیں اور یہ فقیر باادب تمام حضرت کے پس پشت ایستادہ ہے اس اثناء میں مجھ پر ایک بلائے آسمانی نازل ہوئی جس سے میں بے تاب ہو گیا۔ اور اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر یا غوث الاعظم مدد کہنے لگا۔ حضرت کے روبرو جو بزرگ تھے انہوں نے حضرت غوث الاعظم سے عرض کیا کہ اس کو پناہ میں لے لیجئے۔ حضور نے فرمایا کہ وہ مجھ سے برگشتہ ہو چکا ہے اس بزرگ نے مکرر عرض کیا لیکن حضرت نے وہی ارشاد فرمایا۔ جب وہ بلائے آسمانی میرے قریب آئی تو اس بزرگ نے پھر نہایت عجز وانکساری سے عرض کیا بفضل الٰہی تیسری دفعہ انہیں شرف قبولیت حاصل ہوا اور فوراً حضرت نے اپنی پشت مبارک کو تھوڑا سا خم کیا اور یہ غلام جلدی سے حضرت کی پشت پناہی میں آگیا اسی پناہ میں تھا کہ نیند سے بیدار ہو گیا اور اپنے اس قطرۂ قلبی سے کنارہ کشی اختیار کی اور سلسلہ عالیہ میں قائم رہا۔

مولف عاصی تحریر کرتا ہے کہ سید موصوف کی ذات ستودہ صفات بزرگی سے موصوف تھے۔ آپ کے فضائل بدرجہ کمال ہیں اور آپ نے اکثر معاملات کشفیہ اپنی اس تالیف میں بیان فرمائے ہیں جو آپ کے کمال کی دلیل ہے۔ آپ کی تاریخ وفات نظر سے نہیں گذری لیکن سید محمد صاحب

کی وفات سنہ ۱۲۱۴ھ میں واقع ہوئی۔ ان دونوں بھائیوں کی قبریں اندرون شہر حیدرآباد محلہ چوڑی بازار میں اپنے پدر بزرگوار کے پائنیں میں واقع ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
واقف از منازل، عارف کامل، شریعت پناہ حضرت قاضی میر محمد فاضل

آپ حضرت شاہ افضل صاحب کے برادر خورد مرید اور خلیفہ تھے۔ جن کا ذکر اوپر تحریر کیا جا چکا ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ قاضی صاحب عرف شاہ جی عالم شباب میں روزگار پیشہ تھے اور حال قضیات پر فائز تھے۔ میر خلیل خاں مرحوم کی صحبت میں راجمندری میں منصب وقار کے حامل تھے اس کے بعد آپ نے جاذبہ الٰہی میں روزگار ترک کیا اور اپنے برادر بزرگ کی خدمت میں پہونچکر خرقہ درویشی اختیار کیا۔ چنانچہ خود کتاب پنج گنج آپ کی تالیف ہے۔ فرماتے ہیں کہ سنہ ۱۲۰۴ھ میں حضرت مرشدی کی وفات سے بارہ سال قبل میں ورنگل میں راجمندری گیا۔ جب میری واپسی کی حضرت کو اطلاع ہوئی تو آپ نے اپنے چھوٹے صاحبزادے سید غلام پیر کو میرے استقبال کے لئے بھیجا اور خود خانقاہ میں میرے انتظار میں بیٹھے رہے۔ جب میں آکر سعادت قدم بوسی حاصل کی تو آپ نے میرے سر کو اپنے سینہ مبارک سے لگایا اور فرمایا کہ تمہاری آمد لاکھوں روپیہ کی فتوحات کے [illegible] ہے۔ دو ہفتہ بعد آپ نے اپنی کلاہ و دستار مبارک معہ خلافت نامہ مرحمت فرمائی جس پر آپ کی مہر اور دستخط خاص ثبت ہے۔ اور اذکار و اشغال کی تلقین کی اور ہر ایک شغل کی آپ نے صورت بتائی جسے میں نے نقش کر لیا۔ اور فرمایا کہ مرید کی تلقین رقعی کی طرح ہے جو رقاصہ کو سکھایا جائے۔

اپنی اسی تالیف میں ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ حضرت مرشدی کے انتقال کے بعد حالت ذوق و شوق میں خانقاہ مبارک میں چلہ کشی کا اتفاق ہوا۔ دسویں دن میں پڑھنے میں مصروف

تھا کہ ایک چوہا آ کر میرے روبرو بیٹھ گیا میں نے اسے بید کی چھڑی سے بھگانا چاہا تو دیکھا کہ اس چوہے نے ایک بڑے سانپ کی شکل اختیار کر لی جو دو منہ رکھتا تھا۔ معاً میں لرزہ براندام ہو گیا۔ تسبیح بدستور میرے ہاتھ میں اور میں ورد میں مشغول رہا اسکے بعد وہ سانپ ہوا ہو گیا اور ناپید ہو گیا۔ مجھ پر شدت سے بخار طاری ہو گیا اور جب میں اسماء کے ورد سے فارغ ہوا تو دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا کہ بین النوم و الیقظہ کی حالت میں دیکھا کہ ایک تخت ہوا پر اڑتا ہوا اترا جس پر ایک بزرگ اور تین دیگر اولیاء بیٹھے ہوئے تھے میں اٹھا اور سلام علیکم کیا انہوں نے فرمایا کہ شاہ افضل عرف شاہ جگ کے برادر سید فاضل تم ہی ہو میں نے کہا بیشک میں ہی ہوں ان کے بندۂ درگاہ نے فرمایا کہ تمہارا چلہ قبول ہو چکا ہے دل میں ڈر اور خوف کو جگہ مت دو۔ میں نے کہا مجھ پر ایسی کیفیت گذری انہوں نے فرمایا کہ اسماء خمسہ کا ورد کرو میں نے کہا کہ میں نہیں جانتا اس کے بعد انہوں نے مجھے اسماء خمسہ کی تعلیم و تلقین فرمائی اور کہا کہ اب تمام موکلان سفل تم سے خوف کھائیں گے اور میں نے عالم اسفل و اعلیٰ کے تمام موکلین سے قسم لی ہے کہ وہ میرے مریدین اور طالبین کو ایذا نہ پہونچائیں گے۔ اس کے بعد میں نے اس بزرگ کے ہمراہ شیخ سے دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ ہیں۔ اس نے کہا کہ حضرت شاہ محمد غوث گوالیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ میں اٹھا اور حضرت کے قدم مبارک پر سر جھکا دیا اور حضرت نے اپنے دونوں ہاتھ میرے سر پر رکھ کر ارشاد فرمایا کہ خاطر جمع رہو اسکے بعد وہ تخت ہوا میں بلند ہوا اور غائب ہو گیا فوراً ہی میرا بخار فرو ہو گیا۔

مولف عاصی کہتا ہے کہ الغرض حضرت موصوف مرد عارف، شاغل، ذاکر، کاسب اور چلہ کشی بزرگ تھے اور آپ نے ریاضات شاقہ کے ذریعہ اپنے سلوک کے غایۂ معرفت تک پہونچایا آپ کی وفات سنہ ۱۲۱۱ھ میں واقع ہوئی۔ قبر شریف موضع ورنگل میں رونق تمام اور زیارت گاہ عالم ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

واقفِ امرِ قضا و قدر، مقبول جناب سید سرور، قاری قرآن، حضرت حافظ سید غلام سرور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت موصوف سید محمد مراد بن سید عبدالرسول بن سید جیو بن سید بایزید بن سید بہاء الدین بن سید حسن بن سید عبدالفتاح بن سید عبدالفرح کے خلف الصدق تھے جو سادات حسینی سے تھے سید مراد موصوف حضرت شیخ یحییٰ مدنی کے مرید و خلیفہ تھے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

راوی کا بیان ہے کہ جب حضرت غلام سرور عرف سید صاحب مذکور کی عمر شریف آٹھ سال کی ہوئی تو آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا۔ بچپن میں آپ دیگر لڑکوں کی صحبت میں نہ رہتے تھے۔ اگر بچے انہیں اپنی جانب رغبت دیتے تو آپ فرماتے ایک خوش ساز آواز میرے کانوں میں آرہی ہے تم بھی سنو۔ یہ لڑکے آپ کے ارشاد سے متردد ہو جاتے۔ الغرض جب آپ کی عمر شریف گیارہ سال کی ہوئی تو احمد آباد گجرات کے سفر کا اتفاق ہوا۔ آپ اپنے والد ماجد کے ہمراہ تین سال سیر کرتے ہوئے حیدرآباد تشریف لائے اور سید علی صاحب کی مسجد میں اقامت پذیر ہوئے۔ وہاں آپ کی آمد سے قبل ایک صاحب دل، محدث کامل اور حقائق آگاہ درویش شاہ نور اللہ مقیم تھے آپ چند دن ان کی خدمت میں رہے ایک دفعہ جمعہ کے دن آپ حدیث شریف کے مطالعہ میں مصروف تھے کہ اثناء مطالعہ میں مریض کی عیادت کے فضائل آپ کے ملاحظہ میں آئے آپکی خاطر شریف اس جانب مائل ہوئی کہ حدیث پر عمل کیا جائے۔ جب آپ کو نماز جمعہ کے لئے مکہ مسجد تشریف فرما ہوئے تو معلوم ہوا کہ خطیب حافظ محمد طاہر صاحب کی طبیعت کسلمند ہے۔ نماز سے فراغت کے بعد سید صاحب ان کے مکان کو گئے اور دستک دی۔ ایک عورت باہر آئی آپ نے بندگی عرض کی۔ اس عورت نے اندر جا کر صاحب موصوف سے عرض کیا کہ دروازہ پر ایک جوان صالح ایستادہ ہیں اور بندگی عرض کرتے ہیں۔ خطیب صاحب نے فرمایا وہ میرے فرزندوں سے ہیں انہیں اندر بلاؤ۔ حالانکہ بظاہر آپ نے کبھی ان سے ملاقات نہ فرمائی تھی۔ آپ نے شرف قدم بوسی حاصل کیا۔ خطیب صاحب نے فرمایا کس لئے آئے ہو اور کیا کام ہے۔ آپ نے عرض کیا کہ آپ کے جمال جہاں آرا کو دیکھنے اور اسم ذات

دریافت کرنے کے لئے حاضرِ خدمت ہوا ہوں۔ خطیب صاحب نے فرمایا کہ بابا پانچ سال اور چند روز سے تم ایک درویش صفا کیش کی خدمت میں رہتے ہو اگر اس امر سے متعلق ان سے سوال کیا جائے تو نہایت مفید و موثر ہوگا۔ سید صاحب نے کمال عجز سے باردیگر عرض کیا کہ یہ کریموں کا وطیرہ نہیں کہ اپنے سائل کو دوسرے کے حوالہ کردیں حضرت مذکور نے تبسم فرمایا اور آپ کو اپنے روبرو مراقبہ میں بٹھا دیا اور ایسی توجہ کی کہ آفتابِ مقصد دریچۂ اشراق پر طلوع ہوا اور سات دن کے عرصہ میں آپ نے مراتب سلوک طے کرلئے۔ انہی ایام میں ایک رات آپ خواب میں سید الطائفہ حضرت خواجہ ابوالقاسم جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شرفِ قدم بوسی سے مشرف ہوئے اور بہرہ اندوز ہوئے۔ حضرت جنید نے غایت الطاف سے آپ کو اپنے روبرو طلب کیا اور آپکے دونوں ہاتھ بطریق مصافحہ پکڑ لئے اور فرمایا اے میرے فرزند آؤ تاکہ تمہیں حضرت خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دولت ملازمت سے معزز و مفتخر کردوں۔ پس وہ آپ کو اپنے ہمراہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس مقدس میں لے گئے اور عرض کی کہ یہ میرا فرزند اور محمد طاہر کا مرید مقبول ہے۔ حضرت رحمۃ للعالمین نے اپنا سیدھا ہاتھ آپ کے چہرہ اور سینہ پر پھیر کر فرمایا کہ تمہیں اور تمہارے مریدین کو الم نشرح لک صدرک کی بشارت مبارک ہو۔ سید صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اپنا سرِ نیاز قدوم شفاعت لزوم پر رکھ دیا اور اسی حالت میں بیدار ہوگیا۔

راوی دیگر کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت خطیب صاحب نے آپ کو خلافت قادریہ عالیہ، نقشبندیہ، چشتیہ اور سہروردیہ سرفراز فرمائی۔

جب سید صاحب کا سن شریف انیس [19] سال ہوا تو حضرت موصوف نے قرۃ العین سے آپکی نسبت فرمائی اور فرائض خطابت پر مامور کیا۔ اس مخدرہ کے بطن سے چند فرزند عالم وجود میں آئے۔ خصوصاً بڑے فرزند المسمیٰ شاہ غلام نبی زاد اللہ علمہ وعرفانہ اپنے پدر بزرگوار کے خلف الصدق اور قائم مقام ہیں۔ حضرت سید صاحب کی وفات بروز سہ شنبہ بتاریخ ۱۷ ر شوال المکرم سنہ ۱۲۰۱ھ واقع ہوئی۔ آپ کی قبر شریف روضہ شاہ ابوالحسن چشتی میں آپ کے خسر بزرگوار کی مزار کے متصل زیارتگاہ خلق ہے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

سید الواصلین، شیخ الکاملین، مقتدائے زمانہ حضرت شاہ فخر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت موصوف ساکن اورنگ آباد تھے اور آپ کا اس شہر کے اعیان میں شمار ہوتا تھا۔ آپ کا تعلق خاندان قادریہ عالیہ تھا۔

سید انوار اللہ اپنی تالیف میں کہتے ہیں کہ جب آپ کی وفات کو چار روز باقی تھے تو آپ نے تمام مشائخین شہر کے پاس کہلا بھیجا کہ فقیر بروز پنجشنبہ عالم شہادت سے کوس رحلت بجائے گا اور سفر آخرت کے لئے کوچ کر جائے گا۔ آپ سب اصحاب تشریف لا کر اگر کوئی قصور سہواً آپ بزرگوں کی خدمت میں سرزد ہوا ہو تو اپنے کرم کریمانہ سے عفو و درگذر فرمائیں۔ واقعی ایسا ہی ہوا کہ آپ بروز مذکور عالم فنا سے عالم بقا کی جانب روانہ ہوئے۔ الغرض آپ بہت صاحب تصرف اور کامل روزگار بزرگ تھے۔ اکثر عمدہ مثلاً پیر کلاں خاں، مقبول علی خاں وغیرہما حضرت موصوف کے مرید تھے۔ خلق محمدی میں آپ سے خلیق تر کوئی نہ تھا۔ آپ کی تاریخ وفات نظر سے نہیں گذری۔ قبر شریف خجستہ بنیاد میں زیارتگاہ عالم ہے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

از حق مصاحب، از خود غائب، فرد یگانہ، پیر بادشاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ قادر بادشاہ صاحب کے فرزند اور سجادہ نشین تھے جو بیڑ میں مدفون ہیں اور جن کا ذکر اوپر نقل کیا جا چکا ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ حضرت رزاق بادشاہ صاحب نے اپنی خاندانی نعمتیں عطا کرنے کے بعد

قادر بادشاہ صاحب سے فرمایا تھا کہ تم نے مجھے خوب مبتلا کیا اور خود نعماں ہو گئے۔ اب ہم ضعیف ہو چکے ہیں میرے ہاتھ سے کیا ہو سکتا ہے کہ میں تمہاری خدمت کر سکوں لیکن ایک شیر بیشہ میدانِ ہدایت میری اولاد میں اور ایک یاقوت وقدرت تمہارے گھر میں پیدا ہوگا اور ہمارا شیر تمہارے شیر کی متابعت وفرماں برداری کرے گا۔ چنانچہ ان کے حسب الارشاد وہاں دو پیڑی بعد شاہ عبدالرزاق ثانی اور یہاں شیر حق پیر بادشاہ قادری پیدا ہوئے

القصہ حضرت قادر بادشاہ صاحب کے دو فرزند تھے بڑے فرزند شاہ علی صاحب زوجہ اولی کے بطن سے تھے اور دوسرے فرزند پیر بادشاہ صاحب اہل خانہ ثانی کے بطن سے تھے۔ جن سے حضرت موصوف نے ہندوستان سے مراجعت کے وقت تزویج کی تھی اور ساتھ آئے تھے۔

راوی تحقیق سے کہتے ہیں کہ جب آپ اپنی والدہ کے بطن سے تولد ہوئے تو آپ کے پدر بزرگوار نے فرمایا کہ یہ وہی شیر ہے جو ہمارے مرشد نے عنایت کیا ہے۔ اور جسکی انہوں نے بشارت دی تھی۔ الغرض جب آپ اپنے پدر بزرگوار کے زیر سایۂ عاطفت سات سال کے ہوئے تو آپکو مرغوں کی جنگ کا بیحد شوق ہوا۔ چنانچہ آپ نے چار سو لڑاکا مرغ فراہم کر رکھے تھے۔ ساتھ ہی مکتب میں درس علوم میں بھی مصروف تھے۔ ایک روز آپ کے والد شریف بالاخانہ کے حجرہ سے اتر کر محل سرا کی جانب تشریف لیجا رہے تھے کہ راستہ میں ان کی آستین پر مرغ کی غلاظت لگ گئی۔ حضرت موصوف اپنے صاحبزادے کے مکتب خانہ کی جانب تشریف لے گئے اور آستین دکھلا کر فرمایا کہ بادشاہ اسے دیکھو کہ کیا ہے؟ حضرت پیر بادشاہ نے بآدب تمام دست بستہ عرض کیا کہ کل وہ نہ رہیں گے۔ چنانچہ دوسرے روز تمام مرغ اپنے پنجروں میں مردہ پائے گئے۔ جب حضرت اعلیٰ کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے فرزند سے فرمایا کہ بادشاہ مجھے تم سے کئی کام ہیں اگر مزاج میں اتنی حدت ہو گی تو کس طرح موافقت ہو سکے گی پھر آپ نے بصد ادب عرض کیا کہ یہ بھی نہ رہے گی۔ چنانچہ اس روز سے حضرت کی خدمت میں کسی قسم کا غصہ یا جلال نہ پایا گیا اور آپ کی تمام عمر میں کبھی ایسا نہیں دیکھا گیا کہ آپ نے کسی سے ترش روی سے گفتگو کی ہو۔ جب آپ کی عمر شریف عالم شباب میں داخل ہوئی آپ نے یہ معمول مقرر کر لیا کہ آدھی رات کے بعد صحرا میں چلے جاتے۔ جب یہ خبر آپ کے والد ماجد نے سنی تو انہوں نے میراں شاہ درویش سے کہا جب بادشاہ صحرا میں جائیں تو تم بھی خفیہ طور پر ان کے ہمراہ رہو اور دریافت

کرو کہ آپ کہاں جاتے ہیں اور کیا کام کرتے ہیں۔ درویش مذکور کہتے ہیں کہ میں اپنے مرشد برحق کے حکم کے بموجب دوسرے روز پوشیدہ حضرت پیر پاشاہ صاحب کے تعاقب میں روانہ ہوا آبادی سے چند قدم آگے جانے کے بعد ایک مقام پر پہونچے جہاں ایک خوش فزا میدان تھا اس میں ایک درخت تھا جسے فلارک کہا جاتا ہے آپ اس کے نیچے بیٹھ گئے۔ میرن شاہ کہتے ہیں کہ فقیر دور سے معائنہ کر رہا تھا ایک نورانی شعلہ برآمد ہوا اور آپ کا احاطہ کرلیا ایک ساعت تک میں نے یہ معاملہ دیکھا اس کے بعد اٹھ کر آپ نے اپنے دولت خانہ کا ارادہ اس بندے نے صاحبزادے کے اٹھتے ہی تیزی سے آگے چل کر آشنائے بستر ہوگیا اور علی الصبح حضرت پیر و مرشد کی جناب میں معلومہ کیفیت عرض کی۔ انہوں نے فرمایا کہ خبردار کسی سے یہ کیفیت نہ کہنا بعد ازاں جب آپ کے پدر بزرگوار کی رحلت کے دن قریب آگئے تو حضرت اعلیٰ نے شاہ علی صاحب کو جو آپ کے بڑے فرزند تھے طلب کیا اور فرمایا کہ یہ تمام اسباب جو میرے بعد کیسے تقسیم کروگے انہوں نے عرض کیا کہ اس میں سے آدھا میرا حصہ ہوگا اور آدھا بادشاہ کا حصہ ہے۔ اسکے بعد آپ نے حضرت موصوف کو طلب کیا اور آپ سے یہی سوال کیا۔ حضرت پیر بادشاہ نے عرض کیا کہ اس تمام سامان کے مالک و مختار شاہ علی صاحب ہیں اور غلام انکی متابعت اور خدمتگذاری میں سرگرم رہے گا۔ اس کلام سے حضرت قادر بادشاہ صاحب بہت مسرور ہوئے اور تحسین فرمائی انہوں نے تمام مشائخین اور درویشوں کو طلب کیا اور اپنی وفات سے انہیں آگاہ کیا اور حضرت پیر بادشاہ صاحب کو اپنا قائم مقام اور جانشین کیا اس کے بعد انہوں نے ایک شملے کے دو ٹکڑے کئے اور آدھا آپ کو دیا اور آپ کو اپنی مزار کا سجادہ مقرر کیا اور دوسرا حصہ شاہ عبدالرزاق ثانی بن شاہ کریم کو عطا کیا اور اپنے مرشد کے روضہ کا انہیں سجادہ کیا۔ کہتے ہیں کہ رزاق صاحب موصوف تمام عمر آپ کے تابع اور فرمانبردار رہے حضرت پیر بادشاہ کے اور بھی بہت تصرفات ہیں یہ اکثر اشخاص نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ آپ وقت واحد میں کئی مقامات پر موجود رہتے تھے اور ساتھ ہی خانقاہ شریف میں بھی تشریف فرما رہتے۔

الغرض آپ صاحب خوارق عادات جلیہ تھے۔ آپ کی وفات بتاریخ ۱۵؍ ماہ شوال المکرم سنہ ۱۲۱۹ھ واقع ہوئی۔ قبر شریف قبضہ بیڑ میں آپ کے پدر بزرگوار کے روضہ کے متصل زیارتگاہ خلق ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

افضل المتاخرین، اکمل المرتاضین، صیام الدہر، حضرت سید محی الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

راوی کا بیان ہے کہ حضرت موصوف حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے آپ کے پدر گرامی سید بڑے بن سید میراں بن سید بڑے بن سید منجھے (جن کی گنبد سرکار ناندیڑ میں واقع ہے) بن سید میراں بن سید موسیٰ بن شمس الدین بن السید علی بن السید مصطفیٰ ابن السید کمال الدین بن سید قیام الدین بن سید نظام الدین بن سید کریم الدین بن سید احمد مدنی بن سید بدر الدین ہمدانی بن سید حمید الدین بن سیدنا قطب الافاق سید تاج الدین عبد الرزاق الی آخرہ رحمۃ اللہ علیہم تھے۔

حضرت سید محی الدین مذکور کو سلسلہ چشتیہ میں خلافت آپ کے ماموں شاہ شریف اللہ سے بھی حاصل تھی جنکے توسل سے یہ سلسلہ چند واسطوں بعد حضرت امین الدین علی اعلیٰ تک جا پہونچتا ہے۔ حضرت موصوف مرد بزرگ۔ ریاضت کش قائم اللیل اور صائم الدہر تھے اور آپ کی ریاضت شاقہ کے علامات آپ کے جسم مبارک سے ظاہر و ہویدا تھے۔ شبانہ روز آپ طعام صدیقاں تناول فرماتے یعنی کوٹ کر استعمال فرماتے۔ نہایت خلیق، متواضع اور کثیر الخوارق تھے۔ چنانچہ ہنگام آخر میں جب آپ حیدر آباد میں رونق افروز ہوئے تو اس مولف عاصی سے بھی ملاقات کا اتفاق ہوا۔ آپ کمال عنایت اور نوازش سے ایام اقامت حیدر آباد میں چند بار میرے پاس تشریف لائے اور ہر ملاقات میں کچھ نہ کچھ ارشاد فرمایا۔ جب آپ نے اپنے وطن مالوف کا عزم کر رہے تھے تو سیدنا و مولانا حضرت شاہ محی الدین ثانی قدسنا اللہ تعالیٰ بسر السامی کے روضہ مقدسہ میں آپ نے مجھے بے توسط کر دیا اور احقر کو عمل کشف قبور کی اجازت۔ اپنی سند طریقہ پر عطا فرمائی اور بعض دیگر باتیں بھی ارشاد فرمائیں جو حضرت قدوۃ المحققین مقبول محبوب سبحانی شاہ محی الدین ثانی کی جانب سے میرے عقدہائے دل کے جوابات تھے۔ دس روز قبل اس غلام عقیدت التیام جناب عالی میں ایک جگہ طلب کی تھی۔ حضرت محی الدین قادری ارادۂ سفر کے ساتھ گیارھویں روز تشریف لائے اور اثناء کلام میں مجھ فقیر سے مخاطب ہو کر

اس مقام منظورہ کی جانب انگلی اٹھا کر فرمایا کہ "صاحب من اگر حضرت شاہ موسیٰ قادری کے روضہ کے مقابل ایک مکان تعمیر کیا جائے تو تینوں مکانات کے قرائن برابر ہوں گے اور یہ بہت زیب دیگا" فقیر نے دل میں اسے حضور محی الدین ثانی کا ارشاد جان کر عرض کیا کہ حضرت من "انشاء اللہ تعالیٰ یہ بروقت ظہور پذیر ہوگا۔

الغرض آپ صاحب مقام تصفیہ تھے اپنے انتقال سے چند ماہ قبل آپ نے ماکولات ترک کرکے اور صرف تھوڑے سے دودھ پر اکتفا کیا تھا۔ آپ کی وفات سنہ ۱۲۲۲ھ میں بتاریخ ۱۴ صفر المظفر واقع ہوئی۔ قبر شریف قصبۂ نادیر میں متصل گنج شاہ نور محمد چشتی کے روضہ میں ہے جو شاہ شریف اللہ کے پیر کے پیر تھے۔ حضرت شاہ محی الدین موصوف کے تین ذی قدرت صاحبزادے تھے سید غلام علی سید درویش علی۔ اور سید امین الدین علی ان کے منجملہ دوسرے صاحبزادے نے ان کے روبرو تمام مراتب کی تکمیل کرلی اور رحلت پذیر ہوئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

عالم ذی قدرت، صاحب ہمت، فاضل نامہ سید عبدالولی عزلت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ کے والد ماجد سید سعد اللہ شاہ عبدالشکور گجراتی کے خلفاء سے تھے۔ ان کی مہر میں اس طرح کندہ تھا "سعد اللہ عبدالشکور است"

سید انوار اللہ اپنی تالیف میں کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد دہلی کا رخ کیا اور وہاں سے قلمرو ملک دکن میں تشریف لائے اور حیدرآباد میں اقامت پذیر ہوئے۔ آپ کو علم معقول میں قوت کاملہ حاصل تھی۔ اکثر فرماتے تھے کہ اگر علم منطق جہاں سے اٹھ جائے تو فقیر از سرنو اس کے قواعد تحریر کرے گا۔ فن شعر گوئی میں بھی آپ استاد تھے لیکن مذہب امامیہ کے پیرو تھے۔ اکثر امراء آپ کے فیض کمالات سے بہرہ اندوز رہے۔ آپ کو فرزند نہ تھے صرف ایک دختر تھیں جو سید فقیر اللہ سے منسوب ہوئیں۔ آپ نے سید موصوف کو جو آپ کے بھتیجے تھے اپنا قائم مقام مقرر کیا۔

آپ کی وفات بتاریخ ۲/ رجب المرجب ۱۱۸۹ھ واقع ہوئی قبر شریف دائرہ میر مومن صاحب میں واقع ہے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۔

ذکر شریف

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سید عالی مناقب، شاہ والا مناصب، فخر روزگار، حضرت سید پیر پاشاہ صاحب

حضرت مذکور موضع عرس میں سکونت پذیر تھے جو ورنگل کے تعلقات سے ہے صاحب باطن اور اہل دل تھے ۔ حضرت سید شاہ جمال البحر معشوق ربانی ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خاص اولاد سے تھے ۔ راوی کے بیان کے بموجب آپ حضرت سید علی صاحب کلاں کے فرزند دوم تھے ۔ اور آپ کے جد امجد کے روضہ کی تولیت آصف جاہ کے عہد میں سید موصوف کے نام متعین کی گئی تھی ۔

صاحب پنج گنج قاضی میر محمد فاضل اپنی تالیف میں فرماتے ہیں کہ حضرت موصوف علاقہ دنیوی سے جو مگر دریا کی حیثیت کے حامل تھے مبرا تھے آپ کے دل میں کینہ اور حسد مطلق نہ تھا ۔ مرد بزرگ بتصفیہ قلب اور بے باک و صاف گو تھے ۔ چنانچہ شکر اللہ خاں عامل سرکار ورنگل سے جس وقت آپ ملاقات کے لئے تشریف لائے تھے اتفاق سے فقیر بھی اس مجلس میں حاضر تھا ۔ آپ اسوقت سواروں اور پیادوں کو دیکھنے میں مجبور رہے اور عامل سرکار کی کما حقہ آداب و تعظیم بجا نہ لائی ۔ پھر عامل مذکور سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ شیخ مجھے ایک بیت یاد آرہی ہے سنو ؎

تکبر عزازیل را خوار کرد ٭ بزندان لعنت گرفتار کرد

عامل مذکور نے متنبہ ہو کر معذرت خواہی کی اس کے بعد مکان میں آئے دستار سر سے اتاری اور اسکے حق میں ارشاد فرمایا کہ خدایا اسے اس عاملی سے معزول کر دے ۔ قاضی صاحب کہتے ہیں کہ میں اس وقت بھی حاضر تھا ۔ میں نے آپ کی اتباع میں آمین کہا ۔ تین ماہ کے عرصہ میں ہی وہاں کے حالات تبدیل ہو گئے اور خرابی کا شکار ہو گئے ۔

آپ کی وفات ۱۱۷۹ھ میں واقع ہوئی ۔ قبر شریف آپ کے اجداد کے روضہ میں آپ کے

پدر بزرگوار کی مزار کے متصل معتقدین کے لئے زیارت گاہ ہے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ذکر شریف

حضرت محرم رمز خفی، کاشف سر حضرت مخفی، عالم پناہی حضرت سید علی رمز الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ سادات حسینی سے تھے۔ آپ کے والد سید عبدالحسین راز بن سید مرتضیٰ اصفہانی بن سید علی مشہدی عرف مرزا بزرگ تھے اور آپ کی والدہ سادات بنی مختار سبزوار سے تھیں۔ آپکے جد مادری سید محمد بن سید ابراہیم ایران سے محمد ہمایون بادشاہ کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے۔ آپ حسین اصغر بن سید الصابرین حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔

مولف عاصی عرض کرتا ہے کہ حضرت موصوف فرماتے تھے کہ میرے آباؤ اجداد سب مذہب امامیہ کے حامل تھے بلکہ دیگر طرف مائل تھے۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے مجھکو ابتداء شعور سے دل میں فقراء کی محبت سے سرفراز فرمایا جس کے باعث مجھے اس طائفہ سے نہایت اعتقاد تھا۔ میں ان کی کتابیں اپنے والدین سے چھپا کر مطالعہ کیا کرتا تھا۔ اور کلام صوفیہ سے بقدر حوصلہ لطف لیتا تھا۔ اور دل سے اپنے بزرگوں کے عقائد سے منکر تھا یہاں تک کہ ایک عرصہ دراز کے بعد میرے والد سید عبدالحسین راز میرے عقائد طریق سے واقف ہوگئے اور دوسرے لوگ بھی میرے قول و فعل سے مطلع ہوگئے اور میرے والد کی خدمت میں شکایت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ میں کیا کرسکتا ہوں کہ شفقت پدری مانع ہوتی ہے ورنہ میں اسے شمشیر سے قتل کردیتا اور یہ بھی کہا کہ میں اس سے اتنا بیزار ہوں کہ اگر کوئی اسکا خون کردے تو میں اس پر دعویٰ بھی نہ کروں گا۔ الغرض تمام خاندان ضالہ میرے خون کا پیاسا ہوگیا لیکن والد کو اس طرح سے درویشوں سے اعتقاد، ربط اور ملاقات تھی گاہے ماہے وہ حضرت شاہ بندہ علی قادری کی خدمت میں آمد و شد رکھتے تھے اور میری والدہ کو بھی حضرت مذکور سے عقیدت تھی۔ ایک روز میں اپنے والد کے ہمراہ حضرت موصوف کی زیارت سے مشرف ہوا۔ حضرت مرشدی نے اپنی عنایت بے نہایت سے ایسی شفقت فرمائی کہ میرا دل ان کی الفت میں شیفتہ ہوگیا۔ چندروز

کبھی کبھی حضرت کی خدمت شریف میں، میں حاضر ہوتا رہا اور آپ کے فیض صحبت سے مشرف صوفیہ کا ذوق حاصل کیا یہاں تک کہ ۱۱۸۰ھ میں ماہ رمضان المبارک شب جمعہ کو میں حضرت شاہ بندہ علی قادری کے شرف بیعت سے مشرف اور دست بدامان طلب ہوگیا۔ آپ نے مجھے طریق سلوک کی رہبری فرمائی اور میں ایک ایسے مقام پر پہونچ گیا کہ میں مرگیا۔ یعنی میں قید بشریت سے آزاد ہوگیا۔ چنانچہ میں نے پہلی دفعہ اپنی اس موت پر یہ تاریخ تحریر کی تھی۔

سال تاریخ وفاتم آں زماں ٭ یکہزار و یکصد و ہشتاد بود

الغرض بیعت کے بعد حضرت کے ارشادات فائض البرکات میں اول استخارہ کی تلقین تھی کہ مجھے دو رکعت نماز سورہ والعصر کی قرأت کے ساتھ بطریق ارشاد ارشاد ہوئی۔ اس کے بعد میں چند روز استغفار کے ورد پر مامور رہا۔ اسکے بعد چند رات درود شریف پڑھنے میں مشغولیت رہی اور علی الدوام میں بخور، عود اور عطر سے معطر رہنے لگا۔ اور میں بہ تمنائے تمام و درخواست تام حلقہ ذاکرین میں شامل ہوگیا۔ یعنی اسم ذات کے شغل میں مصروف ہوگیا جو سلسلہ عالیہ قادریہ کا شغل اول ہے یعنی اسم اللہ دلی حرکت زبان کے ساتھ آہستہ آہستہ دل صنوبری میں کہا جاتا ہے اور اس اسم مبارک کی کثرت سے ورد کرنے پر ایک حال ایسا ہوجاتا ہے کہ حالت خواب میں بھی دل بیدار رہتا ہے اور دل علی الدوام ذاکر ہوجاتا ہے۔ نوم العالم عبادۃ اسی مقام سے عبارت ہے۔ اس کے بعد میں پاس نفس میں مشغول ہوگیا اور مجھے اپنی استعداد کے موافق کشف ہونے لگا۔ اسکے بعد ذکر قلبی اللہ ھو میں حبس نفس کے ساتھ جسے عمدۃ المختار کہا جاتا ہے اور جس سے تصفیہ باطن غیر ممکن ہوتا ہے اور جو خود پسندوں کے حرف و حکایات پر ہوتا ہے مشغول ہوگیا۔ جب اس بے بضاعت درویش کو یہ نعمت غیر مترقبہ نصیب ہوئی تو میں نے شکر ایزدی بجا لایا۔

ایک اور مقام پہ فرماتے ہیں کہ اس شغل شریف کے ارشاد کے وقت حضرت مرشدی نے یہ مصرعہ اپنی زبان حق ترجمان سے با تاکید فرمایا ؎

با خدا دیوانہ و با مصطفٰے ہوشیار باش

یعنی شریعت میں راسخ، ثابت قدم اور با طہارت رہنا چاہیئے۔ ہوشیاری یہ ہے کہ دیوانگی کو دیوانے ہی جانتے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ جس وقت تم دیوانگی میں قدم رکھوگے

اور خود دیوانہ ہو جاؤ گے اس وقت تم جان لو گے ۔ اس کے بعد فرمایا میں تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں ۔ الغرض اس دوران میں ہر شبانہ روز میں اٹھارہ ہزار بار حبس دم کے ساتھ مضغۂ گوشت (دل) پر ضرب لگاتا تو میرے پیر و مرشد فرماتے کہ تم بچوں کی طرح کھیل رہے ہو اور اپنی محنت و مشقت کے حالات بیان فرماتے جس کو سن کر ہم لوگوں کی عقل بشری عاجز ہو جاتی چنانچہ حضرت پیر و مرشد کے حلق مبارک میں حبس دم کی کثرت کے باعث بیشتر سوراخ ہو گئے تھے جنہیں اکثر بتلا کر آپ فرماتے تھے کہ میں نے یہ لعل مفت ہی میں تمہیں دے دیا ۔ حاصل تحریر یہ کہ سات سال ۹ مہینے کی مدت تک میں اسی شغل میں رہا اور کھانا کوٹ کر دوپہر میں استعمال کرتا تھا ۔ اکثر حضرت پیر و مرشد زیارت قبور کے لئے ارشاد فرماتے جس کی تعمیل میں میں ایک ویران قبرستان میں جو لوگوں کی آمد و رفت سے دور تھا جا کر مشغول ہو جاتا ۔ کبھی کبھار مجھ پر کسی قبر کے احوال موافق استعداد منکشف ہو جاتے ۔ چنانچہ ایک روز میں پرانی قبر کے سرہانے بیٹھا مشغول تھا کہ عین بوقت زوال ایک سایہ دار درخت کا اس قبر پر آسرا ہوا اور میں نے دیکھا کہ صاحب قبر کے ران اور پنڈلیاں انگاروں کی طرح آگ میں جھلس رہی ہیں ہر چند میں نے ضبط کرنے کی کوشش کی لیکن نہ کر سکا ۔ مجبوراً وہاں سے اٹھ گیا اور اس روز سے اس شغل سے معطل ہو گیا ۔ دوسری صبح میں حضور پر نور حضرت پیر و مرشد کی قدمبوسی سے حسب معمول مشرف ہونے کے بعد حقائق گذشتہ آپ کے سامنے عرض کئے ۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تعجب اور افسوس ہے کہ تم اتنی ساری مدت مشغول رہ کر صرف اسی قدر سرمایہ لے کر آئے ہو اب معلوم ہوا کہ میرے کہنے اور تمہارے عمل کرنے کی کوئی حقیقت نہیں بہتر یہ ہے کہ تم اسی مقام پر بیٹھ کر پھر سے مشغول ہو جاؤ حتیٰ کہ تمہاری آتش دل کی حدت تم پر غالب آجائے جس سے تمہیں بھی فائدہ ہو گا اور صاحب قبر کے عذاب میں بھی تخفیف ہو گی ۔ جاؤ اور متواتر تین دن تک وہاں جاتے رہو یہ خانہ عشق ہے جو خالی نہیں ہوتا ورنہ آئندہ تم سے اور تمہارے سلوک سے کیا توقع کی جا سکتی ہے ۔ فقیر بموجب ارشاد چار و ناچار وہاں گیا پھر وہی صورت نمودار ہوئی میں اپنے شغل سے منفعل ہو گیا اور پھر حضرت کی خدمت میں عرض کیا ۔ آپ نے عتاب آمیز انداز میں فرمایا کہ ”ذکر کی جگہ وہی ہے“ اور خود اپنے مکان میں تشریف لے گئے ۔ تیسرے روز خواہی نخواہی جبراً میں نے اس مقام کا عزم کیا اور وہاں پہنچ گیا ۔ ابھی دو تین دفعہ حبس دم نہ کیا تھا کہ وہی حالت اصلی جو

پہلے تھی وہ اب بھی باقی ہے۔ مجبوراً میں نے چوتھے روز پھر عرض کیا کہ غلام اپنے کام سے باز رہ جاتا ہے اور مجھے اس کی قوت نہیں رہی۔ آپ نے فرمایا کہ قبر کے متصل لیکن پائیں میں بیٹھو میں نے ایسا ہی کیا اور ایک ہفتہ مشغول رہا۔ ایک روز آپ خود تشریف لائے یہ کمترین بھی ہمراہ تھا۔ جب اس قبر پر پہونچے تو بے اختیار رونے لگے اور خود قبر کے سرہانے بیٹھے اور اس عاصی کو اپنے متصل بٹھا لیا۔ اور ہم باہم مشغول ہوگئے۔ اس روز وہ حالت نہ ہوئی اسکے بعد کبھی کبھی جب فقیر کو وہاں جانے کا اتفاق ہوتا تو میں اس قبر پر مشغول ہوتا۔ اور بارہا مجھے عجائب و غرائب تصفیۂ باطن اور استعداد کے موافق مشاہدہ میں آئے۔

ایک اور مقام پر حضرت سید رمز علی فرماتے ہیں کہ میں یعنی سید علی نے سنہ ۱۱۸۰ھ میں اس شغل شریف کو پہلی دفعہ خود پر غلبہ کرتے پایا۔ فقیر محو خواب تھا کہ عین خواب میں دیکھا کہ میرے کانوں کے پاس لاکھوں بڑے بڑے نقارے پیٹے جا رہے ہیں جن کے بجنے کی آواز سے میں بیدار ہوگیا تو دیکھا کہ تمام عمارت زمین اور آسمان سب لرز رہے ہیں اور حرکت کر رہے ہیں اس آواز کی شدت سے میں لرزہ بر اندام ہوگیا۔ ایک پہر تک میں مبہوط رہا اور جب افاقہ ہوا تو میں نے حضرت مرشدی شاہ بندہ علی علی اللہ صمدی کی جناب میں کیفیت حال عرض کی آپ نے فرمایا کہ تمہیں مبارک ہو کہ یہ روز خوشی اور عیش کا دن ہے اور پانچ روز بعد میں نے یہ ماجرا دیکھا میں اپنی شیخ کی ذات میں غرق ہوگیا اور شیخ مجھ میں غرق ہوگئے میں کر حضرت مرشدی کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض حال کی۔ آپ نے فرمایا ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اور فرمایا کہ فنا فی الشیخ کے مقام کی ابتداء یہی ہے تمہیں مبارک ہو۔ سید من رمز الٰہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ " ایک دفعہ میں نے رسالہ حق نما میں دیکھا کہ " حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ چھ سال تک غار میں سلطان الاذکار میں مشغول رہے۔ حضرت میاں جیو اسی متبرک غار میں بارہ سال تک اسی شغل کے اشتغال میں رہے آپ اسے بہت عزیز جانتے تھے اور اکثر اپنے دوستوں سے اس کا ذکر فرماتے اور بعض کو بایاد اشارہ بھی کہا کرتے۔ چنانچہ جب حضرت مولانا شاہ کو حضرت میاں جو نے اس متبرک غار میں شغل مذکور کے لیے ارشاد فرمایا تو ایک سال بعد انہیں

یہ عمل حاصل ہو گیا۔ اور جب حضرت مذکور نے مجھے ارشاد فرمایا تو مجھے صرف چھ مہینے میں یہ عمل حاصل ہو گیا۔ لیکن بعض ایسے لوگوں کو جنہیں میں نے تاکید کی تھی انہیں صرف تین یا چار روز کی مدت میں ہی عمل رونمود ہو گیا۔ اسلئے کہ وہ اشاروں اور کنایوں میں ارشاد فرماتے تھے اور میں صریحاً کہتا ہوں اور بے پردہ کہتا ہوں۔ اس عبارت کے مطالعہ کے بعد میں نے اپنے شیخ کی خدمت میں التماس کیا کہ یہ کمترین بھی اس بات کا امیدوار ہے کہ ایسی ہی نوازش سے مجھے بھی سرفراز کیا جائے۔ آپ نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ جب اس کا وقت آجائے گا تو میں تمہیں بغیر طلب کئے ایک آن میں جب فرصت لمحہ بالبصیرہ ہو کہہ دونگا اور تم پر اسی وقت منکشف ہو جائے گا خاطر جمع رہو"

لیکن اس طفل شیرخوار نے طفولیت کی بناء پر ہمیشہ اپنے شیخ سے شغل مذکور کے لئے التماس کرنا شروع کیا اور اس کے ارشاد کے لئے استدعا کرنے لگا اور بے قرار رہنے لگا۔ کہ یہ دولت سرمدی کب مجھے حاصل ہو گی۔ اسی دوران شغل ثانی کی کثرت سے میرے کانوں میں آواز مطلق آنے لگی میں نے اپنے پیر سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا جب کبھی یہ آواز تمہارے کانوں کو سنائی دے تو کلمۂ شہادت کا ورد کرنا۔ لیکن آپ نے مجھے شغل مذکور کی اجازت نہیں بخشی۔ میں کامل (۲۲) سال تک شغل ثانی میں مصروف رہا اور آواز مذکور مجھے سنائی دیتی رہی یہاں تک کہ حضرت مرشدی شاہ بناہ علی اللہ الصمدی نے سفر آخرت کا عزم فرمایا۔ اس غلام نے آپ کی وفات سے دو یا تین روز قبل الزوال وترساں شغل مذکور کے لئے درخواست کی اور میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ نے فرمایا سید بادشاہ روتے کیوں ہو۔ میں نے تمہیں کسی کا محتاج نہیں رکھا۔ تمہارے کام کو ہم نے اتمام تک پہنچا دیا۔ لیکن اب محنت اور ریاضت تمہارا کام ہے جس سے تم واقف ہو۔ محنت کرو تمہیں اس کا ثمرہ ضرور حاصل ہو گا لیکن میں تمہیں اس شغل شریف کی اجازت ابھی نہیں دیتا۔ اسلئے کہ اس کا وقت ابھی نہیں آیا ہے۔ اگرچہ تم اس شغل میں رہے ہو لیکن تمہیں اسکی اطلاع نہیں۔ اور تم تصور کر رہے ہو کہ ہم تو مر رہے ہیں پھر اس شغل کی اجازت کہاں سے حاصل ہو گی۔ لیکن تم نے قرآن مجید میں نہیں پڑھا کہ دوستان خدا کو موت نہیں ہے۔ الا ان اولیاء اللہ لا یموتون۔ ہم مر نہیں رہے ہیں بلکہ نقل مقام کر رہے ہیں اس مکان سے اس مکان میں جسے لامکان کہا جاتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

عنقریب تم پر ہماری یہ گفتگو منکشف ہو جائے گی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جب اس کا وقت آجائیگا تو میں خود بخود اس کی اجازت دوں گا۔ سیدمن حضرت رمز الٰہی فرماتے ہیں کہ "میرے دل میں خیال گزرا کہ آپ میری تسکین خاطر کے لئے ایسا فرمارہے ہیں۔ اسلئے میں نے مجبوراً سکوت اختیار کیا۔ قصہ کوتاہ آپ کی رحلت کے بعد پندرہ سال تک میں شغل ثانی میں مشغول رہا اور پھر وہ وقت آیا جس کا میرے پیر نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا اور میری درخواست بتاریخ ۷ رجمادی الثانی سنہ ۱۲۰۱ھ مقبول ہوئی۔ اس روز یک پہر روز کے وقت میں اپنے مکان میں جو حیدرآباد میں رستم دل خاں مرحوم کے مقبرہ میں واقع ہے لوگوں سے بات چیت میں مشغول تھا کہ میرے شیخ حضرت شاہ بندہ علی قادری اور حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور مجھ غلام سے فرمایا کہ اس مرتبہ ہم تمہارے گھر میں بود و باش کے ارادہ سے آئے ہیں پھر واپس نہیں جائیں گے۔ پھر حضرت مرشدی نے مجھے طلب کیا اور فرمایا کہ تم نے سلطان الاذکار کو کہاں تک پہونچایا۔ میں نے عرض کیا کہ اس غلام کو اس شغل کی اجازت نہیں ملی اسلئے میں اس میں مشغول نہیں ہوا لیکن وہ آواز جرس ضرور اب بھی سنائی دیتی ہے۔ آپ نے تبسم کے ساتھ فرمایا اسی شغل آواز کو سلطان الاذکار کہتے ہیں اب اس کا وقت آگیا ہے پھر میرے پیر نے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے اس شغل کی اجازت تعلیم فرمائی۔ جس سے میں فوراً دریائے توحید میں غوطہ زن ہوگیا اور بغیر کسی محنت شناور ہوگیا اور جب چند اور غوطے لگائے تو میں دریائے لانہایت میں غرق ہوگیا اور میرے دل میں دریائے حقیقت موجیں مارنے لگا۔ میں نے بجوش وخروش مستانہ وار کہا ؎

دریائے وحدت درجوش درجوش   آواز مطلق درگوش درگوش
بایار حرفیست از عشق مارا   گشتیم اے رمز خاموش خاموش

مولف عاصی عرض کرتا ہے کہ حضرت عالم پناہی سید علی رمز الٰہی اس عاصی سے ملاقات سے چند سال قبل سے کبھی کبھی حضرت شاہ محی الدین ثانی کے روضہ میں آیا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت موصوف سے روضہ منورہ میں جبکہ طرفین روضہ مقدسہ کی زیارت کے ارادہ سے حاضر ہوئے تھے۔ ملاقات ہوئی۔ فقیر نے آپ کے سفید پوش لباس کو دیکھتے ہوئے دل میں خیال کیا کہ شاید کوئی دنیادار محب الفقرا ہیں جب اپنا سر بہت جھکا کر سلام باادب تمام عرض

کر رہے ہیں۔ فقیر نے ملاقات کے بعد حضرت پر بہت کم توجہ دی اور پھر روضہ اقدس کی زیارت میں متوجہ ہو گیا۔ میرے فاتحہ اور طواف سے فراغت پانے تک آپ روضہ منورہ کے پائین میں دست بستہ کھڑے تھے جب میں حسب معمول آداب سے فارغ ہوا تو اپنے بزرگوں کے دستور کے موافق ایک مقام پر آ کر بیٹھ گیا۔ بس یہیں حضرت رمز الٰہی بھی اسی مقام پر تشریف لائے اور میرے قریب بیٹھ کر عقیدتمندانہ کلام فرمانے لگے۔ فقیر نے بھی جواباً کچھ ہی آپ کے احوال دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ آپ بھی سلسلہ قادریہ عالیہ کے خوشہ چینوں سے ہیں۔ اثنائے سخن میں آپ نے فرمایا کہ اگر آپ کے بزرگوں کو علم سلوک و نفوس میں کوئی رسالہ ہو تو مجھے عنایت فرمائیے۔ میں نے کہا ایک رسالہ ہے لیکن اس خاندان کے مریدین اور طالبین کے علاوہ اسے کسی دوسرے کو نہیں دیا جاتا۔ آپ نے فرمایا کہ صاحبزادہ من اگر اسی رسالہ کے مصنف تمہیں اجازت دے دیں تو کیا مجھے دو گے۔ میں نے کہا بیشک اگر ایسا ہو جائے تو میں اپنے پیشواؤں کی اجازت سے یہ رسالہ آپ کو دیدوں گا۔ آپ نے فرمایا ان شاء اللہ آج رات آپ کو نظر آ جائے گا۔ الغرض آپ نے یہ شرط رکھی اور پھر مصافحہ کر کے رخصت ہو گئے۔

فقیر نے بھی عہد و اثق کیا اور اپنے گھر لوٹ گئے۔ الحمد للہ علیٰ نعمائہ۔ اس رات میں نے خواب میں دیکھا کہ یہ عاصی حضرت سید عبد القادر ملکاپوری کے روضہ میں بطرف یمین حاضر ہے اور حضرت موصوف مزار کے مقام پر تشریف فرما ہیں اور رسالہ "ذکر الاذکار" کی ساری عبارت تمام گنبد و زمین یہاں تک کہ قبر انور پر بھی خوشخطی سے منقوش ہے اور میرے پہلو کے متصل حضرت رمز الٰہی بھی تشریف فرما ہیں۔ اسی رسالہ کے چند اوراق حضرت عبد القادر ملکاپوری کے دست مبارک میں موجود ہیں جو حضرت نے اس عاصی کو عنایت فرمائے اور حضرت رمز الٰہی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بابا یہ اجزا انہیں دے دو۔ چنانچہ اس بندہ درگاہ کمینہ خاکروب آستان نے حضرت کے ہاتھ سے لیکر یہ اوراق حضرت رمز الٰہی کو دئے اسکے بعد میں خواب سے بیدار ہو گیا۔ دوسرے روز حضرت رمز الٰہی موافق اقرار یہ اوراق طلب کرنے کے لئے تشریف لائے۔ فقیر نے رسالہ کے یہ اجزا اپنی آستین میں رکھ لئے اور باہر آیا۔ ملاقات کے بعد میں نے روضہ منورہ جانے کا ارادہ کیا۔ جب روضہ میں حاضر ہوا تو مقام معمول پر بیٹھ گیا۔ حضرت رمز الٰہی نے مجھ سے اوراق طلب کئے میں نے کہا کہ حاضر ہیں لیکن مشروط بشرط ہے۔ آپ نے فرمایا

کل رات شرط کا ایفا ہو چکا ہے اب مجھے یہ اوراق دے دیجئے۔ میں نے کہا کہ سیدمنؒ اگر ایسا ہوا ہے تو خواب کی جو کیفیت مجھ پر طاری ہوئی ہے اسے بیان فرمائیے۔ آپ نے مجھ پر جو صورت معاملہ گذری تھی بعینہ بیان کر دی۔ میرا باطن آپ کے اس کشف سے لرز گیا اور میں نے اپنی آستین سے رسالہ کے اجزاء نکالے اور حضرت رمز الٰہی کے روبرو رکھ دئے اس روز سے میرا دل آپ کے کمال اور قوت ولایت کا مقر ہو گیا۔ اور دلی تعلق اور روحی محبت آپ سے بیدار ہو گئی۔ یہاں تک کہ بتاریخ ۲۷ محرم الحرام سنہ ۱۲۰۲ھ میں آپ کے حلقہ طالبان عمدۃ المختار میں حضرت کی اجازت سے شامل ہو گیا۔ جو خاندانِ قادریہ عالیہ میں شغل ثانی ہے اگرچہ کہ مجھے اس سے پیشتر بھی علٰحدہ طریقہ سے اس شغل کی اجازت حاصل تھی اور میں نے بقدر مقدور سعی بلیغ کی تھی۔ لیکن حق سبحانہ تعالیٰ نے حضرت رمز الٰہی کے طفیل سے اسکے عنایت فرمائے۔ بمنتہ وکمال کرمہ

حاصل کلام یہ کہ حضرت رمز الٰہی سفید پوشی میں قطب وقت تھے مجھے پانچ سال تک آپ سے صحبت محرمانہ حاصل رہی اس ساری مدت میں صرف ایک مہینہ ناغہ ہوا تھا۔ دوپہر سے عصر کے وقت تک روضہ منورہ میں ہم باہم تنہا اور ایک جا ہوتے اور کسی کو اس راز سے آگاہی نہ تھی۔ یہ عجیب وقت فیض صحبت ہوتا تھا جس کا بیان حیطۂ تحریر سے باہر ہے اور نہ کہا جا سکتا ہے۔ آپ نے مراتب سلوک کشفیہ میں چودہ رسالہ تالیف و تصنیف فرمائے جنکے منجملہ ہر ہر رسالہ قتادۂ معرفت ہے۔

آپ صاحبِ تصرف وخوارق عادات تھے کہاں تک آپ کی کرامات قلمبند کی جا سکتی ہیں اندکے از بسیار و قطرہ از بحار یہ ہے کہ ایک روز سنہ ۱۲۰۴ھ میں یہ فقیر عاصی "توحید نامہ" تحریر کرنے میں مصروف تھا جو حضرت رمز الٰہی کی تصانیف کے منجملہ ایک تصنیف ہے۔ دوران تحریر میں ایک ایسے مقام پر پہونچا جہاں حضرت سیدی نے اپنے القاب خود تحریر فرمائے ہیں۔ جب عین حالت تحریر میں اس پر نظر پڑی تو دیکھا کہ ان میں بعض القاب مختلف اللفظ اور متحد المعنی تھے۔ چنانچہ میں نے طول کلامی کے قطع نظر انہیں نہ لکھا۔ دوسرے روز رمز الٰہی اپنے دستور کے موافق بوقت تشریف لائے اور میرے خانۂ تاریک کو روشنی بخشی۔ اسکے بعد ہم روضہ منورہ میں گئے اور باہم گفتگو کرنے لگے۔ اثناء کلام میں آپ نے فرمایا علی پیر اللہ صاحبؒ فقیر

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے رقعات میں دیکھا ہے کہ ایک روز حضرت موصوف شاہ باقی باللہ کے القاب تحریر کر رہے تھے کہ ایک لقب سہواً قید قلم میں نہیں آیا اس رات جب وہ اپنے روزانہ کے معمول کے مطابق جناب خواجۂ اعظم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لئے متوجہ ہوئے تو یہ ان کو میسر نہ ہوئی۔ جب دوسرے روز ان کو آنحضرت علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تو دیکھا کہ آنحضرت ان سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ اے احمد تم وہی ہو جس نے اپنے شیخ کے القاب میں سے ایک لقب کو فراموش کر دیا اور تحریر نہ کیا جب تم نے اس کے لکھنے میں سہواً قصور کیا تو ہمارے دیدار میں بھی قصور واقع ہوگیا۔

چنانچہ شیخ احمد نے اپنی کتاب کے اس سہو سے استغفار کیا۔ مولف عاصی عرض کرتا ہے کہ جب حضرت رمز الٰہی کی زبان حق ترجمان سے میں نے یہ حکایت سنی تو فوراً مجھے اپنی حالت پر ندامت اور پشیمانی ہونے لگی اور میں اپنے قصور پر معترف ہوگیا۔

تصرف دیگر یہ کہ ایک روز میں حضرت رمز الٰہی کے روبرو بیٹھا ہوا تھا کہ نماز ظہر کا وقت آ پہنچا۔ چنانچہ نماز کی نیت سے میں اٹھا اور تازہ وضو کر کے حضرت سید شاہ محی الدین ثانی کے روضہ انور میں بطرف پائیں نماز میں مشغول ہوگیا۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو سیدمن رمز الٰہی فرماتے ہیں کہ نماز حکم الٰہی ہے اسے اس کے شرائط اور قواعد کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے۔ میں نے التماس کیا کہ فقیر اس تعلق سے حد سے زیادہ احتیاط کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا کرتے ہو لیکن دل کو بھی متوجہ بحضور رکھنا چاہیئے لاصلوٰۃ الا بحضور القلب وارد ہے۔ میں نے کہا عاصی کو اس شرط پر بھی نظر توجہ ہے۔ اس پر آپ نے حدت سے کہا کہ علی پیراں صاحب کیا آپ مجھے دوسروں کی طرح سمجھتے ہیں نماز کو بالفعل آپ نے فلاں خطرہ سے فاسد کر دیا۔ پھر کس طرح حضور قلب باقی رہا۔ عاصی کہتا ہے کہ الحق کہ ایسا ہی ہوا تھا میں خجالت سے عرق آلودہ سر بگریباں ندامت ہوگیا۔

تصرف دیگر یہ کہ ایک روز میں حضرت رمز الٰہی سے ملاقات کے لئے یاقوت پورہ گیا جہاں آپ تشریف فرما تھے بعد ملاقات آپ نے فرمایا کہ آپ نماز جمعہ کی پابندی نہیں کرتے اس کی بیحد نگہداری کرو کہ اس میں کئی فیوض مندرج ہیں جو انشاء اللہ آپ کو نصیب ہوں گی۔ میں نے کہا کہ سیدمن نماز جمعہ کی پابندی میں حتی المقدور مجھ سے کبھی قصور واقع نہیں ہوتا لیکن بعض اوقات بعض ضروری

کاموں کی مدافعت میں کوئی دوسری صورت بھی نہیں رہتی۔ آپ نے فرمایا کہ صاحب من! خلاف واقعہ اظہار اور غلط بیانی نہ کیجئے آپ خود انصاف کیجئے کہ کل روز جمعہ تھا اور آپ اپنے عم محترم سے ملاقات کے لئے شاہ درویش محی الدین قادری کے روضہ کو گئے تھے اثناء راہ میں ایک مسجد میں نماز جمعہ ہو رہی تھی اور آپ نے تغافل اور تکاہل سے ادا نہ کی اور پھر کہہ رہے ہیں کہ میں نماز جمعہ کا پابند ہوں کس طرح آپ کے قول کا یقین کیا جائے۔ عاصی کہتا ہے کہ بیشک فقیر کی یہی سرگذشت تھی جو آپ نے بیان فرمائی لیکن کاہلی کا باعث یہ تھا کہ اس وقت نماز جمعہ میں امام صاحب قراءت فرما رہے تھے اور مجھے وضو کی ضرورت تھی لہذا مجھے خیال گذرا کہ طہارت کاملہ تک صلوٰۃ جمعہ اتمام کو پہونچ جائے گی جس کی بنا پر میں نے نماز ادا نہیں کی جسکی حضرت رمز الٰہی نے تنبیہ فرمائی۔ اب حضرت مذکور کی امداد اور استعانت سے گھر ہی میں ایک نئی مسجد تعمیر پاگئی ہے جس میں نماز خمسہ، جمعہ اور عیدین بمعموری ادا کی جاتی ہیں۔

تصرف دیگر یہ کہ ایک روز میں نے حضرت رمز الٰہی کی ملاقات کا عزم کیا اور جانے سے قبل خیال کیا کہ اگر آج حضرت موصوف بغیر طلب کے مجھے کوئی میٹھی چیز عنایت فرمائیں تو میں یقین کے ساتھ آپ کی تصرفات اور خوارق عادات کے منجملہ تصور کروں گا۔ اس نیت کے ساتھ میں خدمت عالی میں حاضر ہوا۔ بعد ملاقات آپ نے فرمایا علی پیراں صاحب آج علی الصبح تشریف لائے ہیں شاید کچھ تناول نہ کیا ہوگا اور فقیر نے بھی ابھی تک کچھ نہیں کھایا میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ہمطعام رہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت کی مرضی شریف کا تابع ہوں جو بھی حکم ہوگا بجا لاؤں گا چنانچہ آپ نے کھانے کا دسترخوان مسجد میں طلب فرمایا اور فقیر کو بھی یاد کیا۔ جب میں دسترخوان پر آیا تو میں نے حلوہ نہ پایا۔ مجھ پر خطرہ گذرا کہ حضرت رمز الٰہی نے خلاف معمول دعوت طعام فرمائی لیکن میرا مقصود حاضر نہیں ہے۔ بمجرد اس خطرہ کے آپ نے فرمایا کہ فقیر نے فلاں کتاب میں حضرت خواجہ بہاء الدین رملی کے احوال میں دیکھا ہے کہ ایک روز اصفہان کا بادشاہ حضرت مذکور کے امتحان کی غرض سے آیا اور راستہ میں دل میں خیال کیا کہ اگر حضرت صاحب تصرف اور اہل باطن ہیں تو آپ کوئی ایسی چیز کھلائیں گے کہ میں نے اپنی ساری عمر میں ایسی چیز نہ کھائی ہو۔ حضرت مذکور نے ملاقات کے بعد اسکو چاول کی کھیر اور گرم نان مرحمت فرمائے اس نے اسے درویش کی عنایت کا خیال اور اس میں سے کچھ تناول کیا اور اسکے دل میں خیال گذرا کہ معاملہ برعکس ہو گیا اسی وقت حضرت بہاء الدین نے

کہ بادشاہوں کو زیبا نہیں وہ درویشوں کا کسی ایسی چیز کے لئے امتحان لیں جو امر غیر وقوع ہے۔ پھر فرمایا کہ تم خود انصاف کرو کہ دنیا کی نعمتوں میں سے ایسی کونسی شئے ہے جو تم نے نہیں کھائی۔ فقیر کو تمہارے مرکوز کے پیش کرنے میں سخت تردد واقع ہوا کہ ناگاہ گھر کے خادم نے مجھ سے آکر کہا تین روز قبل صحرائی ہرن جو آئی تھی اس نے بچہ جنا اور دودھ دے رہی ہے پس میں نے اسے بہتر جانا کہ سلطان نے اپنی تمام عمر میں آہوئے صحرائی کے دودھ کی کھیر نہ کھائی ہوگی لہذا میں نے خانقاہ کے لوگوں سے کہا کہ اس دودھ سے چاول کی کھیر تیار کیجائے تاکہ سلطان کو دی جائے اور یہ وہی کھیر ہے جو تم نے کبھی نہیں کھائی تھی۔ بادشاہ نے اپنے دل میں کافی دیر تک سوچ بچار کیا اور بالآخر اسے یقین ہو گیا کہ اس نے یہ شئے کبھی نہیں کھائی چنانچہ اس نے حضرت کی صدق بیانی کا اقرار کیا اور آپکی ولایت کا قائل ہو گیا۔

مولف عاصی عرض کرتا ہے کہ حضرت سید رمز الٰہی نے اس نقل حقیقت انجام کے اتمام کے بعد فقیر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ علی پیران صاحب اگر آپ مٹھائی چاہتے ہیں تو حاضر ہے۔ میں نے کہا اس سے بہتر کیا ہو گا۔ میں نے اپنے آنے سے قبل ہی اپنے دل میں یہ خیال متمکن کر رکھا تھا چنانچہ آپ نے اپنی خادمہ عزت النساء سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ عزت، علی پیران صاحب کے حصہ کی مٹھائی لاؤ جو میں نے ان کے آنے سے قبل اٹھا رکھی تھی۔ الغرض اس خادمہ نے گنے کے چند قاشیں جو کاغذ سے لپٹے ہوئے تھے حضرت رمز الٰہی کی خدمت میں پیش کئے اور حضرت موصوف نے تبسم کناں یہ قاشیں مجھ عاصی کو عنایت فرمائیں۔

دیگر تصرف یہ کہ صاحبزادہ سید غلام قاسم زاد اللہ اقبالہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے ایک شخص سے سنا تھا کہ اہل ولایت کا امتحان یہ ہے کہ اگر ان کے پیچھے ایستادہ ہو کر سورہ فاتحہ اور تین دفعہ سورہ اخلاص پڑھا جائے تو وہ مخاطب ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت رمز الٰہی جا رہے تھے اور میں آپ کے پیچھے تھا میں نے فوراً دل میں سورۃ مذکورہ کا ورد شروع کیا ابھی میں نے تاماً و کمالاً ایک بار بھی نہ پڑھا تھا کہ حضرت موصوف میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا قاسم بادشاہ صاحب آپ میرے صاحبزادے ہیں اور پھر تعجب ہے کہ پھر بھی اس فقیر کا امتحان لینا چاہتے ہیں۔ صاحبزادہ غلام قاسم فرماتے ہیں کہ آپ کے ایسا فرماتے ہی میرا باطن لرز گیا اور اس روز سے میں آپ کا معتقد ہو گیا۔

حاصل تحریر یہ کہ کامل تین چار سال تک آپ سے روزانہ شرف ملاقات حاصل ہوتا اور ہر روز حضرت رمزالٰہی کے تصرفات سے منجملہ ایک نہ ایک خرق عادت ضرور ملاحظہ میں آتی اکثر اوقات ایسا دیکھا گیا کہ حضرت رمزالٰہی دو دو پہر تک محمد عاصی کے خواطر پر واقف رہتے اور بارہا فرماتے کہ علی پیراں صاحب کشف قبور دو طرح کا ہوتا ہے۔ پہلی قسم علم دعوت سے تعلق رکھتی ہے اور یہ عام لوگوں کی اور بعض صلحائے امت کی قبور کے احوال اور مقام اولیاء کے کشف پر موقوف ہے۔ دوسری قسم عالم ملکوت میں رسائی کے بعد تصفیہ اور تجلیہ سے متعلق ہے یہ مکاشفہ روحی و قلبی ہے جو صرف دوستان حق کو نصیب ہوتی ہے اور ان کے سوا کسی کو نصیب نہیں۔ اور اس فقیر کو جو کشف ہوتا ہے وہ اہل حق کی ملازمت سے حاصل ہوتا ہے ففہم فاعرف۔

الغرض حضرت رمزالٰہی کے کمالات اور خوارق عادات بیرون حدود تحریر ہیں۔ کہاں تک سپرد قلم کئے جائیں۔ اگر حضرت کے تمام تصرفات لکھے جائیں تو ایک دفتر مرتب ہو جائے گا طول کلام کے پیش نظر سے فروگذاشت کے ساتھ تحریر کیا گیا اس لئے کہ اس مختصر رسالہ میں اس طوالت کی گنجائش نہیں۔

حضرت رمزالٰہی قدسنا اللہ تعالیٰ بامرارہ موزوں مزاج تھے۔ اور آپ نے چند رسالہ نظم تصنیف فرمائے ہیں۔ جو آپ کے تیز و تر دماغی کی دلیل ہیں۔ چند ابیات جو حضرت کی طبع لطیف کی بدولت "رسالہ کنز مخفی" میں تصنیف کردہ ہیں درج ذیل ہیں۔

ابیات

شق الفلک است نرد بانم   کرسی است چو اولیں مکانم
من قصہ خویش می نویسم   درد دل ریش می نویسم
باریک راہ است وتنگ وتاریک   مشکل او شئے زموئے باریک
محنت کدہ خرابہ دارے   لغزیدن او سراست ودارے
با جملۂ قدسیاں ملاقاتی   یارب ساقی و صحبت باقی
ایں جملہ منازل سلوک است   ایں شارع شاہی سلوک است

بے محنت و رنج فائدہ نیست　　ایں ہا سخن است قاعدہ نیست
با خود منشیں کہ جائے ننگ است　　برخیز و برو ثبات لنگ است
چوں روح برآرد جلد مقیشے　　آنگہ بجزا بکن تو خویشے
ہر دم بہ نماز و حج و صوم اند　　ایں فرقہ صوفیاں چہ قوم اند
معذورم اگرچہ نوح گفتم　　اسرار نگفتنی است گفتم
گویند چو سالکاں راہ رو　　در راہ خدا بصدق میرو
آواز جرس بگوش بشنو　　ایں نکتہ ز من بہوش بشنو
ایں کنہ ردا ز دوش افگن　　از مغز خودت چہ پوست برکن
از قید خودم نمود آزاد　　آں پیر من است پیر بغداد
بیگانگئی تو بد بجا است　　تا پاک شوی تو از خیانت
چوں پاک شود نجس نکردی　　گشتی چہ طلا تو مس نکردی
گر مرد رہے بدو قدم شو　　در ملک بقا برو علم شو
آزاد شدم ز قیدائے شاد　　قرباں شوم بر پیر بغداد
معراج فقیر دوش پیراست　　درویش کہ تاج پوش پیراست
بس کن قلم و زباں نگہدار　　اے بے خبر آ بشو خبردار
اسرار مگو بہ رمز بس کن　　اے شاد بگو کہ رمز بس کن
ہر گاہ بر آمدی ز قالب　　آزاد شدی ز بند غائب
دارید مرا معاف یاراں　　صحبت بنود کلام مستاں
گویید ہمہ خود چو دوست بشنو　　از من بنود ز اوست بشنو
اللہ ہر آرید از نہادم　　اینست براہ حق جہادم
جانم کہ فدائے پیر من باد　　شہ بندہ علی ست پیرم استاد
دلالہ گیم ممنود پیرم　　مشاطہ گیم نمود پیرم

القصہ کہ تا کجا بیاں را
بے پردہ عیاں کنم نہاں را

ایک اور مقام پر رسالہ "وعظ المجالسین" میں آپ فرماتے ہیں ؎

نظم

از قضا روزے زمن آں مئے فروش   گفتگوئے کردہ بامن در خروش
آہ چوں وحی الٰہی بود ایں   گشت نازل بر دل من ایں چنیں
اے کہ جبریل امین ست پیر من   اے کہ بالاتر ازیں ست پیر من
ہر کجا عاشق رسید جبریل گو   ایں کہ میکائیل و اسرافیل گو
جاں فدائے ایں چنیں ساعت کنم   انچہ پیرم گفت من طاعت کنم
گفت پیرم اے پسر بشنو زمن   ایں نصیحت خوش بود از جملہ فن
گفت پیرم بہر من اسرار غیب   زاں کہ باشد ایں ہمہ بیشک و ریب
من بدورش گشتم و گفتم چنیں   انچہ فرمائی یقیں باشد یقیں
بر دل و جاں نقش کردم بر جگر   کندہ گشتہ ہمچو نقش کالحجر
حرف پیرم ز آب زر خواہم نوشت   بر دل و جاں بر جگر خواہم نوشت
ہر کہ غافل گشت زیں با غافل است   خرمن او بے کماں بے حاصل است
قال پیر من بود قال خدا   کیں بودے بے شک یقیں را مقتدا
ایں نصیحت راز من تو گوش کن   بادۂ عرفان حق را نوش کن
تا شوی سالک ازاں راہِ خدا   سعی ہا کن سعی ہا کن سعی ہا
بے مشقت نیست ہر کارے بداں   من بگویم فاش با تو نہ نہاں
جاں بدہ در راہِ او گر صادقے   حرف کذّاباں شنیدی کاذبے
آنقدر کن جہد دم با ہوشہا   تا رسد بانگ جرس در گوشہا
عمدۃ المختار را کن اختیار   اصل کار این ست این ست اصل کار
باز پیرم گفت بشنو اے پسر   مولوی فرمود آگہہ باخبر
بے حس و بے گوش و بے فکرت شوید   تا خطاب ارجعی را بشنوید
چشمہائے گوش تو چوں وا شوند   آں صدائے غیب مطلق بشنوند

آں صدا آبِ حیات است نوش کن   ایں سخن از پیر خود در گوش کن
ہیچ فرمودی چہ باشد ایں سخن   یعنی در آواز مطبق غوطہ زن
ہیچ فہمیدی چہ باشد ایں سخن   آنچہ من گفتم ترا بس آں بکن
پیر من تا در سخن آمد بجوش   از زمین و آسماں آمد خروش
ہمچو جوشش دیگ زد جوش دلم   نقد دستم گشت مارا حاصلم
اے چہ قرباں چنیں پیرے شوم   اے فدائے ایں چنیں مرشد شوم
گفت پیرم چوں بہ رہ سالک شوی   رفتہ رفتہ جانِ من مالک شوی
کاہلی ہرگز مکن اے جان من   حفظ دار از جان ایں پیمان من
ایں سلوکت جابجا خواہد رساند   پیش تو یک یک ہمہ خواہد بخواند
ایں عوالم خمسہ را طے میکنی   اسپ روحت را تو چوں ہۓ می کنی
جملہ اسرارِ الٰہی منکشف   بہر دل تو میشوند ہا اۓ خلف
تو مترس از راہ و اقبل لاتخف   میرسی آنجا کہ دانی منعرف
پیر من میگفت با من رازہا   گوش من واکرد زیں آوازہا
پیر من دیگر نصیحت خوش نمود   واضح و روشن نمود ہر آں چہ بود
ہمچو صوفی در لباس صوف باش   در صفت ہا با خدا موصوف باش
گفت دیگر گوش کن پند اے پسر   ور تو نشنیدی شود خاکت بسر
تو مکن زہد و ریاضت باریا   بے ریا شو بے ریا شو بے ریا
پیر من فرمود بشنو ایں سخن   خوش نصیحت کرد با من پیر من
صحبتِ کامل بود آبِ حیات   صحبتِ ناقص بود زہر ممات
کاملے ہر جا ببیں فیضش بگیر   سر بنہہ بر پائے او دیگر پذیر
صحبت روشن دلاں روشن کند   ایں دل ہمچو خود روشن بود
راہِ تاریک است شب یلدا بود   اۓ ز فیض کاملاں مشعل رسد
چوں شب قدر است آں تاریک شب   چوں مدد کامل بود اوبے تعب
بر شریعت باش ثابت اۓ عزیز   در طریقت در حقیقت با تمیز

معرفت حاصل کن و عارف بشو   صوفیاں را ذکر شاند راہ رو
پیر ما فرمود ذکر و شغلہا   باشد در راہ طریقت اصلہا
ایں ہمہ قرآں نوشتم بہر تو   در زباں صوفیہ خواندم بہر تو
صوفیا باش با تجرید و فرد   آں زماں کہ دی شنو مردانِ مرد
قصۂ کوتاہ برد مارا پیر من   برد مارا با خدا بسپرد او
جنّت القدس عقد آوازِ کرم   یہ درشہا کرد با ناز و نعم
پیر باشد ایں چنیں باشد مرا   تا نماند بے تعب مارا خدا
ایں ہمہ بہر تو گفتم من مقام   ایں مقولات اند از دارالسلام
فیضہا ئی پیر مارا کن تو سیر   کار خیر انیست! انیست کار خیر
در زبانِ صوف با من رازہا   کرد تعلیم او ازیں آوازہا
ایں زبانِ صوف دانند صوفیاں   اصطلاحہا ہند در جلہ بیاں
دولت توحید مارا داد پیر   میکنم من ہرچہ باد اباد پیر
عالمانِ قلشر را با دیں چہ کار   جاہلانِ مدرسہ رانیست یار
اے کہ در دفتر نباشد علمِ دیں   علم دیں در سینہ باشد بالیقیں
علم دیں از سینہ در سینہ رسد   ایں سخن از کنہ بے کینہ رسد
احمقا گر علم دیں دفتر بدے   کہنہ ملّایاں ہمہ عارف شدے
بیوقوفانند ایں چندیں خراں   بار دنیا کرد بر دوشِ سراں
چوں چنیں گشتی برو آزاد باش   در نخواہی صاحب سجادہ باش
ہرچہ باشی اند کے ہوشیار باش   در برو دوش و حضوریار باش
راز ہا می گفت پیرم رازہا   من بقربانِ چنیں آوازہا
اے کسے کوتاہ فہمد ایں سخن   ناکساں ہرگز نفہمند ایں سخن
صاحب حالاں بدانند حالِ من   احمقاں کے میشناسند فالِ من
پیرِ من فرمود کل اسرارہا   پیر من در دست دارد کارہا
کار و بارِ پیرِ خود را دید کن   اے خوشا حال تو ہر دم عید کن

گفت پیرم مے خورو رندانہ باش گوش کن ایں رمز را مستانہ باش
چوں شدی منصور حلاجی بکن خوش انا الحق بر سر دارے بکن
سر مدہ دارائے آزاداں شوی آبدار تیغ جلاداں شوی
چوں شوی گشتہ شہید اکبری ایں سخنہا یم مداں تو سرسری
چوں شنیداں گشتہ کشتی کاملے ہر زماں ہر لحظہ ہر دم واصلے
گفت پیرم اے پسر آ ایں بخواں ایں نصیحت گوش کن اسرار داں
در خارش خود را باختی بر فراز عرش اسپیت تاختی
در مقام انبیا و اصحاب شو شہر علم مصطفیٰ را باب شو
در رسالت پا منہ کار تو ست در نبوت دم مزن بار تو نیست
بسکہ بشنو ایں رموز اسرار غیب اے پسر میداں چنیں بے شک و ریب
ہر کجا عاشق رود گوہر کرام می نمودم مختصر خیر الکلام
از زبانِ صوف من گپ منیرم اشتہائے سالک کوشر تنسم
پیر من واعظ شدہ وعظم بگفت گوہر غلطاں چہ بہر من بسفت
بہر سالک مشعلے افروختم ہمچو شعلہ من دماغے سوختم
از برائے عاشقاں اندوختم گنجہائے شائگاں افروختم
ایں نصیحت نامہ را کردم تمام مختصر گفتن بود خیر الکلام
ایں جواہر ہائے بے قیمت بخر کن خریدانہ بہر گوہر نظر
زیں کہ بسیار انگفتم از مقام مختصر کردم بہ از طول کلام
ایں قبائی بقہ ذو الاطلسے خلعت شاہانہ گر پوشد کسے
خوش قبائی بقہ دوزی دوختم اے بہ بے قدرے چہ من افروختم
اطلس و دیبا و قاقم لبتیں ہاست پوششش ماہیچہ صوفی دلقہاست
بر جمالِ مصطفیٰ صلوا علیہ باد بر شمس الضحیٰ صلوا علیہ

دیگر چند ابیات حضرت رمزالہی کی ایک تصنیف "فتاوی العشاق" سے یہاں نقل کیجاتی

ہمیں بگوشش ہوشش ستو ٥

ابیات

قصہ لیلیٰ و چہ ال مجنوں کنم   شرح غم عاشق مفتوں کنم
شور جنوں از سر من ریخت رنگ   دستِ من و دامن صحرا و سنگ
چاک گریباں من ست تارتار   کوچہ و طفلان و من سنگسار
ای تو شنیدہ طرفہ حکایت کنم   راوی عشقم چہ روایت کنم
مفتی عشقم کہ چہ فتوی دہم   راوی فتوی دہ عاشق منم
پیرہن عشق قبا کرد زینت   عشق بجوش است صدا کرد نیت
بانگ برہمن لب ناقوس بود   بانگ موذن ہمہ ناموس بود
شمع صنم خانۂ رہباں منم   روشنئ مسجد و ایماں منم
در چمن قدس کہ طاؤسیم   پردہ کشِ خلوتِ ناموسیم
با توی محبوبہ خاتون و امنم   محرم خلوت گہ بیچوں منم
روح مصفّا و مقدّس منم   اے کہ جناب شہ اقدس منم
مضغۂ و سہرا لبسر سینہ ام   رشتہ جاں را بکمر بستہ ام
شیفتہ عشق ہتے گشتہ ام   عاشق آں ماہ رخے گشتہ ام
ہرچہ کند عشق بمن خوشتر است   مرشد من ہادیٔ من بہتر است
دور شراب است تو شاجوش باد   رند قدح نوش قدح نوش باد
مرشد من بندۂ علی شہ بود   کہ بہ کتفش من بدم او سر بود
نالہ کن و ہرزہ درا گشتہ ام   مرشد قوم جہلا گشتہ ام
یکدو قدم چونکہ برفتیم راہ   در چمن قدس رسیدیم واہ
بردمرا در برِ او وصل کرد   ہر دو جہاں در نظر فصل کرد
گفت کنوں مرشد من شاد شو   ای تو از قید جسد آزاد شو
دین و دلم در رہِ او باختم   راکب مرکب شدم و تاختم

یافتم و یافتم و یافتم   دلبر خود را ببرم یافتم
بہر تو فنوائے ذکر میدہم   رو سوئے آنسوختہ جگر منم
گلشن ملکوت بود سیر او   وسعت لاہوت بود سیر او
از خم ملکوت بود جوش او   بانگ جرس حلقۂ در گوش او
نقش دو کشش کرد مرا ششدرے   ششدریم کرد مرا ششدرے
شش جہت و ہفت طبق باختم   وہ بدبستاں چہ سبق یافتم
ما و خدا ہر دو بیم باختم   تختۂ مردی چہ بیم یافتم
حرف مرا گوش کن و دم مزن   عشق مرا دید کن ز دم مزن
قشقہ کشش صندل چیں گشتہ ام   من بگلو رشتۂ دیں بستہ ام
خال سفر متیر نغم بہ عرش   بانگ جرس گشتہ چہ فریادرس
جوش زند عشق چو دیگ مسے   آہ نفہمد سخنم را کسے
گوش کن ایں فنوائے ذکر من   برہمنم برہمنم برہمن
جملہ جہاں منظر نظارہ ام   آب جہد صاف ز فوارہ ام
بوعلی ام طفل دبستان منم   جملہ خلائق گل بستان من
شرح مقامات علا میکنم   پردہ کشش سر خفا میکنم
گر کس من طرفہ ہا گشتہ است   بندہ بہ بیں وہ چہ گشتہ است
رقص کنم آہ بہ بتخانۂ   رام کتاں مست چو دیوانۂ
آہ چہ مستانہ سرود من ست   رام چہ گفتیم زرود من ست
ہدیۂ عشاق بود ایں کتاب   تحفۂ آفاق بود ایں کتاب
تحفہ فرستادیم عشاق را   ہدیہ رسد جملہ مشتاق را
قصہ عشاق ز تو تازہ شد   آں چہ تقویم کہن پارہ شد

حضرت کی ایک اور تصنیف "توحید نامہ" کی چند ابیات یہ ہیں ؎

نظم

بشنوید ایں نالہ ہائے دوستاں   از عروس اللہ بے نام و نشاں
یادگارے میگذارد در جہاں   بہر قوم صوفیان عارفاں
تاکہ روزے فالہا بنہند ازاں   مستمنداں دردمنداں عاشقاں
فال بکشایند و لذتہا برند   شعرہا خوانند عشرت ہا کنند
ہاں عروس اللہ محو لذت است   ہاں عروس اللہ غرق عشرت است
یار با او او بیار خویش یار   مست و مدہوش است دریں کاروبار
شاعری بے قافیہ مستانہ ایست   او ز قید آزاد سخت دیوانہ است
طرقہ بابائے قلندر مشربے   دین و ایماں یار او لا مذہبے
او بقوم صوفیاں صدیق بود   او بقول دیگراں زندیق بود
گہہ برہمن گہہ مسلماں بودہ است   گاہ کافر گہہ مسلماں بودہ است
پیر ما بندہ علی شاہ بود حق   پیش او خواندیم ما ایں یک ورق
او بہ مکتب داد مارا ایں سبق   گو انا اللہ و انا الحق است حق
من انا الحق میزنم ہر دم بحق   زانکہ پردہ گشت ہم چوں ابر شق
ھو اللہ ھو کہ من گشتم خدا   پس خدائے خویش میدانم خدا
چوں بہ اینجا می اسم سجدہ کنم   عبدیت را صحت تازہ دہم
عبدیت تشریف آگیں بے بہاست   اے الوہیت گزیں از دست ماست
ہاں رسول ہاشمی پوشیدہ است   مرتضیٰ جد مرا بخشیدہ است
ارث ارثاً میرسد ہاں دست بدست   تا عروس ہاشمی پوشیدہ چست
نسل نسلاً عن تعین ارثم رسید   پیر ما بخشیدہ مارا روز عید
ایں ہمہ فیض ست از وہاب من   بر رخ من واشد از باب من
گوش میگویم بجوق قدسیا   ای علم افراش در روحانیا
بوق شد در حلقہ کروبیاں   جوش زن در جوقہائے صوفیاں
شہسوارم در صف لاہوتیاں   نیزہ بازم در صف ہاہوتیاں

تاج بر سر در صف جبروتیان   اے خلیفہ در صف ملکوتیان
شہ عروس اللہ مرد صوفی است   صاحب تاج است و تخت کرسی است
ایں ہمہ دولت بخشش پیر داد   دا پیرم داد پیرم پیر داد
پیر ما چوں قادری وہابی است   فیض ما را ہر چہ شد وہابی است
شیخ ما عبدالقادر جیلانی است   پیر ما ایمان ما ایمانی است
خود بخود ظاہر شود شان و عروج   میشود از فرش تا عرش ست خروج
ایں عروج و ایں نزول اولیاء   اولیا ما تحت شان انبیاء
آں ولی با دوست غرق دوست شد   مغز مغز او شد و بے پوست شد
چوں سفر کرد از سرائے جسم و تن   کرد رجعت با سلامت در وطن
ایں وطن شہریست در ملک اصل   روشناسد آنکہ حاصل کرد وصل
شہ عروس اللہ واصل واصل ست   شہ عروس اللہ کامل کامل ست
در خرابات مغاں رونق فزاست   سرگروہ بے نوایان بے نواست
اے علی پیراں شنو اسرارہا   عاشقی دارد بخود بس کارہا
دہر داناں را چنیں قانون بود   ہیچ دانست گرچہ افلاطون بود
اے علی پیراں بکن تو صیقلے   زنگ راند آئینہ کن تو صیقلے
بر شریعت باش قائم نیک بخت   تا شود حاصل بتو ہم تاج و تخت
در عقیدت ثابت و قائم بشو   از جناب پیر ما خادم بشو
آنکہے از نعمت دہاہیم   میرسد بخشش تو ہر چہ خواہیم
ہاں خبردار اے جوانِ کامگار   از خلافِ قول و فعلت دل ہراد
در تو راسخ باشی و ثابت قدم   ہمرہم منی و ہمدم در ہر قدم
ایں ہمہ گنج کنوز قادری   میدہد پیرم تو گر عابری
میدہم من گنجہائے قادری   ہر قدر تا بے تو برگیر اے علی
فیض پیر ماست جاری تا ابد   مرشد ما ہست اللہ الصمد
ہیچ چیزے نیست کم در خانہ ام   ہست مہیا دولت شاہانہ ام

عہد کردم تا ترا واصل کنم　　شرط کردم تا ترا کامل کنم
ما ترا ہم ایں ہمہ خواہیم داد　　از تہ دل میکنم ارشاد بشاد
دم غنیمت داں و در ذکرش مدام　　صرف کن عمر عزیزت را تمام
او نچہ قانون بود گفتم بالتمام　　عہد باشد ختم کردم والسلام

دیگر چند ابیات جو حضرت رمز الٰہی کے طبع و موزوں کردہ ہیں اور جنہیں گاہے گاہے آپ ارشاد فرماتے تھے یوں ہیں ؎

ایں گدایاں در لباس فقر شاہی میکنند
ہمچو من در بندگی کار خدائی میکنند

آں قدر با ذکر اللہ ہوش دم　　ہوش دم تا آنکہ اللہ ہوش دم

یارب ایں آتش جاں سوز بجانم رفتد
شعلہ عشق بسوزد ورق ہستی ما

در کفن با تو ہم آغوش شدم　　در بر و دوش تو ہمدوش شدم

گوش بر آواز گدشم غوطہ در دریا زدم
گوہر مقصود تا یابم ز قعر قلزمم

میزنم فال جنوں دست و گریباں مددے　　سنگ طفلاں مددے دشت و بیاباں مددے

بشکن طلسم ہستی تا ذات بحت کردی　　ہر کاسۂ حبابی جام جہاں نما است

کردم سجودے دبخواندیم درودے   درکعبه خدا را و بهت خانهٔ بتاں را

نه کارے و درویش داریم   رجوع با خدائے خویش داریم

کردند عاشقاں لس بر درگہے سجودے
بیت الصنم ز طاعت بیت الحرام گردید

گر شہم بکشند طوق بگردن بکشند
تا بدانند که دیوانه ز لیلے بودم

عشق میگوید بگو ز شرع میگوید مگو   عاشقاں من درمقام گو مگو دم میکشم

آنچه دیدیم از دل خود دیده ایم   تا نمیند ایم غیر خویش را

زاہدا بے معرفت صوفی کجاست   این خرجل پوش رُبّ اکراست

از فرط خوشی ہاست زباں رقت تکلم   گویم سخن دیگر و حرف دیگر آید

این خال نیست بر رخ نازک مزاج من   وقت نظاره فردا کم جا گرفته است

این کور باطناں را کو چشم تا ببیند   دانست روئے عالم محبوب خوش لقانیت

عاقلم گرچه بگفتار جنوں کار کنم   نام مجنوں بجہاں زنده دگر بار کنم

دردِ ما غم میرسد از عشق بوئے تازہ   دیدہ ام چوں ماہِ تو امسال روئے تازہ

کاسہ دردست تو از احمد کبیر   فیض یابانت شوم احمد کبیر

نعمہائی طلائی پوششِ طفلی   سراپا سوختم اکسیر گشتم

سدا از اوصاف لب آں بادہ نوشی   کا نغزم در دکان فتادی فروشی

نقشِ صنم و ہمند خورشید و ماہ کروند   ہرگہ عناں بگیرم آہ سبک عناں را

خود از خود عشق می بازد خود عاشق می شود بر خود
و خود معشوق میگرد و عجب رمزیست حیرانم

عارفانہ نظرے کردم و عالم دیدم   خود شناسی کہ شناسد بجہاں کم دیدم

در تیغ نگاہِ خوباں ایں میکنم نبادی   من دلفروشی خویشم من بشرہی قلبے

صنعتِ بخیہ گری از ید خیاط ازل   خلعتے بود کہ بر قامتِ ما دوختہ اند

ایں ہمہ فیض صفا از تاک می بینیم ما   آبِ انگورِ مصفا پاک می بینیم ما

دامنِ بنت العنب را پاک می بینیم ما   مے کشانِ عشق را بے باک می بینیم ما

چو امروز آں روز بازارگیرم   متاعِ خود از بیعِ دو کانِ آستیزم

شرابِ عشق می نوشم   جبینِ سجدہ می پوسم

اے کہ در کانِ نمک اول سفر باید شدن   بعدہٗ من بعد آں گنجِ شکر باید شدن

شیخِ خود را من قدم گردیدہ ام   آں قدم بر گردنِ کل دیدہ ام

اے جنوں با ہم بیا عشقے کنیم   نالہ ہائے راز را مشقے کنیم

من انا الحق کہ زہر موئے جدا خواہم گفت   ایں سخن گفتہ ام پیش خدا خواہم گفت

دوستاں دیوانہ بے اختیارم کردہ اند   رشتۂ دارم مرا از زلفِ یادم کردہ اند

از پیرِ طریقت ایں سخن در گوش است   با ہوش بود آنکہ ز خود بے ہوش است

از سالکِ طریقت ایں نکتہ یاد دارم   آں کس کہ بعد مردن از قبرِ تن برآمد

دریں کہنۂ رواقِ اطلسی رنگ   بیا بالیتے ہر شئی گشتہ ہمرنگ

روایت داد مارا نکتے سنجے   دریں تہ طاق ششدر دل نہ بندے

او شو الیسکہ ما دیدیم دوش   بس جامے سبز رنگ و سبز پوش

از کمان نرم تیر انداختن   کار ہر بافندہ و حلاج نیست

من جرعہ کش کہنہ سفالِ خویشم   کشکول گدایاں شمرم ساغرِ جم را

خوشا حالم کہ در حالاتِ مستی   رسد ساغر مرا دستے بدستی

مارا نگاہ جانب گل باتمیز   زیرا کہ پاس خاطر بلبل عزیز بود

ہفت در بند کن دو ابر خویش کن ایں شش جہت
دیگ را در جوش آر زہ آتش تنور سینۂ گرم

الغرض کہاں تک حضرت کے نظم و نثر کے نمونے قلم بند کئے جائیں اور کسقدر آپ کے کشف و معائنات شریف رقم کئے جائیں۔ حضرت رمز الٰہی کی ذات وہ قطب دائرہ وجود تھی کہ جس سے ہماری مدار ہستی جلوہ گر ہے۔ حضرت کی وفات روز پنجشنبہ بتاریخ ۱۲؍محرم سنہ ۱۲۱۰ھ ہوئی۔ جیسا کہ مؤرخ لکھتے ہیں ؎

رباعی

چو سید شاہ رمز الٰہی   بحق گشت واصل بتصدیق کماہی
بتاریخ او گفت دل از سر آہ   "علی واقفِ کلِ رمزِ خدائی"

آپ کی قبر شریف بیرون شہر حیدرآباد مشرق کی جانب محلہ یاقوت پورہ میں رستم دل خاں مرحوم کے مقبرہ کے حصار میں صحن مسجد میں ارادتمندوں کی زیارت گاہ ہے اور مستمندوں کے لئے رونق بخش اور رونق فزا ہے۔

مؤلف عاصی جو آپ کے معتقدین کے منجملہ ایک ہے عرض کرتا ہے کہ جس رات کو حضرت رمز الٰہی نے رحلت فرمائی میں نے خواب سالکانہ میں مشاہدہ کیا کہ کوئی بلند آواز سے

کہہ رہا ہے کہ "اس شہباز لاہوت نے جو زندانِ ناسوت میں تھا پرواز کی اور اپنے آشیاں کی جانب روانہ ہوگیا" یعنی آپ کی روح مرتبۂ علوی میں پہونچ گئی۔ علی الصباح خادمہ خدمت گذار عزت النساء نے خبر لائی کہ حضرت رحمت الٰہی صاحب نے اس جہاں سے رحلت فرمائی۔ پس فقیر عاصی نے حکم عالی کے بموجب جو آپ نے دس روز قبل مجھے یوں ارشاد فرمایا تھا کہ " فقیر ان ایام میں سفر معنوی کا عزم رکھتا ہے۔ دو بار فرمان الٰہی آچکا ہے اگر ایسا واقعہ رونما ہو جائے تو تمہیں چاہیئے کہ حاضر ہو اور اہل سنت والجماعت کے عمل کے موافق صحن مسجد میں مجھے علاحدہ مدفون کرو۔ چنانچہ عاصی سراپا معاصی نے حسب الارشاد بتقدیم مراتب حاضر ہو کر لوازمہ بندگی بجا لائے اور شرف و سعادت سے مشرف ہوا۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مرا ہم عشق تعلیمے سخن کرد
حدیثم نکتۂ ہر محفلے بود

عِنْدَ ذِکْرِ الصَّالِحِینَ تَتَنَزَّلُ الْبَرَکَۃ

ضمیمہ

مِشْکوٰۃُ النُّبُوَّۃ

۱۲۵۶ھ

حالات بابرکات

حضرت مصنف قدوۃ المحققین سید شاہ غلام علی قادری الموسوی قدس سرہٗ

مُرَتبہٗ

ابوالحسین سید شاہ وحید القادری عارفؔ
(خلف)
خلیفۂ جگر گوشۂ ثانی غوث الثقلین حضرت پیر سید ابراہیم سیف الدین گیلانی
حضرت مولانا ابوالفضل سید محمود قادری مدظلہٗ
موظف سشن جج

مشمولات

ضمیمہ مشکوٰۃ النبوۃ

حالات بابرکات حضرت مصنف علیہ الرحمہ

نشان سلسلہ	مضمون	صفحہ نمبر	نشان سلسلہ	مضمون	صفحہ نمبر
۱	تمہید	۱ تا ۷	۱۳	عقائد غوثیہ	۳۴ تا ۳۵
۲	حضرت شاہ غلام علی کی زندگی	۷ تا ۸	۱۴	مشکوٰۃ النبوۃ	۳۵ تا ۳۸
۳	اکتساب فیض	۸ تا ۱۱	۱۵	مفتاح الفرائض	۳۸ تا ۳۹
۴	فیض رسانی	۱۱ تا ۱۲	۱۶	چمنستان وحدت	۴۰
۵	غزل گوئی	۱۷ تا ۱۸	۱۷	خمسہ طیبہ	۴۰ تا ۴۱
۶	حضرت بحیثیت مصنف وتصانیف	۱۹ تا ۲۲	۱۸	دُر الدارین	۴۱ تا ۴۲
۷	سالک صوفیہ	۲۳ تا ۲۵	۱۹	لطائف اللطیف	۴۳
۸	مسائل وجودیہ	۲۵ تا ۲۸	۲۰	دیگر تصانیف	۴۳ تا ۴۴
۹	الزامیہ	۲۸ تا ۲۹	۲۱	حضرت کی کرامات	۴۴ تا ۴۵
۱۰	خوارق غوثیہ	۲۹ تا ۳۲	۲۲	وفات حسرت آیات	۴۵ تا ۵۹
۱۱	اوراد قادریہ	۳۲ تا ۳۳	۲۳	محل وقوع مزار کعبہ	۵۹ تا ۶۰
۱۲	مواعظ غوثیہ ووعظ من مواعظ	۳۳ تا ۳۴			

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ ۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ۔

اللہ تعالیٰ وہی قادر مطلق ہے جس نے اُمیّوں میں انہی میں سے ایک رسول کو مبعوث کیا جو انہیں آیات قرآن سناتا ہے ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے اور انکو کتاب حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست : کتب خانۂ ہفت ملت بشست

بالقول حافظ :-

نگار ما کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت　　بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

یہ معجزہ نہیں تو کیا ہے اپنے تیئس سالہ دور نبوت میں اس امی نے ایک جاہل قوم کو تہذیب و شائستگی اور علم و حکمت کا پیکر بنا دیا۔ یہ ایک ایسا انقلاب تھا جسکی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی ۔ اس خصوص میں بھی فردوسی اپنے شاہنامہ میں حیرت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

ز شیر شتر خوردن و سوسمار　　عرب را بجائے رسیدست کار
کہ تخت کیاں را کنند آرزو　　تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

اوروں کا امی ہونا عیب ہے لیکن رسول کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کا امی ہونا معجزہ اگر حضور نوشت و خواند سے واقف ہوتے تو منکرین رسالت کو یہ کہنے یا شک و شبہ کرنے کا موقع ملتا کہ آپ گذشتہ واقعات اور قصص سابقہ کتب سماوی پڑھ کر بیان کر رہے ہیں۔ اگر آپ کسی معلم سے تعلیم حاصل کرتے یا اسکی صحبت اختیار کرتے تو کہدیا جاتا کہ آپ جو کچھ بیان کر رہے ہیں وہ اس معلم یا راہب کی صحبت اور تعلیم کا نتیجہ ہے ۔ لیکن آپ کی امیت نے ان تمام شکوک و شبہات کی جڑ کاٹ دی وما کنت تتلو من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون ۔ آپ نبوت کے قبل نہ کوئی کتاب پڑھتے نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھا اور نہ اہل باطل شک و شبہ میں مبتلا ہوئے ۔

امام بوصیری علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ؎

کفاك بالعلم فی الامی معجزۃ ⁂ فی الجاھلیۃ والتّادیب فی الیُتم

باوجود امی ہونے کے آپ کا عالم ماکان و مایکون ہونا باوجود یتیمی کے دور جاہلیت میں اخلاق حمیدہ کے بلند ترین درجہ پر فائز ہونا آپ کی نبوت کا مکمل ثبوت ہے۔ لکھنے کی غرض وغایت یہ ہوتی ہے کہ جو چیز لکھی جائے وہ محفوظ رہے اگر حافظہ میں نہ رہے تو پڑھ کر یاد تازہ کر لی جائے۔ حضرت کو اس کی بھی ضرورت نہ تھی کہ شرح صدر کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے وانا لہ لحافظون فرما کر حضور کو جو کچھ بتایا تھا اس کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضور کا سینہ تمام علوم کا گنجینہ ہو گیا۔ اور جہاں آپ نے بعثت لاُتمّم مکارم الاخلاق کے ارشاد کے بلند ترین اخلاق کی تکمیل و تعلیم کو اپنی بعثت کا مقصد بتایا۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا انا مدینۃ العلم و علیؑ بابہا۔ کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ وللہ درّ من قال۔

خاکی و بہ اوج عرش منزل ⁂ امی و کتاب خانہ در دل
امی و دقیقہ دانِ عالم ⁂ بے سایہ و سائبان عالم

قاعدہ ہے کہ کسی شہر یا مکان میں داخل ہونا ہو تو دروازے سے داخل ہوتے ہیں۔ واتوا البیوت من ابوابہا کے ذریعہ قرآن مجید میں دروازے سے گھروں میں داخل ہونے کی تاکید آئی ہے تو اب شہر علم میں حصول فیضان کے لئے جانا چاہو تو پہلے باب العلم پر دستک دینی ہوگی۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ طالبان علم نے جب اس دروازہ کو کھٹکھٹایا تو اس کے لیے علم و حکمت و معرفت کا دروازہ کھل گیا۔ تشنگان معرفت نے نہ صرف اس سمندر سے اپنی تشنگی بجھائی بلکہ سیراب ہونے کے بعد خود بھی دوسروں کے لئے سرچشمہ ہدایت بن گئے کوئی امام وقت یگانہ روزگار ہو گیا کوئی زمرۂ اوتاد و ابدال میں شامل ہو گیا کوئی قطب الاقطاب غوث الثقلین ہو گیا پھر یہ ذوات قدسی سارے نگاہوں کے محور بن گئیں اور دنیا کے گوشہ گوشہ کو اپنے انوار فیض و برکات سے جگمگا دیا مدینۃ العلم کا فیضان ان کے توسط سے سارے عالم میں پھیل گیا۔ لسانِ صدق سے علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کی نکلی ہوئی بشارت و صداقت سب پر عیاں ہو گئی۔ علماء شریعت نے ظاہر کو چمکایا تو علمائے طریقت نے باطن کو روشن کیا۔ بسا اوقات یہ بھی ہوا کہ بمصداق

مَرَجَ البَحرَینِ یلتقیان شریعت و طریقت کے دونوں دریاؤں کا سنگم ہوگیا۔

جس طرح علم فقہ یا شریعت کے چار سلسلے مالکی، حنفی، حنبلی، شافعی مشہور و مقبول خاص و عام ہوئے اس طرح علم معرفت و طریقت کے چار سلاسل نقشبندیہ، سہروردیہ، چشتیہ، قادریہ نے مقبولیت و شہرت دوام کی سند حاصل کی۔ سلسلہ نقشبندیہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی ذات والاصفات پر منتہی ہوتا ہے اور باقی تین سلسلوں کی آخری کڑیاں مولائے کائنات سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی ذات بابرکات پر ختم ہوتی ہیں۔

جس طرح علم شریعت کے آئمہ میں حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ امام اعظم کے لقب سے ممتاز ہوئے اسی طرح سلاسل طریقت و معرفت میں امام العارفین سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ "غوث الاعظم" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت والد ماجد مولانا ابوالفضل سید محمود قادری مدظلہ کے مرتبہ مجموعہ منقبت موسومہ "نذر عقیدت" پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا مناظر حسن گیلانی نے تحریر فرمایا تھا کہ۔

"مقام محمود" والے کی حمد اگر زمین والوں نے کی اور اس کی ستائش کا گیت آسمانوں پر گایا گیا، گایا جارہا ہے اور گایا جائے گا کہ وہ "محمد" تھا صلی اللہ علیہ وسلم، تو اس پر کیوں تعجب کیا جائے۔ اگر اس کے کسی "وارث" کے سراہنے میں ایشیا والے بھی مصروف ہوئے اور آفریقہ والے بھی۔ سند میں بھی اس کی تعریف کی بانسری بج رہی ہے اور چین والے بھی اسکی مدح کا ترانہ گا رہے ہیں۔ وہ عرب کا بھی ممدوح ہے اور عجم کا بھی محبوب ہے۔ "مورث" کے "مقام محمود" سے وارث کو بھی اگر اس مقام کا حصہ ملا تو اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے وکذالک نجزی المحسنین۔ بلاشبہ جس کو "رفع ذکر" کی نعمت سے سرفراز کیا گیا۔ اس کو ان وارثوں میں ایسے بھی ہیں جنکا ذکر کسی شہر میں بلند ہوا۔ اور ایسے بھی ہیں جن کی حمد کا لوا کسی خاص ملک میں لہرا رہا ہے لیکن جسکی عزت و احترام، محبت و نیاز نے اس پورے علاقہ کو گھیرا۔ جہاں جہاں اس کے "مورث" کے لسان صدق کا دائرہ محیط ہے تاریخ شاہد ہے کہ اس فخر اختصاصی کا طرۂ امتیاز صرف اس "ولایت کبریٰ" کے تاج شرف پہ لہرا رہا ہے جو "نبوت کبریٰ" کا جسۃً وحساً سچا جانشین تھا۔ وہی جو گیلان سے طلوع ہوا اور بغداد کے افق سے

چمکا اور اس طرح چمکا کہ دنیائے اسلام کا ذرہ ذرہ اسکی ضیاء سرمدی سے جگمگا تا ہے اور ابد تک جگمگا تا رہے گا۔"

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اس سلسلہ کے شیوخ یا سفراء دنیا کے دور دراز گوشوں تک پھیل گئے اور ان تک جو ان کے پیر طریقت سے سلسلہ در سلسلہ مشعل ہدایت پہونچی تھی انہوں نے اس کی روشنی دنیا کے تاریک منطقوں میں پھیلا کر ظلمت کو نور سے بدل دیا اور پھر یہ بھی ہوا کہ دوسرے سلاسل نے اس شجرہ طیبہ کی خوشہ چینی کر کے ان سے خواص و عوام کو بہرہ ور کیا۔

مزرع چشت و بخارا کہ عراق و اجمیر کونسی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا
کس گلستاں کو نہیں فصل بہاری سے نیاز کونسے سلسلے میں فیض نہ آیا تیرا

جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے یہاں اس سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت کا زیادہ تر سہرا ان بزرگوں کے سر ہے جو حسبًا و نسلًا اپنے مورث اعلیٰ کے جانشین تھے۔ ان میں سات ذوات قدسی "سبعہ قادریہ" کے لقب سے مشہور ہوئے یہ گلستان بغداد کے وہ شاداب پھول تھے جن کی خوشبو نے سرزمین ہند بالخصوص خطہ دکن کو مہکا دیا۔ بغداد اور حماہ سے اسوقت رسل و رسائل اور سیر و سیاحت کی سہولتوں کا فقدان ان کے عزم اور حوصلوں کو پست نہ کر سکا۔ انہوں نے اس مقولہ کو سچ کر دکھایا کہ ؎ در راہ شوق مرحلہ قرب و بعد نیست

حضرت حاجی الحرمین سید شاہ یوسف گیلانی بغداد سے نکلے اور گلبرگہ پہونچ کر اپنا مرکز تبلیغ و ہدایت بنایا۔ حضرت سید شاہ اسحاق قادری الگیلانی اور حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری الگیلانی حماہ سے کرنول رونق افروز ہوئے اور اپنے فیوض و برکات سے اس خطۂ ارض کو دولت عرفان سے مالامال کر دیا۔ حضرت سید شاہ میران حسینی قادری بغدادی اور حضرت سید شاہ رفیع الدین قادری نے شہر حیدرآباد کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز کیا۔ حضرت جمال البحر سید شاہ معشوق ربانی نے ورنگل کو اپنا مستقر بنایا۔ اور حضرت سید شاہ اسمٰعیل قادری نے گھوڑواڑی کو رشد و ہدایت کا مرکز قرار دیا۔

حضرت سید شاہ غلام علی قادری مصنف "مشکوٰۃ النبوۃ" حضرت سید الابدال سید شاہ عبداللطیف قادری قدس سرہٗ کے تیسرے صاحبزادے حضرت پیر شاہ محی الدین ثانی قادری کے پڑپوتے اور

حضرت سید شاہ موسیٰ قادری رحمۃ اللہ علیہ کے خلف اکبر و جانشین تھے آپ کا سلسلۂ نسب بائیس واسطوں سے قطب الاقطاب سید العارفین شیخ الکل سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے اجداد کرام اپنے اپنے دور میں آفتاب ہدایت تھے۔ جن کے حالات مشکوٰۃ النبوۃ میں گذر چکے ہیں۔ علوم ظاہری و معنوی ان ہی اسلاف سے آپ کے ورثہ میں آئے۔ اس میں شک نہیں کہ اعلیٰ النسبی پر فخر و ناز زیبا نہیں بقول حضرت جامی ؎

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی   کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

بحکم ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم تقویٰ و پرہیزگاری تعظیم و تکریم کا معیار ہے طرق العشق کلہا ادب طریق عشق کا تقاضا ہے کہ اس کے مطالبات کی تکمیل ہو۔ اعلیٰ النسبی کی قدر و منزلت اس وقت سونے پر سہاگہ کا کام دیتی ہے جبکہ اسلاف کی میراث علم ظاہری و باطنی، کسب و مجاہدہ و ریاضت بھی حصہ میں آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نحن معاشر الانبیاء لانرث ولا نورث ہم گروہ انبیاء نہ میراث پاتے ہیں نہ ہماری کوئی میراث ہوتی ہے۔ دراصل انبیاء کی میراث علم کی دولت ہوتی ہے۔ العلماء ورثۃ الانبیاء علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ اگر کسی کو مادی دولت حاصل ہو لیکن علم کی دولت حاصل نہ ہو تو وہ صحیح جانشین نہیں ہو سکتا۔ میراث پدر خواہی علم پدر آموز کے مصداق حقیقی میراث دولت علم ہے۔ حضورؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی۔ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک کتاب اللہ اور دوسری میری عترت۔ اس کے ساتھ یہ بھی واضح فرما دیا کہ یہ ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہوں گے۔ تا آنکہ وہ حوض کوثر پر مجھ سے آملیں گے۔ قرآن مجید کی آیت: انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں میں اس سے ڈرنے ولے تقویٰ و پرہیزگاری سے بسر کرنے والے علماء ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ علم سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ تقویٰ سے بزرگی حاصل ہوتی ہے جس سے انسان ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کے معیار پر اتر کر سب میں قابل عزت و احترام ہو جاتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس کسوٹی پر ہمیشہ سے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت کے علم و تقوے کا سونا کھرا اترا۔ حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ کل حسب و نسب ینقطع یوم القیامۃ

الاحسبی و نسبی معاملہ اور صاف کر دیا۔

حضرت شاہ غلام علی کی زندگی

حضرت سید شاہ غلام علی قادری الموسوی کی زندگی کو ان ارشادات کی روشنی میں جانچا جائے تو معلوم ہوگا کہ سلسلۃ الذہب کی یہ کڑی اس زنجیر کی دوسری کڑیوں کی ساری خصوصیات کی حامل ہیں۔ آپ جامع علم شریعت و طریقت ہونے کے اور صاحب زہد و تقویٰ و مکاشفہ مجاہدہ اور نہایت مرتاض تھے۔ متعدد تحقیقاتی مقالوں اور ضخیم تصانیف آپ کی تبحر علمی اور محنت شاقہ کی بین دلیل ہیں۔ فن تذکرہ میں "مشکوٰۃ النبوۃ" ایک سائکلوپیڈیا یا خزینۃ العلم کی حیثیت رکھتی ہے۔ سیکڑوں اکابرین کی سوانح حیات اور ان کے ارشادات پر مشتمل یہ تصنیف آپ کا ایسا گراں قدر کارنامہ ہے جسکی نظیر نہیں۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے اسی کو اپنی تالیفات کا ماخذ بنایا ہے۔ آپ نے اپنے پدر بزرگوار کی مسند مشیخت پر فائز ہو کر اس کی رونق بڑھادی اور سلسلہ قادریہ کے فیضان کا دکن میں ایسا دریا بہایا کہ جس سے خواص و عوام ادنیٰ و اعلیٰ ہر پیشہ و طبقہ کے افراد سب علی قدر المراتب مستفید ہوئے

صاحب ریاض المعانی سید محمد علی قادری عاشق کہتے ہیں:-

ازاں بہ ذات بابرکات خود مسند مشیخت را زیب دادند و مسند پیری و مریدی را رونق دیگر بخشیدند و در ملک دکن از ہمہ مشائخ معزز و مکرم و در چشم خاص و عام عزیز و محترم گشتند۔

یعنی آپ نے اپنی ذات بابرکات سے مسند مشیخت کو زیب دی اور مسند پیری و مریدی کو ایک نئی رونق بخشی۔ ملک دکن میں تمام مشائخین سے معزز و مکرم اور خواص و عوام کی نگاہوں میں عزیز و محترم ہوگئے۔

بہرحال جب حضرت سید شاہ غلام علی قادری صاحب نے اپنے پدر بزرگوار کی مسند ارشاد سنبھالی تو سارے لوگ آپ کے گرویدہ ہوگئے اور بہت جلد آپ کو مقبولیت تامہ حاصل ہوگئی۔ "تاریخ گلزار آصفیہ" اور تاریخ محبوب ذو المنن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نظام کی اکثر محلات آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوگئی تھیں اور سید محمد علی قادری عاشق۔ ریاض المعانی فی معرفت اولاد شیخ عبد القادر جیلانی میں رقم طراز ہیں کہ۔

"اکثر امراء و وزرائے ایں شہر و دیار بہ تقبیل آستانِ فیض نشان ایشاں قدم از فرق ساختہ

می شتافتند و اگر احیاناً بر در دولت کسے ارکان والیان قدم رنجہ می فرمود تو بکمال خشوع و خضوع باستقبال می شتافتند۔ بر مسند عزت خود می نشاندند و خود چوں خادمان دست بستہ روبرو باادب می نشستند"

یعنی اکثر اس شہر و دیار کے امراء اور وزرائے سلطنت آپ کے آستانہ فیض گنجور کو بوسہ دینے کے لئے فرط مسرت سے سر کے بل آتے اور اگر اتفاقاً کبھی آپ ان اعیان و ارکان دولت کے گھر تشریف لیجاتے تو آپ کے استقبال کے لئے دوڑتے اور آپ کو اپنی مسند پر بٹھا کر خود خادموں کی طرح آپ کے سامنے دست بستہ بیٹھتے۔

اکتساب فیض

مثنوی شریف میں مولانا روم علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ ؎

یک زمانہ صحبت با اولیا ٭ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اولیاء اللہ کی کچھ دیر صحبت سو سال کی بے نمود و ریا طاعت و عبادت سے افضل ہے یہ کیوں؟ اس کا جواب بھی ان ہی سے سن لیجئے فرماتے ہیں ؎

صحبت صالح ترا صالح کند   صحبت طالح ترا طالح کند

نیکوں کی صحبت نیک اور بدوں کی صحبت بد بنا دیتی ہے۔ ولایت کسبی و ریاضت مجاہدہ مکاشفہ سے حاصل ہوتی ہے لیس للانسان الا ما سعیٰ و ان سعیہ سوف یُریٰ الٰہی قانون ہے انسان اپنی کوشش کا ثمرہ پاتا ہے بغیر سعی اور جد و جہد کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ علم کے بارے میں بھی حضرت سعدی فرماتے ہیں ؎ پئے علم چوں شمع باید گداخت حصول علم کے لئے شمع کی مانند پگھلنا چاہیئے۔ بغیر جد و جہد دولت علم کا حاصل ہونا دشوار بلکہ ناممکن ہے من جدّ وجد جس نے کوشش کی اس نے حاصل کیا۔ علوم ظاہری کے اکتساب کے لئے علمائے ظاہر سے اور علوم باطنی کے لئے علمائے باطن سے رجوع ہونا ناگزیر ہے۔ مولانا نے مثنوی میں یہ بھی نصیحت فرمائی ہے ؎

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر   ہست بس پر آفت و خوف و خطر

حضرت سید شاہ غلام علی قادری رحمتہ اللہ علیہ نے اس نصیحت پر تمام و کمال عمل کیا علوم ظاہری کے حصول پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ مجاہدہ کماحقہ اور ریاضت شاقہ کے علاوہ اہل باطن سے اکتساب فیض کر کے اس کے منازل سلوک طے کئے۔

جن بزرگوں سے آپ فیضیاب ہوئے ان میں سرفہرست خود آپ کے پدر بزرگوار سید شاہ موسیٰ قادری قدس سرہ کا اسم گرامی بھی آتا ہے جو مادرزاد ولی اور عالم علم لدنی تھے۔ آپ کے تفصیلی حالات آخری مشکوٰۃ میں شرح و بسط سے مذکور ہیں۔ آپ نے اپنے جد اعلیٰ کی طرح جنہوں نے تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا تھا۔

وما قلتُ هذا القول فخرًا فانما   اتی الیّ الحکم حتی تعلمون حقیقتی

یعنے میں نے فخر سے یہ بات نہیں کی جب تک کہ مجھے اس کے کہنے کا حکم ملا تا کہ تم سب میری حقیقت سے واقف ہو جاؤ۔

ایک دفعہ ارشاد فرمایا "ہر چہ مارا دادہ اند کم کسے را دادہ باشند۔ جو کچھ ہم کو دیا گیا وہ بہت کم کسی کو دیا گیا"

آپ بطور اظہار عجز و تواضع فرمایا کرتے تھے "فقیر امّی ہے" لیکن دقیق مسائل علمی کو باتوں باتوں میں حل کر دیتے جس سے علمائے معاصرین حیران و ششدر ہو جاتے۔ ایسی منفرد حیثیت کی شخصیت اور حامل علم لدنی سے حصول فیضان نے حضرت سید شاہ غلام علی کو بھی جامع شریعت و طریقت اور سالک بے بدل بنا دیا تھا۔

دوسری شخصیت حضرت رمز الٰہی کی تھی جن سے آپ نے اکتساب علم باطنی کیا۔ حضرت رمز الٰہی جامع الصفات اور حامل کشف و کرامات تھے۔ پہلی ملاقات ہی میں آپ کے صفائے باطن اور کمالات معنوی حضرت سید شاہ غلام علی قادری پر آشکار ہو گئے اور اسی روز سے حضرت موصوف سے آپکے حصول فیضان کا سلسلہ شروع ہو گیا جو مسلسل پانچ سال تک جاری رہا۔ اپنے اکثر منظوم تصانیف میں حضرت رمز الٰہی نے اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ حضرت سید شاہ غلام علی قادری کو درجہ کمال پر پہنچا دینگے اپنی تصانیف میں نصائح کے علاوہ آپ کو سلوک کی تعلیم بھی دی ہے اس سے دونوں کے رسوخ باہمی کا اظہار ہوتا ہے۔

عمدۃ المختار کی تلقین بھی حضرت موصوف سے آپ نے حاصل فرمائی۔ سلسلہ قادریہ میں شغل ثانی کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت رمز الٰہی کی تصانیف "کنز مخفی" "وعظ الطالبین" "فتاوی العشاق" اور "توحید نامہ" سے آپ کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت سید شاہ غلام علی قادری کے اساتذہ میں حضرت شاہ اسد اللہ بھی قابل ذکر ہیں جو حضرت شاہ

بہاء الدین باجن کی اولاد سے تھے۔ آپ کی علوِّ شان کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ جب آپ کے پدر بزرگوار کی روح پر فتوح سے آپ کو حضرت شاہ محمد مخدوم قادری سے اکتسابِ فیض کے لئے نشاندہی ہوئی تو اسی شب کو بحالتِ خواب دیکھا کہ آپ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرما رہے ہیں اے مخدوم تمہارے خادم صادق سید اسد اللہ آ رہے ہیں تمہارے پاس جو کچھ نعمت ہے اس سے ان کو بے فیض نہ رکھو۔

سید انوار اللہ کے قول کے بموجب آپ قطبِ وقت تھے۔ اکثر علماء و فضلا اپنی قدرت اور استعداد علمی کے باوجود آپ سے علمی حقائق میں سند لیتے تھے۔ حضرت سید شاہ غلام علی قادری فرماتے ہیں کہ حضرت کی قوتِ بیانی اور طریقہ تدریس اس نوعیت کا تھا کہ آپ کے روبرو زانوئے ادب تہہ کرنے والوں کو پھر کسی اور سے اکتسابِ علم کی احتیاج نہ رہتا۔ "رسروح ثانی" اور "حواشی کافی" آپ کی تصانیف ہیں۔ حضرت سید شاہ غلام علی قادری نے آپ سے بارہ سال تک اکتسابِ علم کیا۔

دیگر اساتذہ میں حضرت شاہ یوسف، حضرت شاہ صادق علی، حضرت شاہ قاسم اور حضرت شاہ انوار اللہ شامل ہیں۔ حضرت شاہ یوسف سادات عریضی سے تھے۔ آپ نے جذبِ عشقِ الٰہی میں حرمین شریفین کے علاوہ عرب و عجم کے کئی ممالک کا سفر کیا اور ان مقامات کے متبحر علماء سے استفادہ فرمایا۔ حضرت موصوف عارف کامل اور محقق وقت تھے۔ فصوص الحکم اور حدیث و فقہ کے کتب متداولہ کا بوجہ احسن درس دیا کرتے تھے۔ حضرت سید شاہ غلام علی قادری نے تین سال تک آپ سے استفادہ کیا۔ حضرت شاہ یوسف کی تالیف "فیض الحق" بھی آپ کی خدمت میں تمام فرمائی۔ اور سند لطائف بھی حاصل کی۔

حضرت شاہ صادق علی سے آپ نے "سند مصافحہ حاصل کی۔

حضرت شاہ قاسم بھی عالم کبیر تھے آپ کی منظوم تصنیف "کنز الحقائق" اور نثر میں "مجمع النکات" تصنیف علمی دنیا میں مشہور و معروف ہے۔ آپ نے حضرت سید شاہ غلام علی قادری کو اذکار و اوراد کی تلقین فرمائی اور ذکر سکوت کی بھی اجازت دی۔

حضرت سید شاہ انوار اللہ سے حضرت سید شاہ غلام علی قادری نے "رسالہ جام جہاں نما" کی تکمیل فرمائی۔ اسکے علاوہ سید محی الدین قادری سے بھی اکتسابِ فیض کیا۔ کشف قبور اور دیگر

اعمال کی اجازت بھی ان سے حاصل کی الغرض آپ نے اعلیٰ نسبی کے شرف پر اکتفا نہیں کیا بلکہ علمائے ظاہر اور اصحاب باطن سے کسب کمال کیا اور اسی باعث آپ خود درجہ کمال پر پہونچ گئے۔

فیض ساقی

خانوادۂ قادریہ کا ہر فرد کسی نہ کسی خصوصیت کا حامل رہا ہے یہ جہاں کہیں گیا مرکز رشد و ہدایت اور طالبان معرفت کا محور بن گیا۔ حضرت والد ماجد مدظلہٗ نے کیا خوب فرمایا۔

تشنہ کامے دریں محفل نمی آید نظر ہر کسے جام بکف بادہ بجام ست اینجا

اس محفل میں جو بھی آیا وہ تشنہ لب نہیں رہا ہر ایک اپنے ہاتھ میں بادۂ عرفان سے لبریز جام و ساغر لئے نظر آیا۔

حضرت سید شاہ غلام علی قادری اسی میخانے کے ساقی تھے جنہوں نے صدہا تشنگان معرفت کی پیاس بجھائی اور خود ان کو ساقی بنا دیا۔ آپ سے اکتساب فیضان کے بعد یہ بھی عارف وقت اور زمرۂ کاملین میں داخل ہو گئے ان کے منجملہ بعض نے اپنی تصانیف میں یا قصائد میں اس مبدء فیض سے اپنے اکتساب فیض اور ارادت کا اظہار بھی کیا ہے۔

جن اصحاب نے آپ سے اکتساب فیض کیا ان کے منجملہ بعض افراد کا یہاں تذکرہ حضرت ممدوح کی علو مرتبت کے اظہار کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ان میں سر فہرست حضرت سید شاہ افضل بیابانی رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی ملتا ہے جو حضرت احمد کبیر رفاعی کی اولاد امجاد سے تھے۔ حضرت سید شاہ مخدوم ضیاء الدین بیابانی آپ کے جد اعلیٰ مشہور اولیائے زمانہ سے تھے۔ انہی کی نسبت سے آپ کے اسلاف نے اپنے نام کے ساتھ "بیابانی" کا لقب اختیار کیا۔

افضل الکرامات میں مولانا شاہ درویش محی الدین قادری تحریر کرتے ہیں کہ حضرت ضیاء الدین نے صحرا اور بیابانوں میں ریاضت شاقہ فرمائی اور اس باعث آپ کا لقب "بیابانی" ہو گیا۔

حضرت شاہ افضل بیابانی کے والد ماجد حضرت سید شاہ غلام محی الدین بیابانی۔ حضرت سید شاہ موسیٰ قادری کے خواہرزادہ تھے اور اس رشتہ سے حضرت شاہ افضل بیابانی حضرت سید شاہ غلام علی قادری الموسوی کے بھتیجے ہوتے تھے۔ آپ نے حضرت فقر اللہ شاہ، مولوی قطب الدین حافظ سید صدر الدین سے علوم باطنی کی تعلیم کے علاوہ حضرت سید شاہ غلام علی قادری الموسوی سے

راہ سلوک کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کی سوانح حیات میں یہ واقعہ بھی درج ہے کہ ایک دفعہ حضرت سید شاہ غلام علی قادری الموسوی استراحت فرما رہے تھے اور حضرت افضل بیابانی آپ کے قدم دبا رہے تھے۔ حضرت سید شاہ غلام علی قادری بیدار ہوئے تو دریافت کیا کہ تم نے کچھ دیکھا ہے۔ عرض کیا کہ بحالت خواب بھی آپ کا قلب مبارک ذکر الٰہی میں مصروف تھا اس واقعہ سے حضرت سید شاہ افضل بیابانی کی آپ سے عقیدت اور بڑھ گئی۔

حضرت سید برہان الدین بھی حضرت سید شاہ غلام علی قادری کے فیض یافتگان میں تھے۔ یہ قاضی سید علاء الدین قادری قندھاری کے صاحبزادے تھے جن سے حضرت سید شاہ غلام علی قادری کی ہمشیرہ رضاعی منسوب تھیں۔ اس نسبت سے یہ حضرت ممدوح کے بھانجے ہوتے ہیں آپ کو حضرت علیہ الرحمہ اور آپ کے چچا زاد بھائی سے بہت عقیدت اور موانست تھی۔ چنانچہ انہی کی استدعا پر حضرت علیہ الرحمہ نے کتاب "درالدارین" فی مناقب غوث الثقلین" تصنیف فرمائی۔ اور پھر آپ نے سید برہان الدین سے یہ ارشاد فرمایا کہ "ہم نے تمہاری استدعا پر مناقب غوثیہ اور شمع کرامت محبوبیہ کو مشکوٰۃ ترتیب سے تابندہ کر دیا۔ اب اگر تم اپنی سعادت ابدی چاہتے ہو تو اس تالیف کا دیباچہ تحریر کرو" چنانچہ سید برہان الدین قادری نے نہایت فصیح و بلیغ اور شستہ زبان فارسی میں دیباچہ تحریر کیا جس میں حضرت سید شاہ غلام علی قادری کا تذکرہ بھی بوجہ احسن کیا۔ جو آگے نقل کیا جائے گا۔ زبان فارسی میں آپ کی استعداد کے اظہار کے لئے ایک نعت نقل کی جاتی ہے جو فن شاعری کی معراج اور کمال عقیدت اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال وابستگی کی دلیل ہے۔ یہ نعت حسب ذیل ہے۔

خورشید آسمانِ ہویت محمد است   بدر کمال اوج حقیقت محمد است
ذریائے تخت اوست سلیمان برنگ نور   مسند نشین بزم رسالت محمد است
چون عقل کل چو طفل دبستان بہ پیش او   تعلیم بخش علم شریعت محمد است
گردون ز حرف نعت و پیش ہمچو مرکزے   رفعت دہ سپہر رفعت محمد است
آئینہ جمال خدا ذات انورش   زین او ظہور حضرت وحدت محمد است
میم قلم ز میم کمالش مراد یافت   بر عرش و فرش و لوح چہ زینت محمد است
ایجاد اوست آیت قد جاء رحم   برہان سر دانش و حکمت محمد است

آپ نے حضرت سید شاہ غلام علی کی مدح میں نظم و نثر کے جو گوہر لٹائے ہیں ان کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔

حضرت بادشاہ صاحب بھی حضرت سید شاہ غلام علی قادری کے معتقدین و مستفیضین سے تھے مشکوٰۃ النبوۃ میں آپ کا اسم گرامی سید محی الدین قادری عرف بادشاہ مرقوم ہے۔ آپ کو حضرت جال البحر معشوق ربانی کی اولاد سے بتایا گیا ہے۔ آپ کی حضرت غلام علی قادری سے عقیدت اور وابستگی کا پتہ آپ کی ایک منقبت سے ملتا ہے جو آپ نے حضرت کی مدح میں رقم کی ہے۔ یہ منقبت "کلام عارف" و تذکرہ اجداد عارف' تعارف "لطائف اللطیف" اور تعارف مشکوٰۃ النبوہ میں حضرت والدم مولانا ابو الفضل سید محمود قادری ادام اللہ ظلہ العالی نے تحریر فرمائی ہے۔ اسکے علاوہ یہ منقبت حضرت وحید العصر سید شاہ وحید پاشاہ قادری الموسویؒ کی قلمی بیاض میں بھی موجود ہے۔ جو حسب ذیل ہے

اے فرد بیاضِ مصطفائی — بیتِ دل تو بصد صفائی
حقا کہ ز دیوان موسوی ہم — تو اول مصرعۂ رباعی
ذاتِ تو قصیدۂ ہدایت — انفاس تو غزل رہنمائی
ہر بیت شکستہ ریختہ ام — تعمیر صلاح بر تو نمائی
شیرازہ جمعیتم تو باشی — تو مصلح حال و قال مائی
بیگانہ مراز خویش مشمار — من جامہ تنم تو جان آنی
مقصود محی الدین تو ہستی
در دیدۂ من تو روشنائی

حضرت شاہ نصیر دہلویؒ بھی حضرت سید شاہ غلام علی قادری کے فیض یافتہ تھے آپ کے والد کا نام شاہ غریب تھا آپ دہلی کے رہنے والے تھے۔ شاہ محمدی مائل کے فن شاعری میں شاگرد تھے اور دبستان دہلی کے صف اول کے شعرا میں آپ کا شمار ہوتا تھا" دکن کا دبستان شاعری میں ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی نے تحریر کیا ہے کہ آپ اکثر سنگلاخ زمینوں میں شاعری کرتے تھے۔ جب آپ حیدرآباد آئے تو یہاں بھی آپ کے سینکڑوں شاگرد ہوئے۔ حیدرآباد آنے کے بعد آپ نے حضرت سید شاہ موسیٰ قادری کی خدمت میں نسبت عقیدت استوار کی اور حضرت کے حلقہ ارادت

میں داخل ہو گئے۔ حضرت شاہ موسیٰ قادری کی وفات کے بعد آپ نے حضرت موصوفؒ کے خلف اکبر و جانشین حضرت شاہ غلام علی قادری کی خدمت اختیار کی اور فیض صحبت حاصل کی گلزار آصفیہ اور تذکرہ شعرائے دکن" میں بھی موجود ہے۔ "کلام عارف" میں حضرت والدم مدظلہٗ نے بھی آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ۔ شاہ نصیر دہلوی حضرت سید موسیٰ قادری کے مرید خاص تھے۔ مرشد کی خاطر دہلی سے آکر حیدرآباد میں رہ گئے۔ دفن بھی احاطہ درگاہ میں ہوئے۔ ادارہ ادبیات اردو کی جانب سے لوح مزار نصب کی گئی ہے۔

شاہ نصیر نے حضرت پیر و مرشد غلام علی قادری سے اپنی نسبت عقیدت والہانہ انداز میں اپنے ایک مدحیہ قصیدہ میں ظاہر کی ہے جو یوں ہے ؎

حضرت شاہ غلام علی پیر و مرشد   ایک ہے عالم معنیٰ میں تمہاری صورت
رخ وہ ہے اہل وظیفہ کہیں سبحان اللہ   قد وہ ہے صاحب تکبیر کہے قد قامت
قسم باللہ اگر خلق میں دیکھے تم کو   تو یہ عارف کہے کثرت میں ہے ظاہر وحدت
مشک سے دھوئے نہ جب تک زباں اپنی نصیر
کیا دہن ہے جو کرے آپکی تعریف و صفت

ایک منقبت حسب ذیل ہے۔

خیال در دل آوردم کہ ہستیٔ جہاں دیدم   سراپا وہم دیدم رو گری دیدم گماں دیدم
ہمہ موجود وہمی را گرفتار فنا دیدم   گزرگاہ ایں چو من آب رواں دیدم
کہ ایں اندیشہ مارا جنوں آموخت مجنوں ساخت   کہ عمر رفتہ خود را تمامی رائگاں دیدم
ندارم ہیچ مایہ بہر تہی دستیٔ خود فریاد   کہ من خود را یکے از کمتریں مفلساں دیدم
پشیماں بودمے ناگاہ از دل گشت ارشادم   کہ مدح مرشد خود کن نجات تو دراں دیدم
لطیف ظاہر و باطن جناب سید ابدال   کہ ذات عالیش را من شفیع بیکساں دیدم
نہ مثلش در جہاں باشد نہ ہم عصرش کسے پیدا   میان اولیاء اللہ یکتائے زماں دیدم
چنیں بر سایہ عاطفی و پشتیباں کہ میداری   بمثل قسمت کس را کہ من کہ در جہاں دیدم
چہ اندیشہ نمیگوئی کہ گفتی بر تو واجب شد   کہ مدح شیخ بخشندہ گناہ عاصیاں دیدم
جو آتش دادم اے دل گرچہ ہستم از غلامانش   ولے خود را کجا من لائق توصیف آں دیدم

چہ حد من بود اے دل کہ در مدحش بپردازم | نہ ہر یک ذرہ را بار بردار گراں دیدم
بگفت اے مرد سادہ بین این بے عقلی و نادانی ست | عجب من یک مرا از صد ہزاراں کاہلاں دیدم
بگفتم اے دل ناصح نہ عذرم از رہ جہل ست | ولے از شوکت نامش زباں لرزاں کناں دیدم
اگر بالفرض سازم جرءتے من حسب ایمایت | نہ در خویشم خبر ماند نہ ہیچ از تو نشاں دیدم

نہ حیرت عقل من سوزد بمدحش پیش ازیں ہرگز
نہ مقدور قلم دیدم نہ یارائے زباں دیدم

مندرجہ بالا منقبت جہاں آپ کی سالکانہ طبیعت ظاہر کرتی ہے وہیں حضرت سید الابدالؒ کی مرتبت عالی ظاہر ہوتی ہے۔ یہ انداز بیان منقبت گوئی میں منفرد حیثیت رکھتا ہے کہ جسکی مدح یا منقبت ہو رہی ہے اسکی شخصیت اور مرتبت کے اظہار کے لئے یہ انداز اختیار کیا جا رہا ہے اپنی عجز و انکساری و فروتنی اس طرح ظاہر کی کہ جس سے اس بزرگ کی علو مرتبت از خود ظاہر ہو جائے۔ حضرت سید الابدال کی علو شان کے اظہار کے لئے نہ حضرت کی زندگی پر روشنی ڈالی نہ حضرت کی کرامات کا تذکرہ کیا اور نہ ہی آپ کے فیوضات کا ذکر کیا۔ بلکہ ذکر کیا تو اس بات کا دل و دماغ میں حضرت کی مدح میں منقبت لکھنے پر جو کشمکش جاری ہے اور دل اس بات پر اصرار کر رہا ہے کہ عمر گذشتہ کی رائیگانی کی کسر اپنے پیر و مرشد کی مدحت سے پوری کر لو۔ اور پھر شیخ بھی وہ شیخ ہے جو لطیف ظاہر و باطن اور سید الابدال ہے۔ جب اسم گرامی زبان پہ آتا ہے تو زبان لرزنے لگتی ہے اس کے تذکرہ کی جرات کی جائے تو سکتہ طاری ہو جاتا ہے اپنے اور بیگانے کی کچھ خبر نہیں رہتی۔ اسکی مدح میں قلم اٹھایا جائے تو شدید قلم بھر حیرت میں غرق ہو جاتا ہے کہ کیا کہا اور کیا لکھا جائے۔ الحاصل اس طرز بیان میں نہ تو شیخ کی کرامت بیان کی گئی ہے اور نہ ہی اسکی سیرت سپرد قلم کی گئی۔ صرف یہ تحریر کیا گیا کہ میں ایک ذرہ حقیر ہوں۔ اس طرح آپ نے اپنی انکساری کا اظہار کیا کہ اس کی کرامت کی شان ظاہر ہو گئی۔ اپنی نسبت عقیدت اور وارفتگی کا ایسا اظہار کیا اس کی رفعت بھی آشکار ہو جائے جس در سے آپکی نسبت ہے ما و شما کا در نہیں بلکہ اس فرد فرید کا در ہے جسکا کوئی ہم عصر اور اس کا ہم رتبہ نہ تھا اور جسکی ولایت کا مقام اولیائے زمانہ میں اعلیٰ و برتر ہے۔

آپ نے اپنی اکثر تصانیف کے آخر میں منظوم فاتحہ تحریر فرمائی ہے اور اس نظم کے ابیات کے

سرحرف اور بیت کے آخری حرف سے سنِ تصنیف برآمد کیا ہے۔ کتاب "مسائل صوفیہ" کے منظوم خاتمہ کے آخر میں آپ کہتے ہیں۔

اگر جوئی تاریخ اتمام ایں توبس آخر حرف ہر بیت ہیں
کہ تا ہیجدہ بیت مکین نظر ز تاریخ ایں نسخہ یابی خبر

یعنے اگر تم اس تصنیف کی تاریخ اتمام معلوم کرنا چاہتے ہو تو اس نظم کے اٹھارہ ابیات تک سرحروف جوڑتے جائیے جو تاریخی مصرعہ برآمد ہوگا۔ چنانچہ مسائل صوفیہ کا اس ترتیب سے یہ آخری مصرعہ برآمد ہوتا ہے ؎ سرِ خفی ایں بیاں منجلی۔ جس سے سن ہجری ۱۲۰۹ھ نکلتا ہے۔ اس طرح اگر نظم مذکورہ کی (۱۶) بیت کے سرحروف کو جمع کیا جائے تو یہ مصرعہ برآمد ہوتا ہے ؎ ز تصنیف سید غلام علی۔ گویا یہ خود ایک شعر ہوگیا یعنی ؎

ز تصنیف سید غلام علی
"سرِ خفی ایں بیاں منجلی"

اسی طرح "خوارق غوثیہ" کے اختتام میں مرقومہ نظم کے ہر مصرعہ کے سرحرف کو جوڑا جائے تو تاریخی فقرہ یوں برآمد ہوتا ہے ؎

"جامع فضائل محبوبیہ کمالیہ"
۱۲۲۴ھ

اوراد قادریہ کی نظم کے سترہ مصرعوں کے سرحروف جوڑنے پر یہ تاریخی فقرہ سامنے آتا ہے ؎

"مجامع وظائف محبوبیہ"
۱۲۲۴ھ

"عقائد غوثیہ" میں آپ نے "تاریخ صوری" تحریر فرمائی ہے۔ ظاہری الفاظ سے اس نظم کے (۲۵) مصرع ہیں ہر مصرعہ کے سرحرف جمع کرنے سے یہ تاریخ نکلتی ہے ؎

ہزار و دو صد و بست و چہار سال ز سن (یعنی ۱۲۲۴ھ)

اسکے علاوہ "مشکوٰۃ النبوۃ" ۱۲۵۶ھ اور "مناقب الاعظم" ۱۲۳۵ھ آپکی دو بہترین تواریخ ہیں۔

غزل گوئی

غزل گوئی ایک ایسی صفت ہے کہ جس میں عشق و محبت کی داستانوں کے علاوہ عشق حقیقی کی جھلک بہت کم شاعروں کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ پھر بھی ہمیں بعض بزرگان وقت کی غزلیں ایسی ملتی ہیں جن میں عشق حقیقی چھلکتا ہے اس میں بعض شعراء نے مشرب رندانہ اختیار کیا ہے۔ جنکا بظاہر رندانہ کلام ہوتا ہے۔ لیکن اس رنگ میں جذبۂ عشق الٰہی کا بیکراں سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے۔ حضرت غلام علی شاہ صاحب کا بعض کلام بھی اس رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ مثال کے طور پر آپکی چند رباعیاں پیش ہیں۔

رُباعی

محتسب در بزم رنداں سرنگوں آید خموش   این سخن آہستہ گو با قلقل مینا خروش
زاہدا این زہد خالی خوش نمی آید مرا   کار برگشتہ نمی آید بجز یک جرعہ نوش

رُباعی دیگر

مخموریم و آوارۂ جام مئی نابم   در مدرسہ و کعبہ طلبگار شرابیم
در حقیقت ہمہ دریائے صحوام   ہر چند تعین شدہ چوں شکل حبابم

ز چشم نرگس خود بیں کہ خود پیمانہ می سازم   بدور ساغر مستاں عجب خمخانہ می سازم
بزم این پری رو شمع را پروانہ می سازم   گل و بلبل فدائے نرگس ترکانہ میسازم

طبقہ اہل زہد نے صوفیہ پر طعن و تشنیع سے کام لیا ہے اسکے بارے میں حضرت شاہ غلام علی فرماتے ہیں۔

از طعن زواہد سر مقصود بدیدیم
چوں منبع فیض ست م الطعن عنایش

گہ ہمچو ہمائیم و گہے باد صبائیم   گہ بندہ حقیم و گہے عین خدائیم
زاہد بدر کعبہ سر سجدہ نہاد است   ما شیر خدائیم و لے بے سر و پائیم

یہ بھی آپ کی رباعی ہے۔

زشوق شعلہ رو برق تجلی گشتہ ام   کہ سراپا طورم و کُہل مجلی گشتہ ام
جان من گرچہ بظاہر من طلسم خاکیم   در معانی مظہر نور معلی گشتہ ام

یہ اشعار بھی ملاحظہ ہوں۔

چوں دلم از ذکر صیقل یافتہ   پرتو جاناں بہ مصقل یافتہ
از سواد سینۂ پر نور ما   تاری بر تیرہ دل بر داشتہ
از فریب مہوشان ایمن مشو   گو بشاخ صندلی گل داشتہ

آپ کا رنگ تغزل حسب ذیل غزلیات سے معلوم ہوگا۔

غزل

از خود شدہ بیگانہ بدلدار نشستیم   پروانہ چو گشتیم و بر یار نشستیم
از مدرسہ رستہ و از کعبہ رہیدیم   در بتکدہ با قشقہ و زنار نشستیم
وابستہ زلفیم و پرستندۂ چشمیم   پابستۂ دامیم و گرفتار نشستیم
زاہد تو برو حیلہ کسالوس بپر کن   ما عاشق روئے گل و گلزار نشستیم
امشب کہ من آں ابر سخائم چو نیلا   کز سلسلۂ اشک گہر بار نشستیم
از باغ جناں آمدہ در دیر خرابات   با پیر مغاں بیخود و سرشار نشستیم
امروز ز سر گوشئی اسرار انا الحق   منصور زباں گشتہ و بیدار نشستیم
عمریست کہ در ہجر تو از جوش حلاوت   با یاد گل روئے تو بے دار نشستیم
بر خاطر ہر شیخ و برہمن نہ غباریم   ہر جا کہ نشستیم سبکبار نشستیم

ہر چند گدائیم ولے در طلب او
عارف شدہ با جلسہ مختار نشستیم

غزل

از چشم او فتادہ آغشتہ بخوں شد   چیزے کہ نگہ ریخت بگلزار جنوں شد
مقصود دلم از اثر شوق ہمہ جاست   بر خواستم از کعبہ بر سید کہ چوں شد
با مستی من ہیچ تقابل نتواں بود   ہر گردش مینا چو مرا دید بخوں شد
تمکین گلے را بچمن نظم من آورد   گفتار پریشاں پئے تسخیر جنوں شد
عارف شوق تازہ بجور صنم است
چنداں کہ بروں اشک شدہ سوز دروں شد

غزل

گاہ گریا ہیم و گہ خندیدگی داریم ما   بہر خوباں مشرب دیوانگی داریم ما
عاشق روئے پری آئینہ چشم خودیم   حق نمائی شیوہ خود دانگی داریم ما
واعظا پند و نصیحت تو مرا ہرگز مگو   بس ہمیں پندے کہ بس مستانگی داریم ما
منت بلبل عبث ازچہ بگردن می نہیم   با حرم شمع رو پروانگی داریم ما
آہوے وحشی صحرائے ندامم مارسد
ہر مژہ چوں خنجر بیزانگی داریم ما

حضرت مجذوب مصنف

جیسا کہ اس سے قبل گزر چکا ہے حضرت سید شاہ غلام علی قادری الموسوی کی ذات قدسی صفات سراپا علم و عرفاں تھی۔ آپ نے اپنی ساری زندگی رشد و ہدایت میں صرف کی اسکے علاوہ شاہکاروں کا اثاثہ آنے والی نسلوں کے لیے گنج شائگاں چھوڑا جو لوگ آپ کی ذات با برکات سے آپکی حیات میں مستفیض نہ ہو سکے وہ آپ کی ان علمی کاوشوں سے مستفیض ہونگے۔ عرصہ حیات میں طباعت و اشاعت کی موجودہ سہولتیں نہ تھیں۔ اس لیے آپ کی تمام کتابیں مخطوطات کی شکل میں ہیں۔ ان کے منجملہ "در الدارین فی مناقب غوث الثقلین، شیخ المشائخ افتخار الاکابر والاکارم حضرت

سید شاہ محمد مرتضیٰ قادری مہاجر مدنی کی توجہ سے زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی۔ دوسری کئی تصانیف بے رحمی دستبردِ زمانہ کا شکار ہوگئیں۔ چند تصانیف حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے دست مبارک سے تحریر فرما کر ایک ضخیم مجلہ کی شکل میں محفوظ فرمائی تھیں وہی محفوظ رہ گئیں۔ چنانچہ یہ مجلہ میراث کی شکل میں حضرت وحید العصر سید وحید پاشاہ صاحب قادری الموسوی کو ملا تھا۔ اور حضرت العلامہ کے انتقال پر ملال کے بعد آپ کے فرزند حضرت عم مکرم سید شاہ عبد اللطیف قادری الموسوی کو ملا۔ ان کے انتقال کے بعد یہ مجلہ انکے ان کے فرزند برادرم مولانا سید شاہ عبد اللہ حسینی قادری کے حصہ میں آیا۔ جب سنہ ۱۹۸۰ء میں قبلہ گاہی حضرت مولانا ابو الفضل سید محمود قادری مدظلہٗ نے مشکوٰۃ النبوۃ کے ترجمہ کی غرض سے اس مجلہ کو منگوایا تو ان مقدس و متبرک تصانیف کا مجھے بھی دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ چنانچہ اس مقالہ میں جن کتابوں پر تبصرہ کیا جا رہا ہے ان میں کی اکثریت اسی میں شامل ہے۔ ان تباصرہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت سید شاہ غلام علی قادری الموسوی نے کس طرح علم حقائق و عرفاں کی تبلیغ کا حق ادا فرمایا ہے۔ ان تصانیف کے مطالعہ سے آپ کے وسیع مطالعہ، تبحر علمی اور خداداد صلاحیتوں اور آپکی عظیم شخصیت کے قائل ہونا پڑتا ہے۔ اور بے ساختہ زبان حال یہ کہنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ ؎

آں کہ بر افلاک رفتارش بود
بر زمیں رفتن چہ دشوارش بود

حضرت کی تصانیف

۱۔ مسائل صوفیہ: اس رسالہ کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے کہ کوئی علم عقائد شرعیہ اور دقائق معلومات صوفیہ رضوان اللہ علیہم سے شریف تر نہیں۔ حدیث الشریعت اقوالی آپ فرماتے ہیں کاملین اور فقہائے عاقلین اس وقت تک کسی مسئلہ پر گفتگو نہیں کرتے جب تک کہ شریعت سے صاف اور صریح طور پر رہبری نہ ہو۔ لہذا شریعت ثبوت کا پایۂ اول اور طریقت کا زیور عروس ہے اور یہ بات مسلمہ ہے کہ چہرۂ محبوب آرائش و زینت سے اور حسین نظر آتا ہے۔ مندرجہ بالا عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ شریعت اور طریقت جب تک کہ ایمان کے لازمی جز نہ ہو جائیں مومن درجہ کمال پر نہیں پہونچ سکتا۔

اس کتاب میں پہلا مسئلہ وضو کا ہے ۔ وضو جیسا کہ سب جانتے ہیں ایک ایسا عمل ہے جس سے بندہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضری دینے کی تیاریوں کی ابتدا کرتا ہے اس سے جہاں طہارت بدن حاصل ہوتی ہے وہیں صفائی قلب بھی نصیب ہوتی ہے ۔ لیکن اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ بعض امور پر اختلاف کرتے ہیں اور یہی امور سنی و شیعہ علماء میں بھی مابہ الافتراق بنے ہوئے ہیں ۔ چنانچہ حضرت سید شاہ غلام علی قادریؒ نے اس اختلاف کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان چاروں ائمہ کے علاوہ علمائے فرقہ شیعہ کے اقوال کو بھی نقل کیا ہے ۔ اور ان کا تقابل صحیح طریقے کی رہنمائی فرمائی ہے ۔ ان اختلافات پر آپ نے ایسی سیر حاصل بحث فرمائی ہے کہ اس کو پڑھنے کے بعد دل میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی ۔

بعد آپ نے وضوئے صوفیاء کے عنوان کے تحت یہ وضاحت کی ہے کہ مشرب صوفیہ میں وضو کی اصطلاح کی تصریح کی ہے ۔ وضو کے بعد نماز کے مسئلہ پر سیر حاصل بحث ہے ۔ اسکے بعد قرب الٰہی کے لئے دوسرا اقرب ذریعہ روزہ ہے ۔ لہٰذا روزہ کے اقسام ان کی فضیلت اور پھر روزے کے شیعہ و سنی فرقوں کے مابین مابہ النزاع مسائل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے ۔ اہل تشیع افطار غروب آفتاب کے کچھ دیر بعد کرتے ہیں اور یہ بحث کرتے ہیں کہ اتموا الصیام الی الیل میں "الی" نحو کے قاعدہ کے لحاظ سے انتہائے غایت کے ہیں ۔ اسلئے افطار دخول شب میں واجب ہے ۔ اسکا حضرت علیہ الرحمہ نے سنی علماء کے اقوال سے جواب دیا ہے ۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ اختتام یوم غروب آفتاب سے ہوتا ہے ۔ جب آفتاب بوقت مغرب غروب ہو جائے تو اسی وقت افطار واجب ہے ۔ آپ فرماتے ہیں کہ عقائد اہلسنت کے بموجب اس کلمہ مذکور میں "الی" بمعنی ابتدائے غایت ہے ۔ اسلئے افطار میں ادخال شب مقصود نہیں ۔ اسی طرح سحری کے اختلافات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے بعد ازاں فرض خامس یعنی حج بیت اللہ کے مسائل زیر بحث لائے گئے ہیں ۔ اور اس خصوص میں مختلف ائمہ، محدثین، اولیائے کبار اور مجتہدین کے اقوال کی روشنی میں صحیح راہ عمل متعین کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے ۔ اگلا مسئلہ، مسئلہ زکوٰۃ ہے اس سلسلہ میں زکوٰۃ عام اور زکوٰۃ صوفیہ کے فرق کو بوجہ احسن بتایا گیا ہے ۔ بعد ازاں اقرار کلمہ شرعیہ پر مجملاً روشنی ڈالی گئی ہے ۔ اس کے علاوہ "کفر حقیقی در نظر صوفیہ" توبہ شرعی، توبہ صوفیہ

عبادت صوفیہ، بیعت صوفیہ، خلافت رسول ۔ ولایت کسبی، شرعی، جبر و قدر شرعی
، مسلک صوفیہ، اتحاد و وصول شرعی، وحدت الوجود شرعیہ و صوفیہ، نفس شرعی و صوفی ۔
روح شرعی و صوفی اور دیگر کئی مسئلوں پر مجملاً بحث کی گئی ہے ۔ حسب طریقہ اس رسالہ کا
اختتام ایک نظم پر کیا گیا ہے ۔ یہ رسالہ ۱۶ ر شوال المکرم ۱۲۲۹ھ کو تکمیل پایا ۔

رسالہ اوہامیہ

اس رسالہ کی ابتداء میں حضرت سید شاہ غلام علی قادری الموسوی تحریر فرماتے ہیں
کہ مدرکۂ انسانی تین قسم پر منقسم ہے ۔ اول وہم ۔ دوم فہم اور سوم علم ۔ آپ نے ان
تینوں اقسام کی شرح یوں فرمائی ہے کہ وہم ادراکات جسم سے ہے ۔ لہذا طب کو علم ظن
کہا جاتا ہے جو واہمہ خلاق ہے اور علم الابدان پہ موجود ہے ۔ آپ نے اس رسالہ میں
تینوں اقسام پہ بحث فرمائی ہے ۔ قسم دوم فہم ہے جسکا تعلق ادراکات قلبی سے ہے ۔
قسم سوم علم ہے جو ادراکات روح سے تعلق رکھتی ہے ۔ علم عرفان محض ہے ۔ آپ نے اسکی
مثال اس طرح دی ہے کہ کوئی شخص دور سے کسی چیز کو آتے ہوئے دیکھتا ہے جو ذی روح
ہے لیکن فاصلہ کی وجہ سے وہ تمیز نہیں کر سکتا کہ وہ کیا ہے ۔ اسے اس بات میں وہم ہوتا
ہے کہ آنے والی شئی حیوان ہے یا انسان ۔ جب وہ کچھ قریب آتا ہے تو اسے پتہ چلتا
ہے کہ وہ انسان اسکا آشنا ہے یا ناآشنا یہ مقام علم ہے ۔ آپ نے اس رسالہ کو چھ
فصلوں میں تقسیم کیا ہے ۔ فصل اول سالک مبتدی کے بیان میں ہے ۔ آپ نے اس
باب میں اوہام کو اثبات میں کئی حکایات نقل کی ہیں مثلاً الاوھام اقوی السلطان
فی ھذہ النشأۃ الانسانیۃ یعنی نشاۃ انسانی میں اوہام عالیہ مثلاً تصریح وغیرہ
قوی ترین سلطان ہیں ۔ آپ سالک مبتدی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ درویش کو راہ
سلوک و طریقت میں اپنے وہم کو پختہ اور ثابت کرنا چاہئے ورنہ انتہائے کسب کے
باوجود اسکا وہم کی وجہ سے کشود کار نہ ہوگا ۔ وہم کی تعلیم پیر کامل سے حاصل ہوتی ہے
آپ فرماتے ہیں پیر کامل وہ ہے جو پہلے اپنے مرید صادق کو اس کے دل میں یاد الٰہی کے

علاوہ کسی اور خیال کی جگہ دینے سے منع کرے اور اس کا دل اس یاد کے لئے اسقدر واقف ہو جائے کہ اسے تصور کامل حاصل ہو جائے۔ فصل دوم و سیوم سالک اوسط اور سالک منتہی کے ذکر میں ہے۔ اسمیں بھی آپ اپنے علم بے انتہا کا اظہار فرمایا ہے آپ نے ان فصلوں میں نفس، روح اور شکل کے بارے میں بھی بحث کی ہے۔ اور اس ضمن میں روح انسانی، روح حیوانی، روح نفسانی، روح جمادی، روح محمدی، روح نور محمدی، عقل محمدی، روح نفس محمدی، نفس رحمانی، نفس کل، نفس محمدی وغیرہ پہ سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔

مسالک صوفیہ

ابتدائے کتاب میں آپ رقمطراز ہیں کہ آدمی کی بہترین یادگار اسکی تالیف و تصنیف حقانی ہے۔ اسی لئے کئی علمائے سلف نے اپنے مشاہدات و انکشافات کو تصنیفات کی شکل دی ہے۔ چنانچہ حضرت مؤلف علیہ الرحمہ کو بھی خیال پیدا ہوا کہ گلستان صد بہار سے چند گلدستہ نکات چن کر زیب و ستار کریں تاکہ کبھی عندلیبان چمن اور طائرسان انجمن کے کام آوے۔ اس کتاب کو دیکھنے کے بعد آپ کے قلم کی بلند پرواز کی داد دینی پڑتی ہے اور عقل آپ کے اس علمی ادبی فلاحی کارنامہ کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔

اس کتاب کی پہلی فصل "مسلک اول در فضائل سلوک و شمائل سالکان" پر مبنی ہے۔ اس عنوان کے تحت آپ اس طرح ابتداء کرتے ہیں کہ سالک کے معنیٰ راہ چلنے والے کے ہیں۔ علمائے صوفیا سلوک کے معنیٰ مجاہدہ، قطع مراحل اور منازل جانانہ کی جانب مسافت طے کرنا بتاتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے مختلف کتابوں کے حوالے سے سیر حاصل بحث فرمائی ہے ان تصانیف میں "وعظ الجانبین"، کنز مخفی، مثنوی شریف، تحفۃ العشاق اور دیگر بیشتر کتابیں شامل ہیں۔

"مسلک دوم" فضائل آداب و شمائل ادیبان" میں ہے اس عنوان کے تحت آپ رقمطراز ہیں کہ ادب انسان کا شیوہ ہے اور مرید صادق کو اس کی ہمیشہ نگرانی کرنی چاہیے۔

آپ اس سلسلے میں بھی کئی بزرگان دین کے اقوال اور انکی تصانیف کا حوالہ دیا ہے

"مسلک سیوم" فضائل ارادت و شمائل مریدان ہے۔ آپ اسکی دو قسمیں بیان فرماتے ہیں ایک رسمی اور ایک حقیقی۔ رسمی وہ ہے جو صرف تلفظ نامی کی حد تک موقوف ہے۔ اور حقیقی وہ جو حصول مراد میں ممد و معاون ہو۔

مسلک چہارم "فضائل تصوف و شمائل صوفیان" پر مبنی ہے۔

"مسلک پنجم" فضائل فقر و شمائل سلیمان" پر مشتمل ہے۔ اس فصل میں آپ فرماتے ہیں کہ فقر کی شان شان عظیم ہوتی ہے۔

مسلک ششم "فضائل علم و شمائل عالمان" پر بحث کی ہے۔

مسلک ہفتم "فضائل تجرید و شمائل مجردان" پر مشتمل ہے۔ آپ اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ تجرید خود سے بیگانگی ہے اور تفرید غیر حق سے۔ تجرید خلق کے نفع و ضرر سے بے پرواہی ہے اور تفرید خود اپنی ذات سے تنہائی ہے اور اس سے خدائے عزوجل سے لو لگتی ہے۔

مسلک ہشتم "فضائل جمع و شمائل تفرقہ" پر سیر حاصل مواد فراہم کرتی ہے۔

مسلک نہم "فضائل فنا اور شمائل بقا"
مسلک دہم "فضائل موت اور شمائل حیات"
مسلک یازدہم "فضائل توحید و شمائل مواحدان"
مسلک دوازدہم "فضائل عشق اور شمائل عاشقان"
مسلک سیزدہم "فضائل قبض و شمائل بسط"
مسلک چہاردہم "فضائل نفس و شمائل روح"
مسلک پانزدہم "فضائل سماع و شمائل وجد"
مسلک شانزدہم "فضائل جلال و شمائل جمال"
مسلک ہفدہم "فضائل تجلی ذات و شمائل تجلی صفات"
مسلک ہشتدہم "فضائل کمال ذاتی و شمائل کمال اسمائی۔
مسلک نوزدہم "فضائل اعتقاد و شمائل [illegible]"

مسلک بستم " فضائل صحو و شمائل سکر "
مسلک بست و یکم " فضائل سلوک و شمائل جذب "
مسلک بست و دوم " فضائل سیر و شمائل طیر "
مسلک بست و سیوم " فضائل سفر و شمائل اقامت "
مسلک بست و چہارم " فضائل نفی و شمائل اثبات
مسلک بست و پنجم " فضائل عالم حق و شمائل عالم خلق "
مسلک بست و ششم " فضائل مکاشفہ و شمائل معائنہ "
مسلک بست و ہفتم " فضائل حرقہ و شمائل محترقان "
اور مسلک بست و ہشتم " فضائل خلق و شمائل تخلقات "

پر مشتمل ہیں ان سب پر مختصراً بحث بھی یہاں باعث طوالت ہوگی اسلئے صرف انکے عنوانات نقل کئے گئے ہیں تاکہ انہی سے اس کتاب کی اہمیت ظاہر ہو جائے اسکا بھی خاتمہ منظوم ہے۔

مسائل وجودیہ

اللہ تعالیٰ کے پاس ہر شئے کیلئے مراتب ہیں۔ مختصراً ان مراتب کو تین اقسام میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔ مراتب الٰہیہ میں پہلا مرتبہ احدیت مطلقہ کا ہے جہاں یہ ذات موجود ہونے کے باوجود وہ فہم و ادراک سے بالا ہو۔ اس مرتبہ میں علم و معرفت کا گذر ناممکن ہے۔ اسی لئے اس مقام کو " منقطع الارشادات " اور مجہول اللغات کہا جاتا ہے جس کی کنہ تک کوئی نہیں پہونچ سکتا۔ حضور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ حقیقت آشکار کروں کہ معرفت ذات الٰہی کا کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا۔ (ماعرفناک حق معرفتک) اس مرتبہ کو " غیب ہویت " بھی کہا جاتا ہے۔

دوسرا مقام وحدت طرفہ کا ہے۔ یہ مقام تعین اول اور قابلیت محض کا ہے جس کو عشق حقیقی اور حقیقت محمدیہ کہا جاتا ہے۔ کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق اس مرتبہ کا گواہ عادل ہے۔ قابلیت محض شیونات الٰہیہ سے محبت

کو کہا جاتا ہے جو اعتبارات اربعہ سے عبارت ہے۔ یہ اعتبارات اربعہ۔ وجود، علم، نور، اور شہود ہیں۔ یہ چاروں ایک دوسرے پہ موقوف ہیں اور جب ان چاروں کا اجمال ہو جاتا ہے تو پھر تفصیل کی حاجت لاحق ہوتی ہے اور جو کچھ قوت میں ہوتا ہے فعل سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسکو "واحدیت جامعہ" کہتے ہیں کیونکہ یہ استعداد اسماء الٰہی ہیں۔ اور استعداد نفس رحمانی کو کہا جاتا ہے اور یہ ظہور خودی کے لئے لازمی ہو جائیں تو اس مرتبہ کو مرتبہ الوہیت کہا جاتا ہے جو مظہر امہات صفات ہے۔ یہ صفات علم، حیات، ارادہ، قدرت، سمع، بصر اور کلام ہیں۔ اگر یہ ساری صفات ظہور خودی میں متعدد طور پہ جلوہ گر ہوں تو اسی مرتبہ کو مرتبہ ربوبیت کہتے ہیں۔ اور یہی مرتبہ، مرتبہ حقائق الٰہیہ ہے۔ غرض جیسے جیسے حرف بحرف، سطر اور بہ سطر اور لحظہ بہ لحظہ آگے بڑھتے جائیں معرفت و حقائق کے خزانے کھلتے جائیں گے اور وجود ذات باری تعالیٰ کا عرفان ہوتا جائے گا۔ اسی سے مراد "مسائل وجودیہ" ہے اور یہی وہ کتاب ہے جس سے حضرت سید شاہ غلام علی قادری الموسوی کی علو شان اور مرتبت عرفان کا پتہ چلتا ہے اس کتاب کا دوسرا نام دائرۃ الخمس ہے۔

فوائد صوفیہ

حضرت سید شاہ غلام علی قادری الموسوی کی یہ علمی کاوش بھی سالکان راہ طریقت اور صوفیان اہل صفا کے لئے رہنمائے راہ طریقت کی حیثیت کی حامل ہے اسکے علاوہ اس میں بھی آپ کے قلم کے جوہر کچھ اس انداز سے خامہ فرسا ہوئے ہیں کہ اس کتاب کو بھی ادبی شاہکار کہا جا سکتا ہے۔ دراصل یہ کتاب علمی حقائق و سلوک پہ مبنی ہے اور ایک مقدمہ، چار مقام اور ایک خاتمہ پہ مشتمل ہے۔ مقدمہ میں حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے علمی استدلال سے ان کلمات پر شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے جو رہروان راہ سلوک و طریقت کے لئے شمع ہدایت کا کام دیتا ہے۔ مقام اول میں طریقہ قادریہ کے سلوک اور اس طریقہ کے کلمات نیز آیات مجملاً بیان کئے گئے ہیں۔ مقام دوم مراتب تعینات اور حضرات خمس پر بحث کی گئی ہے۔

مقام سیوم، مراتب کلیہ اصطلاحات صوفیہ، اصول مسائل تصوف مثلاً اعیان علمیہ سے نفی

معمولیت۔ مسئلہ تجدد امثال اور ان مسائل کے فوائد پر مشتمل ہے۔

مقام چہارم میں بعض آیات کریمہ کی تفسیر اور احادیث مبارکہ کی تشریح اور تشریح کلمات صوفیہ جدید نہج پر بیان کی گئی ہیں۔ خاتمہ میں بھی بعض مراتب کشفیہ بیان کئے گئے ہیں ان سب ابواب پر تفصیلی بحث اس مختصر مقالہ میں ممکن نہیں ہے۔ اسلئے ہر باب سے چند منتخب اقتباسات پیش ہیں۔

آپ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ کما قال اللہ تعالیٰ فی کلامہ رجالٌ لا تلھیھم تجارۃ ولا بیعٌ عن ذکر اللہ۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ؎

بر رشتۂ دولت اے برادر بکف آر   ایں عمر گرامی بخسارت مگذار
دائم ہمہ جا با ہمہ کس در ہمہ حال   میدار نہفتہ چشم دل جانب یار

اگر ذاکرین حضور قلب کے ساتھ ذکر الٰہی کی جانب متوجہ ہوتے ہیں تو ان پر سکر اور حلاوتِ ذکر کا اسقدر استیلاء ہوتا ہے کہ ہوش گم ہوجاتے ہیں اور یہ حال موجب حیرت ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

چہ مستی است ندانم کہ رو بما آورد   کہ بود ساقی و ایں بادہ کجا آورد

یعنی اس مستی اور حلاوت کا یہ راز ہے کہ حالت ذکر میں اگر حضور قلب شامل ہو تو بمصداق آیت فاذکرونی اذکرکم ذاکرین کو جاذبہ توجہ الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ اور حضرت حق سبحانہ تعالیٰ ان کو یاد فرماتا ہے اور اس یاد کے نفحاتِ طیبات کے آثار اسکو مست اور متلذذ کر دیتے ہیں۔

ایک مقام پر آپ فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ کا قول ہے کہ اس راہ میں عمدگی حضور دل سے ہے کیونکہ جو ذکر حضور دل کے ساتھ نہ کیا جائے کوئی نفع نہیں دیتا۔ چنانچہ ایک عزیز فرماتے ہیں۔

ذکر گو بسیار باشد بر زباں   چوں کہ دل غافل بود غیبت بداں

بموجب عبادۃ السالک نفی الخطرات۔ نفی خواطر اہم مہم ہے۔ رفع خطرات کیلئے غلبہ حق سبحانہ کے حضور مشاہدہ اور مراقبہ ضروری ہے۔ یعنی حق سبحانہ تعالیٰ کو صانع عالم واحد احد، منزہ جاننا اور علی الدوام اسکو حاضر و ناظر سمجھنا اور اس سے خوف اور خشیت دل میں رہنا۔ اپنے باطن کو مجموعی طور پر متوجہ کرکے دل سے مراقب ہونا چاہیئے اور اکثر اس

عبارت کی تکرار کرنی چاہیئے کہ اللہ معی اللہ حاضری اللہ ناظری لیکن کیونکہ حصول مشاہدہ اس مقام پر علم یقین سے ہوتا ہے اسلئے حق کو واحد جاننے کے کشف کی وجہ سے وہم باقی نہیں رہتا لہذا اس مقام میں توحید کو "توحید اقوالی" کہتے ہیں اور اس مقام میں علم کو "علم الیقین" کہا جاتا ہے اور یہی عقیدہ شریعت ہے۔ کبھی رفع خطرات کے لئے جو مشاہدہ و مراقبہ کیا جاتا ہے تصور شیخ کے ساتھ مفید ہے۔

اور ایک مقام پر آپ تحریر فرماتے ہیں کہ مرشد کامل کے ارشادات اسکے خدمات و تصرفات اور اسکی رہنمائی سے ذکر اللہ کی دشوار گذار راہ میں اور ریاضت سنگسار رہگذاروں میں تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب حاصل ہوتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ دل سے جو حضرت حق سبحانہ کا ملکہ خاص ہو جاتا ہے غبار غیریت جاتا رہتا ہے۔

غرض ایسی ہی کئی عارفانہ باتیں اس رسالہ میں ملتی ہیں جن کو پڑھنے کے بعد حضرت علیہ الرحمہ کے مرتبہ عرفان کا اندازہ ہوتا ہے۔

الزامیہ

یہ رسالہ گروہ امامیہ اور مقلدین مشائخین سنیہ کے درمیان ردّوقدح پر مبنی ہے اس میں الزام اول جو زیر بحث لایا گیا ہے وہ شیعوں کا طریقہ بیعت ہے جس پر سنی مشائخین اعتراض کرتے ہیں۔ گروہ امامیہ کا خیال ہے کہ حضور سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے بعد باب ولایت کھلا اور اس کے فاتح امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں اس ولایت کی انتہا ائمہ اثنا عشریہ پر ہے۔ حضرت امام محمد مہدی کو وہ خاتم ولایت جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کے بعد باب ولایت مسدود ہو چکا ہے چنانچہ وہ اس دلیل سے کہتے ہیں کہ جب ولایت ہی باقی نہیں رہی تو پھر دوسرے سے بیعت کرنے کا کیا فائدہ ہے اس پر تمام علماء فضلا اور مجتہدین گروہ شیعہ کا اتفاق ہے لیکن آج کل کے مجتہدین کاذب اور انکے مقلدین یہ کہتے ہیں کہ ہم دور قدیم سے طریقہ امامیہ کے پیرو ہیں اور طریقہ امامیہ صوفیا کا مشرب ہے یہ قول سرتاپا غلط ہے ان کی معتبر سندات "صافی"، "کافی"، "اصول اربعہ" وغیرہم میں ہے کہ ائمہ

معصومین حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے لیکر حضرت امام حسن العسکری تک جو گیارہ تن ہیں معصوم ہیں۔ کسی فرد امت کو اخذ بیعت کے لئے مجاز نہیں کیا تھا۔ بلکہ بیعت لینے سے ائمہ طاہرہ رضامند نہ تھے۔ ایسی صورت میں ان ہی کے عقائد کے اعتبار سے ان کا یہ ادعا کہ مشرب امامیہ میں مشرب صوفیہ کی طرح سلسلہ بیعت جاری ہے۔ ان کے ائمہ کی ناخوشی اور نارضامندی کا سبب ہوا اور ساتھ ہی ساتھ ان کی معتبر کتابوں "کلینی" وغیرہ کی نفی ہوگی اور اس تضاد سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ طریقہ بیعت مشائخین اہل سنت و جماعت کا طریقہ ہے نہ کہ جماعت امامیہ کا۔ صوفیا اہل سنت کے نزدیک بیعت لینا سنت رسول ہے کیونکہ اس طریقہ کو رسول اللہ نے امر حق سے جاری کیا تھا۔ جن پہ آیات قرآنی ناطق ہیں۔ اسکے بعد صحابہ، تابعین، تبع تابعین نے رسول اللہ کی سنت کو زندہ رکھا اور بحمد اللہ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ اسی طرح دیگر الزامات و اعتراضات کے بھی جوابات آپ نے تحریر فرمائے ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

خوارق غوثیہ

حضرت سیدنا و شیخنا ابو محمد محی الدین عبد القادر الحسنی و الحسینی الجعفری الجیلانی رضی اللہ عنہ کی کرامات اور خوارق عادات مشہور زمانہ اور بے شمار ہیں جو کئی اصحاب کبار کی تصانیف سے ثابت ہیں۔ علاوہ ازیں مشائخین کبار رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا یہ عمل در آمد تھا کہ ماہ ربیع الثانی میں آپ کی سیرت عالیہ اور کرامات کے وعظ و مناقب کی محافل منعقد کر کے بیان کرتے تھے ان مواعظ کا سلسلہ یکم ماہ مذکور سے گیارھویں ربیع الثانی تک رہتا ہے۔

اسی طریقہ پر حضرت سید شاہ غلام علی قادری الموسوی بھی تا حیات کاربند رہے۔ آپ رسالہ مذکور کے پیش لفظ میں تحریر کرتے ہیں کہ وعظ و ذکر مناقب حضرت سلطان الاولیاء کے لئے کئی کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑتا تھا۔ جن میں سے اوراد قادریہ، بہجۃ الاسرار اور ان کتابوں سے آپ نے حضرت رئیس الاولیاء رضی اللہ عنہ کی کرامات چن کر یہ کلیات بنام "خوارق غوثیہ" ترتیب دی یہ رسالہ تین ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول ان کرامات پر مشتمل ہے جو ولادت سے مسند شیخت پر فائز ہونے تک حضرت غوث الاعظم سے ظاہر ہوئیں۔

باب دوم ان کرامات کا احاطہ کرتا ہے جو مسند مشیخت پر متمکن ہونے کے بعد سے وفات حضرت آیات تک عالم ظہور میں آئیں۔ باب سوم ان کرامات پر مبنی ہے جو آپ کی وفات کے بعد وقوع پذیر ہوئیں۔ اس کے علاوہ ایک خاتمہ بھی ہے جو ان گیارہ احادیث کے بیان میں ہے جو حضور غوث الثقلین کی روایت سے پایۂ ثبوت کو پہنچیں۔

باب اول میں صاحب مناقب غوثیہ سے ایک کرامت منقول ہے جو حضور غوث الاعظم کی علو شان کی دلیل ہے۔

صاحب مناقب غوثیہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب آپ اپنے وطن مالوف گیلان میں تھے، ایک روز اپنے گھر کے صحن میں تھے کہ ایک غیبی آواز سنی دریافت کرنے والا دریافت کر رہا تھا کہ اے عبدالقادر تجھے مقامات عاشقی و معشوقی میں سے کونسا مقام عطا کیا جائے۔ آپ نے دو دفعہ یہ ندائے غیبی سنی اور اپنی والدہ محترمہ ام الخیر امۃ الجبار فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا۔ حضرت ام الخیر نے فرمایا کہ اب کی دفعہ یہ آواز سنو تو کہنا کہ مجھے مقام معشوقی عطا کر دے۔ حضرت شیخ الکل نے کہا کہ اے میری ماں مجھے یہ اختیار نہیں کہ میں رضا و تسلیم الٰہی کے بغیر کچھ کہوں۔ حضرت ام الخیر نے فرمایا کہ اے عبدالقادر عنقریب حق سبحانہ تعالیٰ تجھے یہ دونوں مقامات عطا فرمائے گا۔ ناگاہ حضرت عزوجل شانہ سے حکم ہوا کہ اے سلطان عبدالقادر مبارک ہو کہ تجھے ہم نے یہ دونوں مقامات عطا کئے یعنی اب تم ہمارے عاشق بھی ہو اور معشوق بھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بسط اللہ ظلہ۔

باب دوم کی پہلی کرامت وہ ہے جو آپ کے لقب محی الدین کی وجہ بتاتی ہے۔ کرامت مذکور تحفۃ الابرار سے منقول ہے اور کتاب مشکوٰۃ النبوۃ میں مشکوٰۃ سیزدہم میں گذر چکی ہے اسلئے دوبارہ حاجت بیان نہیں۔ آپ نے صاحب تکملہ سے ایک اور عظیم الشان کرامت نقل کی ہے جسکو صاحب مذکور نے شیخ ابوالحسن خفاف بغدادی، شیخ ابوالحسن علی بن سلیمان خبّاز اور شیخ خلیل الملقب بہ قیصر سے روایت کی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ بروز چہارشنبہ ۲۷ر ذی الحجہ سنہ ۵۲۹ھ کو حضرت سیدنا عبدالقادر شونیزیہ میں مزارات کی زیارت کے لئے نکلے۔ آپ کے ساتھ ایک جم غفیر تھا جن میں فقہاء، فقراء اور علماء کی کثیر تعداد شامل تھی۔ جب حضرت شیخ حماد دباس کی مزار پر پہونچے تو باوجودیکہ شدید گرمی تھی آپ بہت دیر تک

ٹھہر گئے۔ جب شیخ وہاں سے پلٹے تو مسرور نظر آنے لگے۔ لوگوں نے اس طویل توقف اور آپ کے سرور کی وجہ دریافت کی۔ حضرت نے فرمایا کہ جمعہ ۱۵ شعبان کو ہم حضرت شیخ حماد دباس کے ساتھ نماز جمعہ کے لئے بغداد سے باہر نکلے۔ جب ہم نہر سنبال کے کنارے پہونچے شیخ نے اپنے ہاتھ سے مجھے پانی میں دھکیل دیا یہ موسم سرما تھا اور شدید سردی تھی۔ میں نے کہا بسم اللہ نغسل الجمعۃ اس وقت میرے جسم پر صوف کا جبہ تھا اور میری آستین میں بعض صحائف تھے میں نے ہاتھ بلند کیا اور وہ جبہ اور صحائف شیخ کے حوالے کر دئے وہ مجھے وہاں چھوڑ کر ہٹ گئے۔ میں پانی سے باہر نکلا اور جبہ پہن کر انکے پیچھے چل پڑا شیخ کے اصحاب نے میری جانب رخ کرنا چاہا جس پہ شیخ نے منع کیا اور کہا کہ میں نے انھیں ایذا پہونچانی اور چاہا کہ وہ بیمار ہو جائیں لیکن معلوم ہوا کہ وہ ایک پہاڑ کی مانند ہیں۔ جو اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا۔ اب میں نے شیخ کو قبر میں دیکھا کہ وہ زیور پہنے ہوئے ہیں جن میں جواہرات جڑے ہوئے ہیں آپ کے دونوں ہاتھوں میں یاقوت کے کنگن ہیں اور پاؤں میں گوہر کے نعل ہیں لیکن آپ کا سیدھا ہاتھ حرکت نہیں کر سکتا میں نے اسکی وجہ دریافت کی شیخ نے جواب دیا میں نے اسی ہاتھ سے آپ کو پانی میں غوطہ دیا تھا۔ اب آپ مجھے معاف کر دو۔ اور خدا سے استدعا کرو کہ میرے ہاتھ میں پھر سے حرکت پیدا کر دے۔ پس میں نے انکی قبر کے پاس ٹھہر کر خدائے تعالی سے درخواست کی۔ سات یا پانچ ہزار اولیاء نے نے اپنی قبور سے دعا کی کہ میری دعا مقبول ہو جائے میں نے وہیں ٹھہر کر دعائے تبلیغ کی۔ یہاں تک کہ میری دعا باب قبولیت پر پہونچ گئی۔ اور ان کے ہاتھ میں پھر سے حرکت آ گئی اور شیخ نے اس ہاتھ سے مجھ سے مصافحہ کیا اس وقت میں ان کی قبر سے ہٹا اور میری سرور کی وجہ یہی تھی۔

راوی کہتے ہیں کہ جب یہ بات بغداد میں مشہور ہو گئی تو بغداد کے وہ مشائخین اور صوفیا جو حضرت شیخ حماد دباس سے منسوب تھے جمع ہوئے اور حضرت غوث الثقلین سے آپ کے اس دعوے کی دلیل طلب کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب آپ کی مجلس میں پہونچے تو ہیبت سے زبان گنگ ہو گئی۔ شیخ نے خود فرمایا کہ تم ایسے اشخاص کو منتخب کر لو جن پہ تم کو کامل اعتماد ہو۔ یہ افراد تم کو میرے بیان کی سچائی بتائیں گے۔ انھوں نے شیخ ابو یعقوب

یوسف بن ایوب بن یوسف ہمدانی اور شیخ ابو محمد عبدالرحمٰن بن شعیب بن مسعود کو بھیجا یہ دونوں اصحاب صاحب کشف و کرامات تھے۔ لوگوں نے تحقیق کے لئے ایک ہفتہ کی مہلت طلب کی جس پر حضرت نے فرمایا کہ تم یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤ گے جب تک کہ حقیقت کا پتہ نہ چل جائے اس کے بعد حضرت مراقب ہو گئے اسی وقت مدرسہ کے باہر سے بعض لوگ خبر لائے کہ شیخ یوسف مذکور پا برہنہ دوڑتے ہوئے مدرسہ کی جانب آ رہے ہیں۔ جب وہ مدرسہ میں آئے تو کہا کہ حق تعالیٰ نے مجھے ایسا مشاہدہ دکھلایا کہ شیخ حماد دباس مجھ سے فرما رہے ہیں یا یوسف اسرع الی المدرسۃ الشیخ عبدالقادر وقل للمشائخ الذین فیہا صدق الشیخ عبدالقادر فیما اخبر بہ عنی۔ شیخ عبدالرحمٰن مذکور نے بھی آ کر یہی تقریر کی۔ تمام مشائخین صوفیاء اور فقراء نے حضرت شیخ عبدالقادر سے اعتذار و استغفار کیا۔ عز اللہ سلطانہ و جل برہانہ۔ اسی طرح اور کئی کرامتیں باب سیوم میں بھی مذکور ہیں۔ اس کتاب کا خاتمہ بھی منظوم ہے۔

اورادِ قادریہ

حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نماز پنجگانہ اور دیگر نمازوں کے بعد جو اوراد وغیرہ پڑھا کرتے تھے اور اس کے علاوہ روزہ اور طریقہ سلوک میں آپ کے جو معمولات تھے ان کو اس کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے۔ کتاب مذکور تین مخازن پر مبنی ہے۔ مخزن اول فریضہ صلوٰۃ وغیرہ۔ مخزن دوم صوم وغیرہ۔ مخزن سیوم سلوک اور اس کے لوازمات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں حضرت علیہ الرحمہ نے بہت ہی مستند کتابوں کے حوالوں سے استفادہ فرمایا ہے۔ مثلاً مخازن قادریہ، اوراد قادریہ، غنیۃ الطالبین بہجۃ الاسرار، سیر الاولیاء، اوراد چشتیہ، مناہج العباد وغیرہم۔ باب اول میں آپ نے حضرت غوث الثقلین کے ارشادات کی روشنی میں نہ صرف نماز پنجگانہ پر روشنی ڈالی ہے اور انکی ادائیگی کا طریقہ، اور انکی ادائیگی کے بعد کے اوراد بیان فرمائے ہیں بلکہ کئی دوسری نمازیں مثلاً نماز کسوف، نماز اشراق، نماز تہجد، صلاۃ الاسرار، نماز عاشقین، دوگانہ، استخارہ

نماز تراویح، اور دوسری کئی نفل نمازوں پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے ۔

باب دوم میں روزۂ مفروضہ کے علاوہ دوسرے روزوں اور حالت صوم میں جن اوراد وغیرہ کا ورد کیا جانا چاہیے تفصیل سے تحریر فرمایا ہے۔

باب سوم میں راہ سلوک میں مرشدین اور مریدین کی کامل رہنمائی کا فریضہ ادا کیا ہے، یہ کتاب بھی آپ کی وسعت مطالعہ اور تبحر علمی کی دلیل ہے اس کتاب کا خاتمہ بھی منظوم ہے۔

مواعظ غوثیہ

جیسا کہ نام کتاب سے ظاہر ہے اس کتاب میں حضرت سید شاہ غلام علی قادری الموسوی نے حضور سلطان الاولیاء رئیس الاصفیا غوث الکل سیدنا شیخ عبد القادر الجیلانی رضی اللہ عنہ کے مواعظ جمع فرمائے ہیں جن میں کا ہر وعظ رہروان راہ ہدیٰ کے لئے بہترین راہبر ہے اس کتاب میں بھی کئی مستند کتابوں کے حوالے موجود ہیں ۔ چنانچہ آپ نے پہلے وعظ کے متعلق جو کچھ نقل فرمایا ہے اس طرح ہے۔

وعظ من مواعظہ

صاحب بہجۃ الاسرار، جلاء الخاطر، اور اوقادریہ وغیرہم روایت صحیحہ سے نقل فرماتے ہیں کہ جب حضور قطب الاقطاب غوث اعظم قدسنا اللہ تعالیٰ نے اتمام سلوک کے بعد سنہ ۵۲۱ھ میں خیر البلاد بغداد میں حضرت شیخ ابوسعید مخزومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں مجاہدہ شروع کیا۔ آپ امی تھے اور کسی طرح کا وعظ نہ فرما سکتے تھے ۔ لیکن حضرت ابو الخیر مخزومی کی یہ عادت تھی کہ آپ روزانہ اپنے مریدین میں سے کسی کو برسر منبر وعظ کرنے کا حکم فرماتے تھے اس طرح ایک دفعہ حضور غوث الثقلین کی باری آئی ۔ حضرت ابوسعید ابو الخیر کے دیگر مریدین نے بطور استہزا آپ کو امام الواعظین کا لقب دیا اور کہا کہ اے عبد القادر، آج آپ کی باری ہے منبر پر چڑھ کر وعظ فرمائیے ۔ حضرت ابوسعید ابو الخیر مخزومی نے اجازت عطا فرمائی اور آپ کو وعظ کہنے کے لئے کہا ۔ حضرت غوث الاعظم منبر پر سوار ہوئے ۔ حالانکہ آپ عارف نہ تھے ۔ اسی وقت حضرت سرور عالم سید الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ

علیہ و آلہ وسلم حضور غوث الاعظم کے مشاہدہ میں تشریف لائے اور فرمایا اے فرزند وعظ کرو میں تمہارا وعظ سنوں گا کیونکہ تم ملحوظ و محفوظ ہو۔ حضور غوث الاعظم نے عرض کیا کہ اے پدر بزرگوار میں کیسے وعظ کروں کہ میں لاعلم ہوں۔ آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرزند اپنا منہ کھولو۔ حضور غوث الاعظم نے حسب الحکم اپنا دہن مبارک وا فرمایا تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن مبارک آپ کے منہ میں ڈال دیا۔ پس اس لعاب مبارک کے فیض سے حضرت قطب الاقطاب والاحباب غوث الاعظم نے کلمات حکمت بیان فرمائے اور نہایت بلیغ وعظ کیا۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ حضور غوث الاعظم نے پہلا کلمہ جو زبان مبارک سے ادا فرمایا یہ تھا کہ حدثنی قلبی عن ربی عزوجل یعنی لوسے میرا دل خدائے عزوجل سے بتاتا ہے اسی وقت حضرت ابو سعید مخزومی نے کہا کہ اے عبد القادر تم علیٰ رؤس الاشہاد سے قدمی ہذہ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ کہو گے اور تمہارے اس دعوے کو سب تسلیم کرینگے جو کوئی اس قول کو قبول کرے گا مامون ہوگا اور جو اس سے انکار کرے گا رسوا ہوگا۔ اور ولایت سے معزول کر دیا جائے گا۔

اسی طرح حضرت سید شاہ غلام علی نے حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے کم و بیش سو اسو مواعظ مستند کتابوں سے نقل کئے ہیں۔ اس کتاب کا خاتمہ بھی منظوم ہے۔

عقائد غوثیہ

اس کتاب میں حضرت علیہ الرحمہ نے قادریوں کے عقائد اسلام پر مجملاً بحث فرمائی ہے اس کتاب میں تیس ابواب ہیں اور ہر باب پانچ فصلوں پر مشتمل ہے۔ چنانچہ باب اول کی پانچ فصلیں اس طرح ہیں۔

الفصل الاول فیما یجب علی المرید الدخول فی الدین فصل ثانی فی معرفۃ اللہ تعالیٰ۔ فصل ثالث فیما لا یجوز اطلاقہ علی الباری۔ الفصل الرابع فی صفت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

الفصل الخامس فی فضل الصّحابۃ والتّابعین۔

باب دوم کی پانچ فصلیں اسطرح ہیں۔ فصل الاول فیما یجب علی المومنین الفصل ثانی فی مقالہ الفرق الضالۃ۔ الفصل ثالث فی الواجبات۔ الفصل الرابع فی السنن والارشاد۔ الفصل الخامس فی المستحبات والمباح والبدع۔

باب سوم ان پانچ فصلوں پر مشتمل ہے الفصل الاول فی الطّہارۃ۔ الفصل الثانی فی الصلوٰۃ۔ الفصل الثالث فی الصوم۔ الفصل الرابع فی الزکوٰۃ۔ الفصل الخامس فی الحج۔ اسکے علاوہ ایک خاتمہ ہے جو زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مشتمل ہے۔

چنانچہ مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات ترشح ہوتی ہے کہ حضور سیدنا غوث الاعظم کے ارشادات کی روشنی میں کتاب مذکور نہ صرف دین، ضروریات دین، فرائض، مستحبات سنن اور مباح پر جامعیت کی حامل ہے بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات اور آپ کے اصحاب اور تابعین کی فضیلت پر بھی ایک مستند حیثیت کی حامل ہے۔ ان فصول وابواب پر مختصر سے مختصر تحریر باعث طوالت ہوگی اسلئے صرف فصول کے عنوانات پر اکتفا کیا گیا۔ اس کتاب میں بھی حضرت علیہ الرحمہ نے ایک نظم خاتمہ تحریر فرمائی ہے جس کی رو سے اسکا سن اتمام ۱۲۲۴ھ ظاہر ہوتا ہے۔ عقائد غوثیہ پر یہ مدلل کتاب ہے اسکی اشاعت سلسلہ قادریہ کے لئے بہت مفید ہوگی۔

مشکوٰۃ النبوۃ

حضرت سید شاہ غلام علی قادری الموسوی کی ایک مایہ ناز تصنیف ہے اس بات کا اعتراف مورخین نے بھی کیا ہے اور ان کی اکثریت نے اس سے خوشہ چینی کی ہے۔ اولیاء اللہ کے حالات اور ان کی تاریخ پر جتنی کتبیں نظر سے گذری ہیں وہ یا تو کسی خاص صوبہ یا علاقہ کے بزرگان طریقت تک مخصوص ہوتی ہیں یا پھر کسی خاص سلسلہ کے شیوخ کے حالات پر مشتمل ہوتی ہیں۔ لیکن

مشکوٰۃ النبوۃ میں ہر سلسلہ، ہر ملک اور ہر مسلک کے پیرو اکابرین طریقت کے احوال مذکور ہیں۔ چنانچہ جہاں اس میں طریقہ و سلسلہ قادریہ عالیہ کے اکابرین کی سیرت ہمیں ملتی ہے۔ وہیں دوسرے سلاسل مثلاً احراریہ، نقشبندیہ، رفاعیہ، سہروردیہ، چشتیہ وغیرہم کے بھی صدہا بزرگان ملت کے احوال اور ان کے ارشادات نظر آتے ہیں۔ اسی طرح جہاں اصل میں ہمیں بزرگان ملک ہندوستان کی تاریخ ملتی ہے وہیں دیگر ممالک مثلاً ایران، عراق، پاکستان، کردستان وغیرہم کے بھی بزرگوں کی تاریخ نظر آتی ہے۔ اگر یوں کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ یہ تصنیف ایک ایسا سمندر ہے جس میں سینکڑوں انمول جواہر کے ذخائر جمع ہیں۔

اس مناسبت سے یہ کتاب (۳۳) مشکوٰۃ ترتیب دی گئی ہے۔ جس میں حضور نبی کریم کی مختصر لیکن جامع سیرت طیبہ مرقوم ہے اسکے علاوہ خلفائے راشدین کے منجملہ خلفائے ثلاثہ عشرہ مبشرہ، اصحاب صفہ وغیرہم کے بھی احوال درج ہیں۔ مشکوٰۃ اول امیر المومنین علی علیہ السلام کے احوال سے شروع ہوتی ہے۔ اسلئے کتاب ۳۳ مشکوٰۃ پر مشتمل ہے۔ ہر مشکوٰۃ میں ترتیب سلسلہ نسب کا لحاظ رکھا گیا ہے جو حضرت سید شاہ غلام علی قادری الموسوی کے ۳۳ واسطوں سے جد اعلیٰ ہوتے ہیں۔ یعنے حضرت مصنف کے اجداد کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اذکار سے اور ان کے معاصرین سے ہر مشکوٰۃ شروع ہوتی ہے اور یہ سلسلہ مشکوٰۃ سی و سوم پر ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت مصنف کے والد ماجد قدوۃ المحققین سید شاہ موسیٰ قادری کے احوال اور آپ کے معاصرین کے احوال مرقوم ہیں۔ پوری کتاب چھ سو سے زائد اولیائے کبار، مشائخ عظام اور صوفیائے کرام کے حالات زندگی اور ان کے مسالک و ارشادات تحریر کئے گئے ہیں ان بزرگوں کے خلفاء کے اسم گرامی اور انکے مختصر حالات مرقوم ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے جہاں اسکو تاریخ صوفیہ کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے ان کے اسمائے گرامی کو شامل کر لیا جائے تو پھر جن اصحاب کے حالات بیان ہوئے ہیں ان کی تعداد اور بڑھ جاتی ہے۔ اس کتاب کو تاریخ ملوک بھی کہا جاسکتا ہے اسلئے کہ جب کسی بزرگ کا ذکر کیا گیا تو یہ بھی بتا دیا گیا کہ آپ کے زمانہ حیات میں کس بادشاہ کی حکومت تھی آپ کی وفات کے وقت کون حاکم تھا۔ دونوں میں کیا رشتہ تھا۔ اگر دو سے زائد بادشاہ اس زمانہ میں گذرے ہوں تو ان کے بھی بالاختصار حالات لکھدئے گئے۔ اس طرح سے یہ کتاب فن تذکرہ میں نہ صرف خزینۃ العلم کی حیثیت رکھتی ہے

بلکہ اس سے حضرت مصنف کی وسعت مطالعہ اور تبحر علمی کا بھی ثبوت ہے۔ پیش لفظ میں اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں جن کتابوں سے تحقیق کی گئی ان کتابوں کا حوالہ دیا ہے ان میں سے زیادہ تر جواہر التفسیر، تفسیر حسینی، شرح مشکوٰۃ شریف، روضۃ الاحباب، کشف المحجوب، انیس الارواح، دلیل العارفین، قواعد السالکین، راحت القلوب، افضل الفوائد، فوائد الفواد، سیر الاولیاء، بحر المعانی، معدن المعانی، معدن الجواہر، شرح آداب المریدین، صفات العارفین، تکملہ یافعی، فتوحات مکیہ، فصوص الحکم، ترجمہ عوارف، کلمات الصادقین، مناقب الاولیاء، مناقب غوثیہ، اوراد غوثیہ، مناقب الاصفیا، لطائف اشرفی، لطائف قادری، تذکرۃ الاولیاء، جامع العلوم، خزانہ جلالی، مراۃ العارفین، تاریخ یافعی، روضۃ الجنان، شواہد النبوت، نفحات الانس، رشحات قدسیہ، وسیلۃ الاولیاء، روضۃ الصفا، روضۃ الریاحین، عروۃ الوثقیٰ، تجلیات رحمانی، تاریخ نظامی، منتخب التواریخ، منتخب شیخ احمد کھٹو، ملفوظات شیخ احمد عبد الحق ردولوی، ملفوظ حبیب الٰہی، سیر محمدی، مبصرۃ الخوارق، تاریخ حسینی، اوراد غوثیہ (شیخ غوث گوالیاری) بہجۃ الاسرار، تاریخ فیروز شاہی، تصنیف شیخ ضیاء برنی، تاریخ مراۃ سکندری، رسالۂ جام حق نما، رسالہ ذکر الاذکار، نظم الاعراس، مخازن الاعراس، رسالۂ وصال، تابوت سکینہ، وعظ المجالس، فتاوی العشاق، دیوان موسوی، انوار الاخیار وغیرہم ہیں۔ ہر چند کہ مندرجہ بالا تصانیف کی تعداد (۶۴) ہے لیکن میرا مشاہدہ ہے کہ کتاب مذکور میں ایسی اور کئی تصانیف کے حوالے ہیں۔ جنکا حضرت نے اس فہرست میں ذکر نہیں کیا۔ فاتحہ کتاب کے بعد فوائد صوفیہ پر مشتمل ہے۔ جو ہر سالک کے لئے مفید ہے۔ اس کتاب کے اختتام پر بھی حضرت علیہ الرحمہ نے ایک نظم خاتمہ تحریر فرمائی ہے۔

جب اس کتاب مستطاب کا ذکر آتا ہے تو حضرت قبلہ گاہی مولانا ابو الفضل سید محمود قادری ادام اللہ ظلہ العالی کا ذکر مسعود بھی بے ساختہ زبان پر آجاتا ہے۔ کیونکہ حضرت قبلہ گاہی زید مجدہٗ نے باوجود اپنی علالت کے مسلسل محنت شاقہ سے اس کتاب کا ترجمہ فرمایا اور اسے منظر عام پر لانے کی کامیاب سعی فرمائی۔ کئی حضرات مشائخین نے حضرت والدم زاد فضلہ کے اس ترجمہ کو ان کا علمی کارنامہ قرار دیا۔ اس پر تبصرے بھی شائع ہوئے۔ چنانچہ اخبار رہنمائے دکن مورخہ ۱۴؍ اگست ۱۹۸۲ء میں حضرت مولانا حکیم سید عثمان حسینی صاحب معتمد صدر مجلس علمائے دکن حیدرآباد

کا اور اخبار سیاست مورخہ ۲۷ر ستمبر ۱۹۸۲ء میں حضرت مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب قادری کا تبصرہ شائع ہوا جس میں ان دونوں حضرات نے اس کتاب کی تعریف و توصیف کی۔ اور حضرت محترم قبلہ گاہی کے اس ترجمہ کو گراں قدر علمی کارنامہ قرار دیا جو دوسروں سے دشوار تھا۔

حضرت والد بزرگوار نے اس سال یکم ماہ رمضان المبارک کو حرمین شریفین کی زیارت کے لئے روانہ ہوتے وقت مجھے تاکید فرمائی کہ جلد ششم تا ہشتم جن کا ترجمہ کرنا باقی تھا اسکی میں تکمیل کر دوں۔ ہر چند مجھے اسکی جراءت نہیں ہو رہی تھی لیکن حضرت قبلہ مدظلہ العالی کے حکم کی تعمیل مجھ پر لازم تھی یہ انہی کا فیضان تھا کہ جس کی مدد سے میں نے اس کام کی تکمیل دو ماہ کے اندر کر دی، عریضہ کے ذریعہ مطلع کر دیا کہ اس حقیر نے کام کی تکمیل کر دی ہے۔ چار ماہ کے بعد جب والد ماجد واپس تشریف لائے تو اس ترجمہ کو دیکھ کر اظہار خوشنودی فرمایا اور نظر ثانی کے بعد طبع کروا دیا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

مفتاح الفرائض

اس رسالہ میں بھی حضرت علیہ الرحمہ نے اپنی دیگر تصانیف مثلاً دائرۃ الخمس وغیرہ کی طرح فرائض پنجگانہ اور دیگر فرائض پر سیر حاصل مواد جمع کیا ہے۔ اس میں متعدد ابواب ہیں اور ہر باب چند فصول اور ایک وصل پر مشتمل ہے جو اس فرض کے باب میں جس پر مذکور ہے باب مکمل بحث کیا گیا ہو۔ شرعی احکام وغیرہ درج ہیں۔ ابتدائے کتاب میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں نے ہر فصل میں اس فرض مذکور کے ارکان شریعت رقم کئے ہیں جس کا جاننا ہر مومن کے لئے واجب ہے اور وصل میں اس فرض کے بارے میں ارکان طریقت میں سے ایک رکن تحریر کیا ہے۔ جسکا جاننا ہر مومن عارف کے لئے فرض ہے۔ فصل وصل پر مقدم ہے کیونکہ مسائل فقہ و شریعت کی تقدیم احکام اہل طریقت صوفیہ کے لئے لازم و ملزوم ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ؎

شریعت را مقدم دار اکنوں شریعت از طریقت نیست بیروں
کسے کو در شریعت راسخ آید حقیقت راہ بر وے خود گشاید

اللہ ولی التوفیق وھو الموفق والمعین۔

مقدمہ کتاب میں آپ نے فرض، واجب، سنت، مستحب وغیرہم کی تعریف بیان فرمائی ہے۔ باب اول احکام صلوٰۃ پر مبنی ہے۔ اس باب میں متعدد فصول ہیں۔ پہلی فصل سنن و مستحبات و مکروہات صلوٰۃ پر مشتمل ہے۔

فصل دوم قیام کے بیان میں ہے۔ فصل سوم قرات کے بیان میں ہے۔ فصل چہارم رکوع کے بارے میں، فصل پنجم سجدہ کے بیان میں۔ فصل ششم قعدہ کے بیان میں۔ فصل ہفتم سلام کے بارے میں۔ فصل ہشتم مکروہات نماز کے بارے میں۔ فصل نہم مکروہات عامہ کے بیان میں۔ فصل دہم مکروہات عامہ کے بیان میں۔ فصل یازدہم تتمہ فی المکروہات کے بارے میں۔ اسکے علاوہ غسل، وضو اور دیگر سنن و فرائض کا بیان بھی تفصیلاً کیا گیا ہے۔ جو متعدد فصول پر مشتمل ہے۔

باب دوم احکام صوم پر مبنی ہے۔ اس میں بھی آپ نے کافی شرح و بسط کے ساتھ بحث فرمائی ہے۔ باب سوم احکام زکوٰۃ پر مشتمل ہے اور یہ باب بھی کئی فصول و وصول پر محیط ہے باب چہارم مناسک حج پر مبنی ہے اسمیں بھی حج بیت اللہ پر نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ باب پنجم میں ایمان پر مجملاً بحث کی گئی ہے یہ تمام ابواب مفصل ہے اور اسمیں کئی مسائل پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ کی تمام تصانیف میں مشکوٰۃ النبوت کے بعد سب سے ضخیم کتاب یہ یعنی مفتاح الفرائض ہے جسے پڑھکر حضرت علیہ الرحمہ کے عارفانہ خیالات کا اندازہ ہوتا ہے اور فرط حیرت سے زبان گنگ ہو جاتی ہے کہ اتنا مواد نہ جانے حضرت نے ایسے دور میں جبکہ طباعت و اشاعت کا نام و نشان بھی نہ ہوگا کسطرح جمع فرمایا ہے۔ چنانچہ کتاب کے اختتام پر آپ خود فرماتے ہیں۔

درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
انچہ استاد ازل گفت ہماں میگویم

اور یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ خدائے جل ستانہ کی خاص عنایات کی جھلک ہے جو حضرت کے قلم کے ہر ہر قدم پر آشکار ہو رہی ہے۔

چمنستانِ وحدت

اس کتاب میں آپ نے باب کی بجائے چمن کا لفظ استعمال کیا ہے جن کی کل تعداد ستائیس (۲۷) ہے اس کتاب میں بھی آپ نے بہت عارفانہ اقوال نقل فرمائے ہیں جو براہین و دلائل سے لیس ہیں۔ آپ نے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے کہ میں نے بعض اصحاب کے اصرار پر ممکن عدم سے چند چمن عالم وجود میں لائے (یعنی ضبط تحریر میں لائے) تاکہ طالبان روزگار اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اسی طرح خاتمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے یہ رسالہ بحکم خیر الناس من ینفع الناس سپرد قلم کیا ہے۔ اسی سے اس کتاب کی عظمت اور اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کس قدر عالم انسانیت کے لئے فائدہ مند ہے اور بلاشبہ حضرت علیہ الرحمہ کے ارشادات کے بموجب یہ کتاب طالبانِ ہدایت کے لئے "چمنستان" کی حیثیت رکھتی ہے جس سے وہ جب چاہیں خوشہ چینی کریں اور اپنے دامن کو اس کے پھولوں سے بھر لیں۔

دیگر تصانیف کی طرح اس تصنیف سے بھی آپ کے تبحر علمی اور عظمت اور بزرگی بدرجہ اتم ظاہر ہوتی ہے "مسائل وحدت" پر اس قدر بسیط تصنیف شاذ ہی کبھی تحریر کی گئی ہے۔ کتاب میں اس قدر بلند و برتر مقامات تحریر فرمائے گئے ہیں کہ جس کا احصاء ممکن نہیں ورنہ یہاں کچھ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

خمسۂ طیبہ

اس کتاب میں آپ نے ائمہ عشر کے عقائد پر شرح و بسط سے بحث فرمائی ہے جو روافض کے عقائد کے خلاف اور اہل سنت والجماعت کے عقائد کے اثبات میں ہے۔ اس میں بارہ ابواب ہیں۔ باب اول میں فرقہ شیعہ اور دیگر بارہ فرقوں کے عقائد مع تنقید تفصیل سے درج ہیں۔ باب دوم ان فرقوں کے مکائد اور طرق اضلال پر مشتمل ہے۔ باب سوم شیعہ فرقہ کے اسلاف اور ان کی معتبر کتابوں کے بیان میں ہے

باب چہارم حدیث ثقلین اور تمسک فریقین پر مبنی ہے۔ باب پنجم انکی مخالفت اور مشاجرات کے بیان میں۔ باب ششم فدک کے بارے میں شیعوں کی جانب سے سوالات اور سنیوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔ باب ہفتم الٰہیات کے بارے میں ہے جن پر سنی و شیعہ فرقوں میں اختلاف ہے۔ باب ہشتم نبوت اور ایمان انبیاء پر فریقین کے اختلاف پر مشتمل ہے۔

باب نہم بحث امامت و خلافت پر مشتمل ہے۔ باب دہم امامت و خلافت کے بارے میں شیعوں کی کتاب و سنت سے نفی پر مبنی ہے۔ باب یازدہم ان احکام فقہ کی تفصیل پر مشتمل ہے گروہ شیعہ خلاف احکام ثقلین عمل کرتے ہیں۔ باب دوازدہم میں حضرت زین الاصحاب عمر فاروق رضؓ۔ جامع القرآن عثمان ذوالنورینؓ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ۔ عشرہ مبشرہ اور دیگر خلفاء کے بیان میں ہے اسکے علاوہ اسمیں فدک اور حدیث قرطاس پر رد و قدح بھی درج ہے۔

دُرّ الدارین فی مناقب غوث الثقلین رضؓ

یہ تصنیف بھی آپکی مایہ ناز تصانیف میں سے ایک ہے۔ ہرچند کہ آپ نے یہ تصنیف ۱۲۳۵ھ میں تحریر کی لیکن اس زمانہ میں کتابت و طباعت کی سہولتیں نہ تھیں جسکے باعث اسکی طباعت ۱۳۰۹ھ میں ہوئی۔ یہ آپکی پہلی تصنیف ہے۔ جو طبع ہوکر منظر عام پر آئی۔

اس کتاب میں ایک مقدمہ دو مقصد اور ایک خاتمہ ہے۔ مقدمۃ الکتاب پانچ وادی پر مشتمل ہے۔ وادی اول دربیان ولادت باسعادت حضرت غوث الثقلین، وادی ثانی دربیان صحت سیادت آنحضرت رضی اللہ عنہ۔ وادی ثالث دربیان بیعت و مہاجرت و خلافت آنحضرت رضی اللہ عنہ۔ وادی رابع دربیان خدمت مجاہدہ و ریاضت آنحضرت رضی اللہ عنہ۔ وادی خامس دربیان استثنائے صحابہ کرامؓ از ولایت مجردہ بقول آنحضرت رضی اللہ عنہ

مقصد اول مناقب غوثیہ مناقب اولیاء پر مشتمل ہے جس میں سو مناقب بیان کئے گئے ہیں اور یہ تین رشحات پر مبنی ہے۔ رشحہ اول درمناقب اولیاء متقدمہ آنحضرت، رشحہ دوم درمناقب اولیاء معاصرہ آنحضرت۔ رشحہ سیوم درمناقب اولیاء متاخرہ آنحضرت

۲۴۸

مقصد ثانی میں اولیاء کبار کی روایات سے کرامات قادریہ نقل کئے گئے ہیں یہ دو سو اڑتالیس

کراموں پر محیط ہے اس میں تین نفحات ہیں۔ نفحہ اول دربیان کرامات آنحضرت از مرویان ماتقدم، نفحہ دوم درکرامات آنحضرت از راویان معاصر، نفحہ سیوم درکرامات آنحضرت از اولیائے ماتاخر۔ خاتمہ تین بادیہ پر مشتمل ہے۔ بادیہ اول دربیان تحصیل علوم آنحضرت۔ بادیہ دوم دربیان مخدرع آنحضرت۔ بادیہ سیوم دربیان مواصلت جبلی آنحضرت بامحبوب حقیقی۔

اسمیں حضرت غوث الاعظم کے مواعظ بھی نقل کئے گئے ہیں جو استعانت کے موضوع پر مبنی ہیں اسکے علاوہ مریدوں، فرزندوں اور خلفاء کے اذکار بھی درج ہیں اس کتاب کے اختتام پر بھی آپ نے ایک نظم خاتمہ رقم فرمائی ہے جو فصیح و بلیغ فارسی میں ہے۔

مورخین اور دیگر مصنفین نے اکثر اس کتاب سے خوشہ چینی کی ہے جس سے اسکی اصلیہ حیثیت کا پتہ چلتا ہے کیوں نہ ہو کہ اس کتاب میں انداز تحریر کچھ اسطرح نیرنگی عقیدت کی ترجمانی کرتا ہے کہ یہ کسی ایک سلسلہ یا طریقہ تک محدود نہیں۔ جہاں اس میں حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانی کے حالات پیدائش سے قبل سے بعد وفات تک ملتے ہیں وہیں دیگر اولیاء کے بھی تفصیلی حالات ملتے ہیں جو آنحضرت رضی اللہ عنہ سے قبل سند مشیخت پر فائز تھے۔ جو آپ کے معاصر تھے اور جو آپ کی وفات کے بعد سجادہ ولایت پر رونق افروز ہوئے۔ اسکے علاوہ حضرت شیخ جیلانی کے مواعظ بھی اس میں جمع کئے گئے ہیں گویا یہ تصنیف ہر رخ سے مکمل اور لائق ستائش ہے۔

جناب مولانا محمد برہان الدین خاں علیہ الرحمہ خلیفہ خاص حضرت سید زادہ علی شاہؒ نے آپ کی اس تصنیف پر شرح لکھی ہے جو "محی الموفق فی شرح درالدارین" کے نام سے موسوم ہے جس میں بہت ہی شرح و بسط کے ساتھ حضور غوث الثقلین کے مراتب اور آپ کے کمالات کو مراتب نبوت اور سنت نبوی سے تقابل کرکے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آپ اپنے جد اعلیٰ کے قدم بقدم تھے اور اسی مورث اعلیٰ کے وارث حقیقی تھے۔

لطائف اللطیف

یہ کتاب مقدمہ اور خاتمہ کے علاوہ چھ لطائف پر مشتمل ہے مقدمۃ الکتاب میں حضرت علیہ الرحمہ نے وجہ تالیف بھی بیان فرمائی ہے۔

لطیفہ اول حضرت سید الابدال سیدنا شاہ عبداللطیف لاابالی کے تفصیلی حالات پر مشتمل ہے حضرت سید الابدال کے پانچ صاحبزادے تھے جن کے احوال بقیہ پانچ لطائف میں مذکور ہیں۔ چنانچہ لطیفہ دوم میں حضرت سیدنا سید عبداللہ قادری، لطیفہ سیوم میں حضرت سیدنا سید شاہ موسیٰ قادری بیجاپوری، لطیفہ چہارم میں حضرت سیدنا سید شاہ پیر شاہ محی الدین ثانی قادری لطیفہ پنجم میں حضرت سیدنا سید شاہ عیسیٰ قادری اور لطیفہ ششم میں حضرت سیدنا سید شاہ علیمی قادری کے احوال مجملاً مرقوم ہیں خاتمہ کتاب میں حضرت سیدنا شیخ علی صاحب کے احوال مذکور ہیں جو حضرت سید الابدال کے خلیفہ کامل تھے۔

سنہ ۱۹۸۱ء میں قبلہ گاہی حضرت مولانا ابوالفضل سید محمود قادری دامت برکاتہم العالیہ نے اس کتاب مستطاب کا بامحاورہ اردو ترجمہ فرمایا اور اسے منظر عام پر پیش کیا جس کے باعث نہ صرف یہ نایاب کتاب محفوظ ہوگئی بلکہ اس کے دامن پر فیض کے زر و گوہر یہ خاص و عام کے معلومات میں اضافہ کا باعث ہوئے۔

دیگر تصانیف

یوں تو حضرت علیہ الرحمہ کی تصانیف کی صحیح تعداد اب بھی نامعلوم ہے لیکن جو کتابیں مشہور ہوئیں حسب ذیل ہیں۔

۱۷۔ کشف المثنوی (شرح مثنوی حضرت مولانا روم جو چھ جلدوں پر مشتمل تھی) ۱۸۔ انتخاب المورخین ۱۹۔ لوامع فی شرح لوائح ۲۰۔ خمسہ قادریہ ۲۱۔ مشاغل قادریہ ۲۲۔ کفائت الفضائل ۲۳۔ رسالہ علم تجوید ۲۴۔ خلاصہ در علوم فقہ ۲۵۔ دیوان ہندی اور ۲۶۔ دیوان فارسی

مندرجہ بالا تصانیف کے منجملہ صرف دو کتابیں یعنی رسالہ و علم تجوید اور خلاصہ علم فقہ محفوظ ہیں جو حضرت وحید العصر سید وحید پاشاہ قادری الموسوی کی قلمی بیاض میں منقول ہیں یہ رسالہ علم تجوید فارسی میں خلاصہ در علم فقہ عربی میں تحریر کئے گئے ہیں۔ اسکے علاوہ تقریباً دیگر آٹھ کتابیں دستبرد زمانہ کی نذر ہوگئیں۔

الغرض مندرجہ بالا تفصیل سے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ حضرت سید شاہ غلام علی قادری کی ذات قدسی صفات جامع الصفات والکمالات تھی اور آپ کا آپ کے معاصرین میں عموماً اور خاندان موسویہ میں خصوصاً کوئی ثانی نہیں ہوا اور نہ کسی نے اتنی تصانیف تحریر کیں ۔

حضرت کی کرامات

جب ایک فرد راہِ صدق میں مجاہدہ، ریاضت و مکاشفہ میں مصروف ہو جاتا ہے اور علوم ظاہری و باطنی سے متصف ہو کر ان پر عمل پیرا ہو جاتا ہے تو ہر وہ شخص جو ایسے فرد سے وابستگی اختیار کرے مرتبہ کمال اور منزل عرفان تک پہونچ جاتا ہے ارشاد باری بھی ہے کہ جو ہماری راہ میں جد و جہد کرتا ہے ہم اسکے لئے راستے کھول دیتے ہیں ۔ اس ارشاد کے مطابق ایسے سالک راہ کے نہ صرف بلند کر دئے جاتے ہیں بلکہ اس کو صاحب قدرت تصرف بنادیا جاتا ہے کہ وہ جو چاہے جب چاہے اور جس طرح چاہے باذن اللہ ایسے محیر العقول کارنامے سر انجام دیتا ہے جو دوسروں کو قوت و طاقت سے بالاتر ہیں ۔ یہ وہ مقام انس ہے جو عجائبات کو حقیقت سے ممکن نہیں اصطلاحات میں ان مافوق العادات کے شمول کو ہی حرف عام میں کرامات کہا جاتا ہے۔

حضرت سید شاہ غلام علی قادری سے اس درجہ کمال پر ہونے کے بعد جو کرامات ظاہر ہوئیں وہ بے شمار ہیں ۔ ان کی تفصیل کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے ۔ دو کرامتیں محبوب ذوالمنن، تذکرہ اولیائے دکن سے یہاں بمصداق مشتے نمونہ از خروارے دو کرامات نقل کی جاتی ہیں ۔

ایک شخص شراب خوری کا عادی تھا کسی نے اسے اس شغل سے باز رہنے کی تاکید کی اور عذاب آخرت کا خوف دلایا اور کسی پیر طریقت کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا مشورہ دیا۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے بیعت میں تامل نہیں لیکن ایسے شیخ کے ہاتھ پر بیعت کروں گا جو اسکو مسکرات سے منع نہ کرے مشورہ دینے والے نے حضرت غلام علی شاہ سے رجوع ہونے کا مشورہ دیا ۔ حسب مشورہ وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض حال کی ۔ حضرت نے اسکو مسکرات کی بدیں شرط اجازت دی کہ وہ حضرت کی موجودگی میں مسکرات کے استعمال سے باز رہے وہ اس شرط پر راضی ہو گیا حضرت سے بیعت ارادت سے سرفراز ہونے کے بعد گھر جا رہا تھا کہ راستے میں سیندھی خانہ میں اسکے دوست نظر آئے انہوں نے اس سے یہ صورت حال سنی تو کہا یہاں تو حضرت نہیں

آسکتے۔ اندر گوشے میں بیٹھ کر تھوڑی پی لو۔ یہ بات اس کے ذہن میں آگئی اس نے پیالہ بھرا اور ابھی پینے کا ارادہ بھی نہ کیا تھا کہ حضرت کی شبیہ مبارک اس کے سامنے نظر آئی اس نے پیالہ پھینک دیا اور اسکے بعد شراب سے توبہ کر لی۔

جب ۱۲۵۸ھ میں شہر حیدر آباد میں کثیر تعداد میں لوگ وبا کے شکار ہوئے تو حکیم اکبر حسین کی ہمشیرہ بھی اس مرض سے علیل ہو گئیں۔ علاج کی کوئی صورت نہ تھی۔ انہوں نے اپنے رشتہ دار سے کہا کہ مجھکو حضرت غلام علی شاہ صاحب کا مرید کرا دو ایسا نہ ہو کہ میں بغیر بیعت ہی اس دار فانی سے رخصت ہو جاؤں۔ غرض ان کو آپ سے بیعت لی۔ حضرت نے کہا کہ اسکو عروسانہ لباس پہناؤ کہ یہ عنقریب دلہن بنے گی۔ حسب ارشاد ۲۶ر جمادی الاول ۱۲۵۸ھ کو وہ حکیم غلام حسین خاں مولف گلزار آصفی کے حبالۂ عقد میں آئیں۔

پہلی کرامت پر نظر غور کریں تو پتہ چلے گا کہ کرامت برائے اظہار کرامت نہ تھی فاسق و بدکردار کی ہدایت مقصود تھی جب آپ نے یہ محسوس کیا کہ وہ شخص مسکرات کا اتنا خوگر ہو گیا ہے کہ بیعت بھی کرنا چاہتا ہے مگر مے نوشی کو چھوڑنا نہیں چاہتا تو آپ نے اسکو اسکی اجازت مذکورہ بالا شرط سے دیدی یہ شرط ایسی تھی کہ جس پر وہ فوراً تیار ہو گیا لیکن جب پیالہ کی جانب ہاتھ بڑھایا تو حضرت اس کی نظروں کے سامنے جلوہ گر ہو گئے اور بالآخر اس نے اس لعنت سے توبہ حاصل کی۔ یہاں آپ نے مریدین کی تربیت میں رشد کا اظہار فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ اپنی صلاحیت کا بھی سکہ جما دیا۔ دوسری کرامت پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ آپ نے اپنے نور باطن سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ مریضہ نہ صرف شفایاب ہوگی بلکہ اسکے بعد اس کا بیاہ بھی ہوگا۔ ایک ایسے وقت جبکہ امید و یاس میں تبدیل ہو چکی تھی آپ سے نسبت اور وابستگی سے ناامیدی میں امید کی کرن نمودار ہو گئی کفن کے بجائے لباس عروسی نصیب ہوا۔

وفات حسرت آیات

آپ کی وفات ۲۶ر جمادی الاول ۱۲۵۸ھ کو (۸۰) سال کی عمر میں واقع ہوئی۔ نماز جنازہ مکہ مسجد میں جماعت کثیر کے ساتھ ادا کی گئی جن میں مریدین اور معتقدین کے علاوہ تمام خواص و عوام شامل تھے۔ پرانا پل حیدر آباد میں آپ کے والد بزرگوار حضرت سید شاہ موسیٰ قادری اور جد اعلیٰ حضرت سید شاہ پیر محی الدین ثانی قادری کے روضہ مبارکہ میں مدفون ہوئے۔

آپ کا علم اور آپ کی علمی مشیخت آپ کی تصانیف سے ظاہر ہے جو آج بھی فیض عام کی حیثیت رکھتی ہے آپ کا فیض جاری دیکھ کر بے ساختہ آپ کے جد اعلیٰ حضرت محبوب سبحانی میراں محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا شعر لب پہ آتا ہے اور ایسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ اسی شعر کا اثر ہے کہ آج بھی آپ کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔

افلت شموس الاولین وشمسنا
ابداً علی افق العلیٰ لا تغرب

حضرت کا ذکر کتب متفرقہ میں

قبل ازیں جزو مضمون کی حیثیت سے مختلف کتابوں کا چیدہ چیدہ تذکرہ ہوا جن میں حضرت سید شاہ غلام علی قادری الموسوی رح کا ذکر شریف مرقوم ہے اب ان تمام کتابوں کے مضامین لفظ بلفظ نقل کئے جاتے ہیں اس سلسلہ کی پہلی کڑی حضرت پیر برہان الدین صاحب کا تحریر کردہ وہ دیباچہ ہے جو انہوں نے حضرت علیہ الرحمہ کی تصنیف "درالدارین" پر رقم فرمایا تھا اور جس میں حضرت علیہ الرحمہ کا تذکرہ حضرت مذکور نے نہایت خوش بیانی و بہترین انداز تحریر سے کیا ہے چنانچہ "درالدارین" کے صفحہ ۷ تا ۱۱ پر جو عبارت مرقوم ہے وہ یہاں حرف بہ حرف نقل کیجاتی ہے :-

" از تالیف سراپا التشریف ان ہمائے روح سعادت و شرافت و عنقائے فقر آشیان شیوخیت و قناعت، بادشاہ بے نیازی کلاہ، و سادہ آرائے بارگاہ رازالہ، رہنمائے حقیقت معارف آگاہان، و پیشوائے طریقت سلوک نمایاں، دلیل اہل صوفیان صفاکیش، ہادی عارفان وحید اندیش، قطب دائرۂ نہ طبقی، مدار سفت صفت بے چونی، نہنگ قلزم راز طاؤس ریحان راز عروج، پرواز کوکب فلک اجلال، نیر رفعت جمال، عارف کامل، کریم دریادل، سالک شاغل، غواص بحر استغراق، شناور ابحار عماق، اطلاق عالم کامل، کاسب کثیر حاصل، غنی الطبع باذل، خلیق موم دل، جہبر بہ وسعت یکتائی، ببر میدان لا الا نہائی، فقیہ شریعت غرائے مصطفوی، محقق و لایت والائے مرتضوی حضرت سید علی الموسوی القادری ادام اللہ ظلہ العالی

نظم

آں شان غلام علی عارف — خورشید حقیقت و معارف
نور اسرار پیشوایان — سر دفتر جملہ رہنمایان

گنجینۂ راز لایزالی ممتاز مشائخ کمالی
چون جام جہان نما ضمیرش جم قدر زیں زماں فقیرش
از خرقہ او بخرق رشتہ عرفاں دارد از و سرشتہ
دریائے بلا سواحل دید شہباز بلند سیر تفرید

ہرگاہ خامہ بہ فہم نالیش بوسع قرطاس از پائے تحریر رواں ساختہ ایم۔ کفدست عطارد زیر مشق است و ہرجا لفظ وصفش باعتبار محبت نوشتہ ایم، خورشید نقطۂ ناخنِ عشق آداب حقوق ثنائش را باقامت اعتقاد بہ بیان نہ نسبتے و اضعت کہ آثار عقیدت بجہاں باقی ست۔ مانند ہلال سر تسلیم خم نکند و بندگی لوازم صفاتش را بسر عبدیت آں ناتواں نہ دستار زیستی کہ تا تاج رسوخ بفوق عالم است، گردن کورنش دوتا نماند۔ اگر از کمالش مقدمہ آرائم لا احصی ثناء ثانی اوست وگر مفضلش موضوع سازیم انت کما اثنیت محمول او۔ الحق کہ دریں آباد عالم حق اہل حق عین حق آمد و در تمیز آباد جہاں امتیاز بصفت مطلق مطابق مثنوی ؎

سیادت مفتخر از خلقت او بزرگی شادماں از عزت او
دو چشمانش چراغ بزم یکتا دلش آئینۂ تمثال مولا
بساط فقر از و در شادمانی حضور سینہ اش سرّ نہانی
جمال عشق تصویر جمالش شدہ مفتوں کمال از حال و قالش
گل رعنائے باغ قادریہ رحیق است ایں ایاغ قادریہ

تصنیفات آنجناب ہر یک صحیفہ است از سینۂ فیض گنجور و الایش پرتو نور فیض عرفاں انداختہ و تالیفات آنحضرت کالوائحیست کہ بالہام لاریبی سر بطون معرفتش رو بظہور ارشاد آوردہ باوجود ایں کمالات آئینہ اعتماد عبدیتش زنگ کثافت دوئی را آں قدر نہ دور ساختہ کہ روش تر از خورشیدش نگویم و شمشیر تہور رشحات عشقش چنداں نہ جوہر اصالت معرفت بزنگ صولت حقیقت درخشاندہ کہ لامع تر از برقش نہ انگاریم باوصف ادائے سنت سنیہ آں سرور عالم صلعم در گلستان تجرید فائق از جلوہ سرو آزاد است و بکمال سرّ راز در ارتباط ارشاد تفرید مرشدان آفاق را استاد۔

نظم

رحیق دید موّاج است از مینائے اسرارش
بوجدآن وجد حاصل میشود از رمز گفتارش
نگاهِ پاکبازاں فرش راه پائے تحقیقش
خیال تیز فہماں مرأۃ دیوار دربارش
فصاحت راز حسنِ گفتگویش لطف افزاید
بلاغت محو تقریرش بصیرت مست دیدارش
ز طور موسوی روشن زیاده سینه اش دیدم
که نور احمدی اجداد او دادند هر بارش
زہے شاغل، زہے کاسب، زہے ذاکر مشغولی
که دارد صورت معنی بهر یک رنگ اظهارش
نه چوں سبقت برد بر عارفانِ عصر خود یہاں
جناب سیدی الموسوی کرده خبردارش

اکثر اتفاق نشست آنجناب بروضتین شریفین حضرت محی الدین الثانی القادری المعروف حضرت پیر شاه قدس سرهٗ و حضرت سید شاه موسیٰ قادری که جد امجد و والد ماجد آنجناب فیضیاب اند میشود۔ فی الحقیقت آثار آں روضتین نمونه ایست از فردوس برین که صد گل مراد از نسیم عنایت آں ہر دو ولی کامل طره زینت دستار حاجتمنداں جبیں فرسایان آں آستان میگردد و فی المثل پرتو انوار آں دو حریم آں موجِ ظلّ عرش عظیم است که شرار آں شمع مقاصد بسبب نور سرا پا آتش ساخت تبرم آرزوئے مراد خواہاں را ملتو میسازد و عیاران شط تمنا را کشتیان صحن دریاشن آں پروردگار بساحل نجات میرساند و میکشان خمخانه وحدت را جام ہائے کمالیت آنجا اش رحیق تر توفیق سقاهم ربهم شرابا طهورا فی نوشانند۔ قطعات مرقومات در و دیوارش نقطه جبیں دانهٔ خال و خط مهوشان و دائرت مداورت طغرائے اسقف و سطحش حرف گیر سر لوح نقش چپان فانی آں خط و دائر در چشم نقشبنداں اسم ذاتی از سواد دیده بر رخ شناسان صنعت صفاتی بر وصلی پردهٔ چشم رضوان بکلک قدرت سبحان جلوه منظوم

می افزاید صفائے تماثیلش مصفا تر از دل ہائے روشن ضمیران و ضیائے چراغانش بہ نور تر
از ثوابت آسمان او اقبالش محراب عبادت را تعلیم رکوع می آموزد و ستون ہائے سقفش
عابدان مساجد را بالائے قیام راست می افزاید از حسرت سنگ سیاہ آن روضه سویدائے
دل عاشقان خون شد و از رشک سواد کاری حجر آسودان رنگ اسود از چادر سیاہ
شیوں تاثیر آن از جاروب سر خود خاک روبی آستان نکند لاف بلشکی در میدان
اسباعت نمی زنند تا شہپر ان خاک آن صحن را شقه جبین ادب نسازند در معرکه
پنجه زنی سر بلند نمی شوند ہموارہ در ہائے آن ہر دو درگاہ مانند چشم دیدبازان در مشاہدہ
شاہد معنوی باز و مدام۔ اشجار آن روضه مانند سہی قدان تعظیم۔ خیزان باستقبال ارواح
اولیاء کبار روان و لایت از حرکت نہانی د مسازند متصل دروازہ دلی از شہر حیدر آباد فرخندہ
بنیاد آن روضه طرفه رحمت الہیت که علی الدوام مستعد اجرائے مرام خواص و عوام
نزدیک فصیل جوئے موسیٰ ازان بلدہ آباد آبادی گنبد موسوی عجب ظل صمدی ست
که ہمیشه مدام اقتضائے کام انام بازوئے شه راہ از درگاہ آن ہر دو شہنشاہ کمانیست
تو تیار که از سر افعتش روئے قوس قزح نیلگون زاد روئے حسرت و اسہام کام انام
ہموارہ متعلق گوشه رواق مرتبت چله نشینان زاویه قناعت بر زینه اش قامت
اعتقاد به تسلیم استلام چون کمان خم می سازند و تیر اندازان گوشه خلوت در زیر
سایه اش بالائے رسوخ از سر بندگی قربان وار قربان میکند ؎

نظم

روضه است این یا بہشت و خلد و فردوس برین
یا فلک یا عرش یا کرسی ست از نور یقین
یا نجف یا کربلا یا کعبه یا بغداد ست
یا بروئے ارض خود بیت المقدس شد ہمین
گنبد است این آسمان یا طور نور موسوی
یا فلک دیگر شدہ پیدا بروئے این زمین
دیدہ از نظارہ اش حاصل کند معراج اوج

دل ز فیض سنگ بالش میشود لعل نگین
می سزد بر قبه اش سیم جای زرکاری تمام
روشنی دیده را اگر حل نماید حور عین
خاک آن درگه اگر کحل البصر سازد کسی
بیند آن از چشم خود عین الیقین حق الیقین

در همچنین بقعهٔ فردوس قطعه حضرت سید شاه غلام علی صاحب موسوی القادری سجادهٔ فقر را رونق جلوس خود می بخشند درین چنین جای سراپا عطای آن مخدوم موصوف و شادهٔ درویشی را زیب مجلس خویش می افزایند به تاج آن آن سرتاج صوفیان گوهر فقر را ناگزیر ایثار شدن عقیدت و بر دستار کاهو رنگ آن سردار عارفان لعل مرجان بکمال لاعلاج پنجه تسلیم عبدیت تا روغن توحیدش فتیله کثرت را غذای ارشاد رساندی حاشا که چراغ وحدت بزم جهان روشن نگشتی — و تا آب تصوفش نخلستان تعینات را در خیابان تربیت آبیاری تلقین نه فرمودی زنهار گل عینیت بتماشای عالم مجاز رنگ حقیقت نه بستی تا ز سکوت صفای تمکنت حال او آئینه ادراک جهان محو حیرت تصویر ارشاده از کلام منقار رشید قفس ادب و اعتقاد خیال دلش هرچند علم نور افرازند خود نشسته را جز پیمودن آن چاره نیست و معرفت بیرنگ هش بمقامیکه الاسماء هم واحدیت لکاخ وحدت ترقی می نماید بکحل ما زاغ را جز کحل دیده بصیرتش علاج نه بسکه ذات قدسی آیاتش بجمال صورت و کمال معنی و کثرت کرامت و فر ریاضت و حسن فصاحت و خوبی بلاغت و فضیلت عرفان و تحصیل راز نهان و نهایت تنزیهات و نهایت خرق عادات و جلالت صبر و رفعت قدر و اختیار قناعت و ادای عبادت و پیروی شریعت و استغراق حقیقت و حقوق طبیعت و سلوک طریقت و خلوص لطافت و رسائی ذکاوت و زیبائش پیرهن فقر و جلوه تجلی طاعات واجه و عطای مطلق و برزخ جامع حق و تشریح و غطاء بیان تبیین حدیث نهان و عیان و تالیف کتب کثیر حقائق و تصریح کهنه دقائق و حفظ اخبار انبیاء و یاد تذکره اولیاء موصوف و معروف جهان و جهانیان و معروف و مشهور عالم و عالمیان سه

خداوندا بفرق ہر تو ابر دائماً باشد
مبارک سایۂ سید علی الموسوی ما
نہنگ قلزم وحدت ہژبر بیشۂ عرفانی
دلیل معرفت ہادی براہ معنوی ما

۲۔ سید محمد علی قادری عاشق اپنی تصنیف "ریاض المعانی فی معرفۃ اولاد شیخ عبد القادر جیلانی" میں حضرت علیہ الرحمہ کے متعلق رقمطراز ہیں:۔

باید دانست کہ حضرت جناب سید شاہ موسیٰ صاحب قادری قدس سرہٗ را از اولاد امجاد یک دختر و پنج پسر بودند۔ دختر مسماۃ بامتہ الفاطمہ کہ بزرگ ترین از ہمہ پسران بودند لاولد ازیں جہاں فانی رخت حیات بہ ملک جاودانی بربست۔ و پسران حضرت سید علی القادری الموسوی عرف غلام علی شاہ صاحب و حضرت قادر بادشاہ صاحب قادری و حضرت حسن بادشاہ صاحب قادری و حضرت حسینی بادشاہ صاحب قادری و حضرت غلام قاسم صاحب قادری ہمہ بفحوائے الولد سر لابیہ قدم بقدم آبائے کرام و اجداد عظام خود گشتند و علوم ظواہر و بواطن را از بزرگان خود تحصیل ساختہ سرآمد روزگار شدند و در وجاہت صورت و حسن سیرت و فضل و کمال صوری و جاہ و جلال معنوی و خلق و حلم و عمل و علم و فرط ریاضت و تقویٰ و طہارت و زہد و عبادت و تحفظ شریعت و طریقۂ طریقت و حصول ایقان و وصول عرفان و تسلیم و توکل و صدق و تحمل و قناعت و افتقار ذلت و مجاہدات نفس و مکاشفات غیب و مراقبہ اسرار دل و مشاہدہ شاہدہ لاریب و آئین قبض و بسط و شیوۂ عروج و نزول انقطاع و وساوس ماسوی اللہ و طیٔ طریق الی اللہ و شناسائے مقامات اوج و معرفت منازل فتوح و نظر در قدم ہوش بردم و تشئین ظاہری و تحشم نظری و گوہر سبقت از امثال و اقران خود بود۔ کسے عدیل و سہیم ایشاں نبود۔ اکثر سیاحان ربع مسکون و قدم فرسایان کوہ و ہاموں بمشاہدہ تجمل جلال و حسن مقال آں برگزیدگان ایزد متعال میگفتند کہ چنیں مشائخ بہ حسن و جمال و تشئین کمال در ہمہ آفاق ہرگز نہ دیدہ ایم۔ غرض از ہمہ ذات بابرکات خود مسند مشیخت را زیب و زینت دادند و مسند پیری و مریدی را رونق دیگر بخشیدند و در ملک دکن

از ہمہ مشائخ معزز و مکرم و در چشم خاص و عام عزیز و محترم اکثر امراء و وزرائے ایں شہر و دیار بہ تقبیل آستان فیض نشان ایشاں قدم از فرق ساختہ می شتافتند و اگر احیاناً بر در دولت کسے ارکان و اعیان قدم رنجہ می فرمودند بکمال خشوع و خضوع باستقبال می شتافتند بر مسند عزت خود می نشانند و خود چوں خادمان دست بستہ روبرو باادب تمام می نشستند بزرگ ترین ایشاں سید غلام علی قادری الموسوی عرف سید غلام علی شاہ قدس سرہٗ بودند۔

حضرت محمد علی قادری عاشق نے حضرت غلام علی شاہ صاحب کی مدح میں ایک مثنوی بھی رقم کی تھی جو حسب ذیل ہے۔

جانِ جسم مصطفےٰ و مرتضیٰ   نورِ چشم حضرت آلِ عبا
محرم رازِ حق و روشن ضمیر   ہم ز پا افتادگاں را دستگیر
گوہر ارزندۂ برج صفا   اخترِ تابندہ برج صفا
ہم کرامت چاکر دربار او   ہم ولایت نوکر سرکار او
ہر کہ در عالم مرید با صفات   دست او گیرد کہ آں دستِ خدا است
آفتاب آسمان سروری   افتخار خاندان قادری
عالمے از ذات او مطلوب شد   زادۂ محبوب ہم محبوب شد
گشت او از فضل خاص کبریا   زبدۂ اولاد شاہ اولیاء
حکم او بر جملہ اشیا قادر است   زانکہ آں اولاد عبد القادر است
زیں سبب خواہند دائم از خدا   پائے بر فرق جمیع اولیاء
ہر کہ او جام کیف او نوش کرد   از دو عالم خویش را بے ہوش کرد
ہر کہ جامے از کفِ او در کشید   مست عرفاں گشتہ ہمچو بایزید
شد عیاں از دست او لاریب فیہ   معنیٔ الولد سر ابیہ
ہم ز دست بیعت او اندر جہاں   شد ید اللہ فوق ایدیہم عیاں
خلق را از خلق او خوشبو بود   خلق او چوں مشک از آہو بود

عاشقا نعلین او تاج من است

خاکِ پائیش فخر معراج من است

۳۔ تاریخ "گلزار آصفیہ" میں حکیم غلام حسین خانصاحب آپکے متعلق لکھتے ہیں:۔

"وہمین بود خلافت و ہدایت حضرت سید شاہ موسیٰ قادری اند۔ زبان را طاقت تقریر و قلم را قوت تحریر اوصاف حمیدہ و اخلاق پسندیدۂ آں برگزیدہ حق نیست۔ فرشتہ کریم بود کہ در ہیکل بشری بوجود آمدہ برائے ہدایت خلق اللہ جلوہ آرائے مسند ارشاد و کرامات گردید۔ عابد زاہد تہجد گذار، تقویٰ و طہارت آنحضرت را نہایتے نبود و ہزارہا خلق اللہ مرید و معتقد تمام بودند، محلات پر نور اکثر مرید آنجناب اند۔ بالائے قبر شریف والد ماجد خود گنبد عالیشان بکمال خوبصورتی بنہایت خلوص دلی تعمیر در آمدہ اند و گاہے پا از سجادہ خود بیرون نگذاشتند۔ مدتے از عارضہ ضعف قویٰ و مفاصل طاقت رفتار کم ماندہ بود۔ بالائے تخت چوبی شبانہ روز تشریف داشتہ نماز پنجگانہ ادا میفرمودند۔ تاریخ بست و ششم ماہ جمادی الاولیٰ سنہ یکہزار و دوصد پنجاہ و ہشت ہجری از دار فانی بفردوس بریں تشریف بردند۔ خلقت خدا از پیر و جوان و مرد و امیر و فقیر بے حساب ہمراہ جنازۂ آنحضرت گریہ کناں از مکان آنحضرت تا بمکہ مسجد امراء و فقراء ہمہ شریک نماز شدہ تا بروضہ والد ماجد رسانیدہ متصل گنبد عالیشان مدفون ساختند۔ از برادران آنحضرت حسینی بادشاہ صاحب و شاہ غلام قاسم صاحب شرائط خدمت تجہیز و تکفین بجا آوردند۔ از حضور پر نور بندگان عالی ناصر الدولہ بہادر دام اقبالہ برائے اخراجات فاتحہ مرحوم و مغفور مبلغ چہار ہزار روپیہ و مرشد زادی صاحبہ حضرت جمال النساء بیگم کہ مرید بودند دو ہزار روپیہ و علیٰ ہذا القیاس از اقربائے حضور و از امیران سرکار خیر القدر معتقد و نذرہا ارسال آوردند۔

"گلزار آصفیہ" میں بھی وہی دو کرامات منقول ہیں جن کا ذکر اس سے قبل گذر چکا ہے اسلئے ان کو چھوڑ کر اسکے بعد حکیم غلام حسین خاں، حضرت شاہ غلام قاسم کے ذکر سے جو اس بیان کو جاری رکھتے ہیں درج کیا جاتا ہے۔

" و علیٰ ہذا القیاس خرق عادات بے شمار از آنحضرت بظہور آمدہ اند اما حضرت شاہ قاسم صاحب از کمال اعتقاد آنچیکہ حق خدمت والدین باشند بجناب آنحضرت یعنی در خدمت

برادر بزرگ خود بجا آوردند و داماد آنحضرت فرزند حسینی بادشاہ صاحب را بجائے آنحضرت بر مسند خلافت نشانیدہ خود بآں بزرگی و عالی منصبی خدمت گذاری میفرمایند و نیز اخراجات عرسہا و خود و لنگرہائے شبانہ روز مریدان کہ قریب یکصد کس از زن و مرد شمردہ می آیند بذمہ خویش گرفتہ اند و دریں ولا در تیاری عمارت روضہ شریف آنحضرت مشغول اند۔ مکان و دروازہ کلان درگاہ شریف مع خانقاہ ہمہ از محدثات آنحضرت است زبان را طاقت اظہار بر خصائل ستودہ و اخلاق حمیدہ حضرت شاہ غلام قاسم صاحب نیست کہ بجمیع صفات بزرگانہ موصوف اند۔ غلام محی الدین خاں بہادر منصبدار سرکار کہ بہ علوم عقلی و نقلی یکتائے روزگار و در فن شعر و خوشنویسی فرد فرید عصر خود اند تاریخ رحلت آنحضرت کہ بنام نامی اش مناسبت دارد "غلام علی ولی" گفتہ گذرانیدند۔

۱۲۵۸ھ

۴۔ محبوب ذو المنن فی تذکرہ اولیائے دکن میں جناب عبد الجبار خاں ملکاپوری نے بھی حضرت کا تذکرہ کیا ہے جو حسب ذیل ہے۔

"حضرت سید غلام علی قادری حضرت سید شاہ موسیٰ قادری کے بڑے صاحبزادے ہیں آپ کے نسب کا سلسلہ حضرت غوث الاعظم قدس سرہٗ تک پہونچتا ہے آپ نے سن شعور و تمیز کے بعد شہر کے علماء فضلا سے علوم و فنون حاصل کئے لیاقت و استعداد کامل کے بعد اپنے آباء کرام کی طرح علوم باطنی اور معارف معنوی کی طرف متوجہ ہوئے والد ماجد وغیرہ بزرگان مشائخ کی خدمت میں ریاضت و محنت سے کمال حاصل کیا علوم صوری و معنوی سے کامل ہوئے۔ فضائل و کمالات انسانی و صفات و کرامات روحانی سے تھے آپ انسان کامل کے مصداق اور صوفی و عارف بے نظیر تھے اوصاف حمیدہ سے آراستہ و اخلاق پسندیدہ سے پیراستہ تھے۔ والد ماجد کی رحلت کے بعد سجادہ نشین ہوئے والد ماجد سے آپکو بیعت و خلافت حاصل ہوئی تھی۔ آپ نے رمز آگاہی کی خدمت میں بھی فیض پایا ہے سجادہ نشینی کے بعد آپ نے خلائق کو ہدایت و ارشاد سے سرفراز فرمایا۔ ہزارہا خلق اللہ آپ کے مرید تھے خوارق عادات و صاحب کرامات تھے۔ مدت العمر گوشہ نشین رہے۔ خانقاہ سے کبھی باہر قدم نہ رکھا۔ ضعیف قویٰ و امراض مفاصل کی وجہ سے چلنے پھرنے کی طاقت نہ تھی۔ رات دن چوبی تخت پر بیٹھے رہتے تھے نماز پنجگانہ تا مرگ قضا

قضا ادا نہ کی۔ اوقات عزیز یاد الٰہی میں بسر کرتے تھے۔ مہمان دوست اور مسافر نواز تھے۔ آپ کی خانقاہ مسافروں کے لئے مسافر خانہ تھی واردین و صادرین کے ساتھ بڑی ہمدردی و مساعدت فرماتے تھے۔ غربا کی حاجت روائی میں جان و مال سے دریغ نہ کرتے تھے۔ خانقاہ کے مسافرین کو پہلے کھانا کھلانے کے بعد میں حاضرین کو بمقدار اسرار حق دکھلاتے تھے۔ شہر کے خاص و عام آپ سے حسن عقیدت رکھتے تھے۔ حضور پر نور کی اکثر محلات آپ کی مرید تھیں۔ آپ نے والد ماجد کی قبر پر پختہ گنبد تعمیر کروائی آپ کی خرق عادات و کرامات کی بے شمار تفصیلیں مشہور ہیں۔"

اس کے بعد وہی دو کرامات مذکورہ منقول ہیں جو یہاں ترک کیجاتی ہیں۔

۵۔ تاریخ "خورشید جاہی" میں غلام امام خانصاحب تحریر کرتے ہیں :-

" اولاد حضرت پیر دستگیر قطب الاقطاب محی الدین محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد میں بہت سے صاحب تصرف ہوئے ہیں۔ خصوصاً حضرت پیر شاہ محی الدین ثانی قدس سرہٗ اور حضرت سید موسیٰ صاحب قادری قدس سرہٗ۔ حضرت موسیٰ صاحب قبلہ قادری کے چار فرزند تھے۔ غلام علی شاہ صاحب قادری قدس سرہٗ جانشین و سجادہ خلافت راقم پر بہت عنایت رکھتے تھے۔ فدوی نے بیعت کی تھی اور ایک مثنوی حسب الارشاد جناب مریم و عیسیٰ علیہما السلام کے احوال میں تصنیف کر کے گذرانی تھی۔ آپ کو اول جانشینی حضرت قبلہ گاہی نامنظور تھی بعد اصرار برادران و جملہ اہل اخوت و مریدین کے اس عہد پر کہ "یہ شہر اہل دول ہے میں ارباب امارت کے گھر نہ جاؤں گا۔ تم صاحب لوگ انہیں ناخوش ہونے نہ دینا رضامند رکھنا" قبول فرمایا۔"

۶۔ حضرت سید شاہ درویش محی الدین قادری اپنی تالیف "افضل الکرامات" میں رقمطراز ہیں کہ حضرت سید شاہ افضل بیابانی کو حضرت سید شاہ غلام علی قادری الموسوی سے کس قدر موانست اور کیسی نسبت تھی۔ چنانچہ مولف "افضل الکرامات" کے الفاظ میں :-

" اس دوران آپ کو ذوق و شوق قلبی نے عبادت و مجاہدہ کی سمت کھینچا حسن اتفاق اس نوبت پر آپ کے رشتہ کے چچا حضرت سید شاہ غلام علی قادری الموسوی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض صحبت اور رہبری حاصل ہو گئی۔ راہ ہموار اور منزل آسان ہو گئی ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اس زمانہ میں اکثر حضرت سید شاہ غلام علی صاحب قادری الموسوی کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا کرتا تھا ایک روز آپ آرام فرما رہے تھے اور میں آپ کے پاؤں دبا رہا تھا۔ حضرت قدس سرہٗ کا قلب مبارک

جذبۂ نیاز مندی سے مملو تھا اور حضرت سید شاہ غلام علی صاحب قبلہ مشغول ناز حالت نوم میں تھے میں غم دل گو تم تو ہیچیاں مشغول ناز لیکن حضرت کی نیند بھی تو نیند نہ تھی بلکہ عبادت تھی۔ "عالم کی نیند عبادت ہے" (حضرت عارف رضؓ فرماتے ہیں کہ نوم العالم عبادۃ) حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حالت نوم میں آپ کا قلب مبارک ذکر کلمہ طیبہ سے جاری ہے کسی عارف کا ارشاد ہے کہ "دنیا میں اپنے بدن سے رہو اور عاقبت میں اپنے قلب سے۔ (کن فی الدنیا ببدنك و فی الآخرۃ قلبك) حضرت ابوبکر کتانی کے احوال میں (جو حضرت جنید کے صحابی تھے) حضرت شیخ ابوالخیر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ جب ابوبکر کتانی سوتے تھے تو ان کے سینہ میں قرآن شریف کے پڑھنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ (نفحات ص۱)

بہرحال جب حضرت نے آنکھ کھولی تو حضرت اقدس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت کا طواف کیا اور دست بستہ کھڑا ہو گیا ؎ تو بہ نازے عجبے من بہ نیاز عجبے۔ حضرت نے پوچھا تم نے کچھ دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں دیکھا ہے۔ حضرت کا قلب شریف بعالم نوم ذکر کلمہ طیبہ سے جاری تھا حضرت مسرور ہو گئے اور یہ دعا ارشاد فرمائی "الٰہی جیسا میرا حال ہے اس کا حال بھی ویسا ہی فرما" اسکے ساتھ ذکر کلمہ طیبہ کی تلقین کی۔ حضرت ممدوح کی دعا شریف کا یہ اثر ہوا کہ ؎

حضرت من ہمہ او شد صفت من ہمہ او

حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ منجملہ علو شان حضرت سید شاہ غلام علی شاہ صاحب قبلہ یہ بات تھی کہ رات میں ایک بار حضرت خضر علیہ السلام آپ کی ملاقات کو آیا کرتے تھے اسی طرح آپکی ریاضت کا یہ حال تھا کہ سالہا سال آپ نے کبھی آرام نہیں فرمایا۔ حضرت قدس سرہٗ آپکی خدمت میں کم و بیش (۳۰) سال رہے۔

۷۔ قبلہ گاہی حضرت مولانا ابوالفضل محمد سید محمود قادری ادام اللہ ظلہٗ "کلام عارف" و تذکرہ اجداد عارف" میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت نے (سید موسیٰ قادری) اپنے فرزند اکبر سید شاہ غلام علی قادری کو اپنے وصال سے بہت عرصہ قبل خرقۂ خلافت اور بیعت سے سرفراز فرمایا اور اپنا جانشین بنا دیا تھا اور حقیقی معنوں میں یہ اپنے پدر بزرگوار کے جانشین تھے خاندان موسوی میں وہ اک آفتاب کی حیثیت رکھتے تھے جکی شعاعوں سے سینکڑوں قلوب نے روشنی حاصل کی۔ ہندوستان کے مشہور و معروف شاعر

نصیرؔ دہلوی آپ کی توصیف میں نغمہ طراز ہیں۔ آپ ایک زبردست صوفی اور پیر طریقت ہونے کے علاوہ علوم ظاہری سے بھی آراستہ تھے چنانچہ کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں "درالدارین فی مناقب غوث الثقلین" "مشکوٰۃ النبوۃ" "شرح مثنوی مولانا روم" قابل ذکر ہیں۔ اول الذکر دونوں تصانیف آپ کے تبحر علمی کا بیّن ثبوت اور آپ کے خامہ فصاحت نگار کا شاہکار ہیں۔ سیرت حضور غوث پاک میں اب تک صدہا کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ کوئی تصنیف آج تک درالدارین کے معیار کو نہ پہونچ سکی۔ حضرت عارف (وحید العصر حضرت سید وحید پاشاہ قادری الموسوی) کے جد امجد حضرت سید محمد مرتضیٰ قادری نے اسکو طبع فرما کر تقسیم فرمایا تھا لیکن اب یہ کمیاب ہے۔ مشکوٰۃ النبوۃ' اولیائے عظام کے اقوال میں ہے اور ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے' مطالعہ کرنے والا حیرت میں پڑ جاتا ہے کہ اسقدر تفصیلی حالات کس طرح فراہم ہو سکے ایسی جامع تصنیف راقم الحروف کی نظر سے نہیں گذری۔ تذکرہ اولیاء ہو یا تاریخ اولیائے دکن" یا کوئی اور کتاب اس تصنیف کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔

ان تصانیف کے علاوہ حضرت کا فارسی دیوان ہے جو ہنوز قلمی حالت میں ہے۔ جس چبوترہ میں آپ کا مزار ہے اس میں وہ اشعار جو مولائے کائنات کی منقبت میں آپ نے عرض کی ہیں منقش ہیں جو حسب ذیل ہیں ؎

بلند تر است ز عرش علیٰ مقام علیؓ ٭ مثال نصّ و حدیث است ہر کلام علیؓ
نبی مدینۂ علم و علی بود بابش ٭ بہ شہر کس نہ در آید بجز سلام علیؓ
چہ مدح سازمش الحق کہ قدسیاں بر عرش ٭ زنند کوس ولایت ہمہ بنام علیؓ
حدیث لحمک لحمی بشان وے آمد ٭ علیؓ وصی نبی و نبی امام علیؓ
بقول مصرعۂ کس ورد نماز است ہمیں ٭ علیؓ امام من است و منم غلام علیؓ

حضرت سید شاہ افضل بیابانی قاضی ورنگل کے حالات میں ان کی بیعت کا واقعہ یوں مرقوم ہے کہ ایک دفعہ جب وہ خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت کو محو خواب پایا لیکن قلب مبارک سے ذکر کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی اس واقعہ سے متاثر ہو کر انہوں نے حضرت کے دست حق پرست پہ بیعت کی۔ خاندان موسوی کا آفتاب سنہ ۱۲۵۸ھ میں غروب ہوا۔

"تصوف برفت" مادہ تاریخ ہے۔
۱۲۵۸ھ

۸۔ تذکرہ اولیائے حیدرآباد حصہ سوم میں سید مراد علی طالع تحریر کرتے ہیں :-

حضرت غلام علی شاہ موسوی

پیدائش ۱۱۷۸ھ شہر حیدرآباد وفات ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء بلدۂ حیدرآباد

حضرت سید شاہ موسیٰ قادری رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے تھے صحیح النسب اور نجیب الطرفین سادات اور حضور سیدنا غوث پاک رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ سلسلہ قادریہ میں والد بزرگوار علیہ الرحمہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ والد مرحوم کے بعد (۳۷) سال کی عمر میں مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے۔

تمام علوم و فنون دینی و دنیوی میں کامل مہارت حاصل تھی۔ شعر و سخن سے بھی مذاق تھا کبھی کبھی حقانی کلام موزوں فرماتے تھے۔ تحریر و تقریر میں منشی بے بدل تھے۔ اس زمانے کے بڑے مشائخین میں حضرت کا شمار ہوتا تھا۔ حامل کشف و کرامات اور صاحب خوارق عادات تھے مدۃ العمر گوشہ نشین رہے خانقاہ سے باہر کبھی قدم نہیں رکھا۔

بہت ہی خلیق اور رحمدل، عابد اور زاہد متقی اور تہجد گذار تھے۔ ساری عمر ذکر و شغل اور درس و تدریس دین، ایمان کی تلقین اور تصنیف و تالیف میں گذار دی۔ مشکوٰۃ النبوۃ جو فارسی نثر میں صوفیائے کرام کے حالات پر مشتمل ہے ایک ضخیم قلمی کتاب ہے سن اتمام کتاب میں ۱۲۵۶ھ ہے جیسا کہ تاریخ مشکوٰۃ النبوۃ سے ظاہر ہے یہاں ۱۲۱۹ھ سہواً لکھا گیا ہوگا۔ ۱۲۱۹ھ میں حضرت نے ہی لکھی جسکا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ (اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد) میں اور دوسرا نسخہ خود ان کے خاندان میں موجود ہے۔ والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر عالیشان خوبصورت پختہ گنبد اور خانقاہ، کمان اور درگاہ کا بڑا دروازہ کافی رقم خرچ کر کے حضرت نے ہی بنوایا عوام اور شاہی محلات کے لوگ ہزاروں کی تعداد میں مرید اور معتقد تھے۔"

اس کے بعد اس کتاب میں بھی انہی دو مذکورہ کرامات کے منجملہ ایک کرامت مذکور ہے چنانچہ اسکو ترک کر کے اس کے آگے تحریر جاری رکھتے ہوئے یوں منقول ہے :-

آخری عمر میں قویٰ کی کمزوری اور مرض گٹھیا نے چلنے پھرنے سے حضرت کو مجبور کر دیا تھا اسلئے ہمیشہ لکڑی کے تخت پر بیٹھتے اور اسی پر کھانا پینا اور پانچ وقت کی نماز ادا ہوتی تھی ۲۶ ماہ جمادی الاول ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء کو اسی ۸۰ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ نماز جنازہ مکہ مسجد میں ادا ہوئی

اور اپنے والد مرحوم کی گنبد کے قریب واقع پل قدیم دفن ہوئے۔ رئیس وقت ناصر الدولہ آصفجاہ چہارم نے اخراجات فاتحہ کے لئے نقد چار ہزار روپیہ اور مرشد زادی جمال النساء بیگم نے دو ہزار روپیے حضرت علیہ الرحمہ کے پسماندگان کے پاس بھیجے حضرت علیہ الرحمہ کو صرف ایک صاحبزادی تھی جسکو حضرت نے اپنے چھوٹے بھائی حسینی بادشاہ کے صاحبزادے کے نکاح میں دیا تھا اور یہی داماد بعد میں سجادہ نشین اور متولی تھے۔

محل وقوع حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا مزار والد بزرگوار کے گنبد کے قریب جانب مشرق ایک پختہ کمرہ کے اندر چبوترہ پر ہے یہ چبوترہ ۱۰ فٹ ۸" انچ مربع ہے چبوترے کے چاروں طرف سنگ موسیٰ کا خوبصورت حاشیہ ہے کمرہ کے اندر سنگ سیلو کا مکمل فرش ہے اور اس کا باب الداخلہ جنوب کی طرف ہے۔

مزار مزار کچی کا ہے مرمت طلب ہوچکا ہے جگہ جگہ سے چونا گر رہا ہے وہ ۶ فٹ لمبا ۳ فٹ ۶" انچ چوڑا اور ۳ فٹ ۴" انچ اونچا ہے مزار کے اطراف ۲" انچ اونچا لکڑی کا کٹہرا لگا ہوا ہے برقی روشنی کا انتظام ہے۔

کتبے ۱۔ خط نستعلیق کا یہ کتبہ سنگ سیلو میں کمرہ کے دروازہ پہ باہر کی طرف نصب ہے۔

آرام گاہ مست الست
۱۲۵۹ھ

غالباً یہ کتبہ حضرت علیہ الرحمہ کی وفات کے ایک سال بعد نصب کیا گیا ہے اس لئے مادہ تاریخ سنہ ۱۲۵۹ھ نکالا گیا۔ اگر حضرت کی وفات کے فوراً بعد لگایا جاتا تو بحذف "الف" "آرام گہ مست الست" مادہ تاریخ نکالا جاتا۔

۲۔ سنگ سیلو میں خط نستعلیق کا یہ تاریخی کتبہ کمرہ کے اندر جنوبی سمت میں نصب ہے۔

تصوف برفت
۱۲۵۸ھ

۳۔ تاریخی کتبہ سنگ سیلو میں بخط نستعلیق کندہ اور کمرہ کے اندر مغربی دیوار میں نصب ہے۔

علی موسیٰ الرضا

۱۲۵۸ھ

۴۔ نستعلیق خط میں سنگ سیلو کا یہ کتبہ کمرہ کے اندر شمالی دیوار سے نصب ہے۔ اس میں ۱۲۵۹ھ تاریخ نکالی گئی ہے۔

تربت انور

۱۲۵۹ھ

یہ کتبہ بھی کتبہ ع۱ کی طرح بعد میں نصب کیا گیا ہے ورنہ اس میں بھی بحذف "الف" "تربت نور" ۱۲۵۸ھ سال وفات نکل سکتا تھا۔

عرس حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کی کوئی علاحدہ تقریب نہیں منائی جاتی مقررہ تاریخ وفات پر معمولی طور پر فاتحہ ادا ہو جاتے ہیں۔ البتہ والد بزرگوار حضرت شاہ موسیٰ قادری رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے موقع پر یہاں بھی روشنی وغیرہ کا اچھا انتظام رہتا ہے۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

دیگر تراجم و تصانیف

۱۔ ترجمہ مشکوٰۃ النبوۃ	جلد اول	تصنیف حضرت سید شاہ غلام علی قادری الموسوی	ھدیہ بیس روپیہ
۲۔ 〃 〃 〃	جلد دوم	〃 〃 〃 〃	〃 بیس روپیہ
۳۔ 〃 〃 〃	جلد سوم	〃 〃 〃 〃	〃 پندرہ روپیہ
۴۔ 〃 〃 〃	جلد چہارم	〃 〃 〃 〃	〃 تیئیس روپیہ
۵۔ 〃 〃 〃	جلد پنجم	〃 〃 〃 〃	〃 بیس روپیہ
۶۔ 〃 〃 〃	جلد ششم	〃 〃 〃 〃	〃 پچیس روپیہ
۷۔ 〃 〃 〃	جلد ہفتم	〃 〃 〃 〃	〃 تیس روپیہ
۸۔ 〃 〃 〃	جلد ہشتم	〃 〃 〃 〃	〃 تیس روپیہ

۹۔ مسلک دیوبند (علمائے دیوبند کی نگارشات کے آئینہ میں) مولانا ابو الفضل سید محمود قادری 〃 سات روپیہ

۱۰۔ استعانت (طبع ثانی) مسئلہ ندا توسل استعانت پر لاجواب تصنیف 〃 〃 〃 〃 〃 زیر طبع

۱۱۔ علم غیب مسئلہ علم غیب پر 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۱۲۔ فضائل مصطفےٰ ۔ مولانا ابو الفضل سید محمود قادری کا قلمی شاہکار جو بدوران زیارت حرمین شریفین لکھا گیا۔ 〃

۱۳۔ اسلام کا عالمگیر پیام ۔ بزبان انگریزی از مولانا ابو الفضل سید محمود قادری جس کا پیش لفظ
عزت مآب محمد احمد القادری چیف جسٹس و پرو وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی نے لکھا ہے زیر کتابت

۱۴۔ فیصلہ ہفت مسئلہ ۔ مولود شریف ۔ مروجہ فاتحہ ۔ جماعت ثانیہ ۔ امکان کذب جیسے مسائل پر
حضرت شاہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوے ہدیہ ڈیڑھ روپیہ